

دعوت و عزیمت

خفیہ مجسم

تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

ایجاد دین، اشاعت کتاب و سنت، اسرار و مقاصد شریعت کی ترویج و
تفہیم، تہذیب و ارشاد اور ہندوستان میں ملت اسلامی کے تحفظ اور شخص
کے بقا کی ان عہد آفریں کوششوں کی روداد جن کا آغاز حکیم الامت اسلام
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے اصحاب و خلفاء کے ذریعہ ہوا

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے ۳ ناظم آباد مینشن ناظم آباد کراچی ۲

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم

تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ایجاد دین، اشاعت کتاب و سنت، اسرار و مقاصد شریعت کی توضیح و
تنقیح، تربیت و ارشاد اور ہندوستان میں ملت اسلامی کے تحفظ اور تشخص
کے بقا کی ان عہد آفریں کوششوں کی روداد، جن کا آغاز حکیم الاسلام
حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف و خلفاء کے ذریعہ ہوا،

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد کراچی۔ ۱۵

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی و مجلس دارالمصنفین عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ مؤتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب ————— تاریخ دعوت و عزیمت (حقتہ پنجم)

تصنیف ————— مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

طباعت ————— احمدیہ پرنٹنگ پریس - کراچی

ضخامت ————— ۴۴۸ صفحات

ٹیلیفون : ۶۶۰۱۸۱۴

اسٹاکٹ، مکتبہ ندوۃ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی

ناشر

فضلہ ربیہ ندوی

مجلس نشریات اسلام اے کے ۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد کراچی ۴۶۰

تاریخ دعوت

و

عزیمت

حصہ پنجم

اردو _____ لکھنؤ و کراچی

عربی بنام ”رجال الفکر والدعوة فی الاسلام“ الجزء الرابع

انگریزی بنام ”SAVIOURS OF ISLAMIC SPIRIT VOL. IV“

فہرست عناوین

”ناریخ دعوتِ عزیمتِ حقینہ“

پیش لفظ	۱۴-۹	ایران میں علوم عقلیہ کا غلبہ اور اس کا ہمایہ
باب اول عالم اسلام بارہویں صدی ہجری میں	۱۵	۳۵ ممالک پر اثر
بارہویں صدی کے اسلامی ممالک کے حالات	۱۵	۳۸ عام اخلاقی، معاشرتی اور اعتقادی حالت
اور انقلابات کے مطالعہ کی اہمیت	۱۵	باب دوم ہندوستان ۴۲-۶۴
ہندوستان پر ایران کے ثقافتی و تہذیبی اثرات	۱۸	سیاسی حالت
سلطنت عثمانیہ کی عظمت و اہمیت	۱۹	۴۲ اورنگ زیب عالمگیر
عالم اسلام کی سیاسی حالت	۲۰	۴۳ اورنگ زیب کے کمزور جانشین
سلطنت عثمانیہ بارہویں صدی میں	۲۰	۴۵ شاہ عالم بہادر شاہ اول (۱۱۳۲ھ)
حجاز کی صورت حال	۲۲	۵۰ فرخ سیر
یمن	۲۲	۵۱ محمد شاہ بادشاہ (م ۱۱۶۱ھ)
ایران	۲۵	۵۷ شاہ عالم ثانی
نادر شاہ افشار	۲۶	۵۸ علمی و روحانی حالت
ایران نادر شاہ کی وفات کے بعد	۲۸	۶۱ اخلاقی و معاشرتی پستی
افغانستان اور احمد شاہ ابدالی	۲۹	۶۲ اعتقادی کمزوری اور شرک و بدعات کا زور
افغانستان احمد شاہ ابدالی کے بعد	۳۰	باب سوم ۶۵-۹۶
عالم اسلام کی علمی و دینی حالت	۳۰	شاہ صاحب کے اجداد و والد بزرگوار
بارہویں صدی کے اہل کمال	۳۱	۶۵ شاہ صاحب کے اجداد
عالم اسلام کے علمی ادبی و روحانی ذوق پر ایک نظر	۳۴	۶۶ شجرہ نسب

۱۰۹	شاہ صاحب کے مشائخ و اساتذہ حمین	۶۷	خاندان کی ہندوستان آمد
۱۱۴	شاہ صاحب کا درس حدیث	۶۸	رہنمک کا قیام
	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی زبانی	۶۹	شیخ شمس الدین مفتی سے شیخ وجیہ الدین تک
	حضرت شاہ صاحب کے بعض خصائص	۷۱	شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین شہید
۱۱۷	وممولات	۷۵	شاہ صاحب کے نانا شیخ محمد پھلتی
۱۱۸	وفات	۷۶	شاہ صاحب کے عم محترم شیخ ابوالرضا محمد
۱۲۸	مدفن	۷۸	والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم
بیت نمبر ۵ شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی		۸۱	تعلیم
باب نمبر ۱۰ کارنامے، اصلاح عقائد و دعوت		۸۶	اخلاق و شامل و ممولات
إلى القرآن ۱۳۰ - ۱۶۸		۸۷	حمیت اسلامی و دور اندیشی
	شاہ صاحب کے دائرۃ تجدید کی وسعت	۸۸	ازدواج و اولاد
۱۳۰	اور تنوع	۸۸	وفات
۱۳۲	عقائد کی اہمیت		حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب شاہ ولی اللہ صاحب
	عقیدۂ توحید کی از سر نو تبلیغ و تشریح کی	۸۹	کی نظر میں
۱۳۵	ضرورت		ہندوستان کے عربی النسل خاندان اور ان کی
	مرض کا علاج اور اصلاح حال کا مؤثر	۹۰	خصوصیات و روایات
۱۴۰	طریقۂ اشاعت قرآن	باب چہارم مختصر حالات زندگی ۹۷ - ۱۲۹	
۱۴۸	شاہ صاحب کے بعد کے اردو تراجم	۹۷	ولادت
۱۵۰	درس قرآن	۹۹	تعلیم
۱۵۰	"الفوز الکبیر"	۹۹	شاہ صاحب کا پڑھا ہوا نصاب
۱۵۴	مشائخ توحید کی علمی تنقیح و تحقیق		والد ماجد کی شغقت و تربیت اور اجازت
	عقائد کی تفہیم و تشریح کتاب و سنت	۱۰۲	و خلافت
	کی روشنی میں اور صحابہ و سلف کے	۱۰۴	شادی
۱۶۳	مسلك کے مطابق	۱۰۵	دوسرا عقد
		۱۰۷	سفر حج

باب ششم شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث کی نقاب کشائی "حجتہ الشریعہ" کے آئینہ میں ۲۱۵ — ۲۲۸	باب ششم حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت دہی ۱۶۹ — ۲۱۲
۲۱۵ "حجتہ اللہ البالغہ" کا امتیاز و انفرادیت ۲۱۷ موضوع کی نزاکت ۲۱۹ مستقل تالیف کی ضرورت اور علمائے متقدمین کی ابتدائی کوششیں ۲۲۱ تمہیدی و بنیادی مضامین تکلیف و مجازات ۲۲۳ اعمال کی اہمیت اور ان کے اثرات ۲۲۴ ارتقا قات ۲۲۵ ارتفاق کی اہمیت شہری و اجتماعی زندگی کی اہمیت اور ۲۲۶ ان کی شکلیں مکاسب اور وجوہ معاش کی محمود و ۲۲۸ مذموم شکلیں ۲۳۰ سعادت اور اس کے اصول چہارگانہ ۲۳۱ عقائد و عبادات ۲۳۳ سیاسیات ملی اور انبیاء کی ضرورت ۲۳۴ بعثت مقرونہ ایرانی و رومی تمدن میں اخلاقی و ایمانی قدروں کی پامالی اور انسانیت ۲۳۵ کی زبوں حالی ۲۳۷ بعض دوسری مفید بحثیں	حدیث کی اہمیت اور ہر ملک اور ہر دور میں اس کی ضرورت ۱۶۹ حدیث امت کے لئے صحیح میزان و معیار ۱۷۰ تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکیں ۱۷۲ علم حدیث سے وابستہ ہیں ۱۷۶ علم حدیث اور عرب ۱۷۷ ہندوستان میں علم حدیث کا عروج و زوال ۱۸۰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کارنامہ ۱۸۱ ایک مجدد کی ضرورت حدیث کے بارے میں شاہ صاحب کے خیالات و جذبات ۱۸۲ ہندوستان میں علم حدیث سے بے اعتنائی کا شکوہ ۱۸۶ خدمت و اشاعت حدیث کی سرگرمی ۱۸۹ شاہ صاحب کی تصنیفی خدمات ۱۹۲ تطبیق بین الفقہ و الحدیث ۱۹۶ اجتہاد و تقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال ۲۰۲ قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا طرز عمل ۲۰۵ تقلید کی جائز اور فطری شکل ۲۰۸ مذاہب اربعہ کی خصوصیت ۲۱۰ ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت ۲۱۳

<p>باب نہم سیاسی انتشار اور حکومتِ مغلیہ کے دور احتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ وقائدانہ کردار ۲۴۵ - ۳۲۲</p>	<p>حدیث و سنت کا مقام اور ان کے بارے میں امت کا طرز عمل ۲۳۸ فرائض و ارکان کے اسرار و حکم ۲۳۹ کتاب کی جامعیت ۲۴۴ احسان و تزکیہ نفس ۲۴۴ جہاد ۲۴۶</p>
<p>۲۴۵ تین نوخیز جنگجو طاقتیں ۲۴۵ مرہٹے ۲۸۱ سکھ ۲۸۴ جاٹ ۲۸۹ دہلی کی حالت ۲۹۱ حملہ نادری نامساعد و زلزلہ انگیز حالات میں ۲۹۱ تدریس و تصنیف کی یکسوئی سیاسی انتشار اور حکومتِ مغلیہ کے دور احتضار میں مجاہدانہ وقائدانہ کردار ۲۹۴ ۲۹۵ شاہ صاحب کا احساس و اضطراب مغل بادشاہوں اور ارکانِ سلطنت کو ۲۹۸ نصیحت و مشورہ ۳۰۵ نواب نجیب الدولہ ۳۱۱ احمد شاہ ابدالی</p>	<p>باب ہشتم نظامِ خلافت کی ضرورت و افادیت، خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت اور ان کے احسانات کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء" کے آئینہ میں ۲۴۷ - ۲۴۹ کتاب "ازالۃ الخفاء" کی اہمیت و انفرادیت ۲۴۹ "حجۃ الشہ" اور "ازالۃ الخفاء" کا باہمی تعلق ۲۵۱ چند قدیم تصنیفات ۲۵۵ اسلام میں خلافت کی حیثیت و مقام ۲۵۸ خلافت کی جامع و مانع تعریف ۳۶۱ خلفائے راشدین کی خلافت پر قرآن سے استدلال ۲۶۳</p>
<p>باب دہم امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح و انقلاب ۳۲۲ - ۳۲۳</p>	<p>کتاب کے دوسرے قیمتی مضامین ۲۶۹ وفاتِ نبوی کے بعد کے تغیرات و فتن کی نشاندہی ۲۷۲ کتاب کی طباعت و اشاعت ۲۷۳</p>

۳۵۸	حدیث کی تدریس و ترویج	۳۲۳	شاہ صاحب کا امتیاز
۳۶۱	نصرتِ سنت و ردِ شیعہ	۳۲۵	مختلف طبقاتِ امت سے خصوصی خطاب
	انگریزی اقتدار کی مخالفت اور	۳۲۶	سلاطین اسلام سے خطاب
۳۶۵	مسلمانوں کا ملی تحفظ	۳۲۸	امراء و ارکانِ دولت سے خطاب
۳۷۳	مردانِ کار کی تربیت	۳۲۹	فوجی سپاہیوں کو خطاب
۳۷۳	حضرت سید احمد شہیدؒ	۳۳۰	اہل صنعت و حرفت سے خطاب
	مولانا عبدالحی بڑھانویؒ اور مولانا		شاخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے
۳۷۷	محمد اسماعیل شہیدؒ	۳۳۱	خطاب
	مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب و شاہ	۳۳۳	غلط کار علماء سے خطاب
۳۷۹	محمد یعقوب صاحبؒ		دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں
۳۸۰	اجلہ علماء و اساتذہ کبار	۳۳۴	اور کچھ نشین زاہدوں سے خطاب
۳۸۲	شاہ رفیع الدین دہلویؒ		عام امت مسلمہ سے جامع خطاب
۳۸۵	شاہ عبدالقادر دہلویؒ	۳۳۶	امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز
۳۸۷	شاہ محمد عاشق پھلتی	۳۳۹	اصلاحِ رسوم و تطہیرِ معاشرہ
۳۹۰	خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللہیؒ		باب یازدہمؒ
۳۹۱	شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ		فرزندانِ گرامی قدرِ خلفائے عالی مرتبت،
	ایک نامور معاصر و مصلح شیخ محمد بن		نامور معاصر ۳۷۳-۳۹۷
۳۹۲	عبدالوہابؒ	۳۴۳	لائق فرزندان و جانشین
	باب دوازدہمؒ	۳۴۴	عجیب مماثلت
	حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات	۳۴۶	حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ
	۳۹۸-۴۱۵		شاہ صاحب کے خصوصی کاموں کی توسیع
۳۹۸	کتب و رسائل	۳۵۳	و تکمیل
	انڈکس - مرتبہ از محمد غیاث الدین تڈک ۴۱۷	۳۵۵	اشاعت و تبلیغ قرآن

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين

وفاتم النبیین محمد وآله وصحبه اجمعین ومن تبعهم باحسان

ودعا بدعوتهم الى يوم الدين

مصنف کتاب کا قلب تاریخ دعوت و عزیمت کے پانچویں حصہ کی تسوید سے فارغ ہو کر پیش لفظ کی ان سطور کے لکھتے وقت جذبہ حمد و شکر سے معمور اور اس کا قلم اپنے اور کاتب کے خالق کے حضور میں سر بسجود ہے کہ اس نے اس سلسلہ کو اس حصہ تک جو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف و خلفاء کی دینی و علمی خدمات اور ان کے مجددانہ و مجاہدانہ کارناموں کی تاریخ دروئیداد سے مخصوص ہے پہونچانے کی توفیق عطا فرمائی۔
محرم ۱۳۷۲ھ (ستمبر ۱۹۵۲ء) میں چند تقریروں کی ایک مختصر یادداشت کو سامنے رکھ کر جب تاریخ دعوت و عزیمت کے سلسلہ کا آغاز کیا گیا تھا، اور اس کو سیدنا امام حسن بھٹیؒ اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے شروع کیا گیا تھا، تو اس وقت اس کا تصور کرنا بھی مشکل تھا کہ یہ سلسلہ پہلی دوسری صدی کے مصلحین و مجددین سے لے کر تمام درمیانی مراحل اور عالم اسلام کی زمانی و مکانی وسعت و رقبہ کو طے کرتا ہوا گیارہویں بارہویں صدی

کی دو عظیم تجدیدی شخصیتوں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک پہنچ سکے گا، عمر کی بے ثباتی، صحت کے نشیب و فراز، حوادث کی کثرت، مشاغل کے ہجوم، عزم و ہمت کی کوتاہی، اسفار کے تسلسل، نئی نئی ضرورتوں اور محرمات کے پیش آنے، پھر نگاہ کی اس کمزوری اور معذوری کے باوجود کہ مصنف مسلسل چودہ سال تک براہ راست مطالعہ اور خود لکھنے سے معذور رہا، یہ سلسلہ اس منزل تک پہنچے گا، یہ محض قدرت و توفیق الہی کا کرشمہ ہے جس پر مصنف خدا کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے، مصنف اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا کہ قرآن مجید کی اس آیت کے ذریعہ یہ فرض ادا کرنے کی کوشش کرے :-

رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ	اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ
الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ	جو احسان تو نے مجھ پر اور میراں باپ
وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ	پرکئے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے
وَاَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ	نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش
الصَّالِحِينَ ۝	ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے
(النمل - ۱۹)	اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

نیز حدیث کے یہ الفاظ دہرائے :-

الحمد لله الذي بعثني وبعثه وبعثه	اس خدا کا شکر ہے جس کی عزت و جلال
تتم الصالحات.	سے نیک کاموں کی توفیق تکمیل ہوتی ہے۔

اس جلد پر حقیقتاً صالحین کے تذکرہ کے اس سلسلہ کا اور اس حیثیت سے اس عمل صالح کا اتمام ہوتا ہے کہ یہ حصہ بارہویں صدی ہجری کی ان اصلاحی و تجدیدی کوششوں اور کارناموں پر مشتمل ہے جن کے مبارک اثرات ابھی تک باقی ہیں اور کم سے کم برصغیر ہند کے

دینی ادارے، علوم دینیہ کے مراکز، اسلام کی سر بلندی کی کوششیں اور تحریکات، اور دینی، علمی و تصنیفی سرگرمیاں ان ماسعی کے نتائج سے ابھی تک متمتع ہو رہی ہیں، اور ان کے سایہ میں اپنا سفر طے کر رہی ہیں، اور اس لئے بھی یہ بات خلاف واقعہ نہیں ہے کہ مصنف سیرت سید احمد شہیدؒ (۱-۲) کی تالیف کے ذریعہ جو ۱۹۳۹ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی، اس سلسلہ کو تیرہویں صدی کے آخر تک (اور جہاں تک اس تحتی بر اعظم کا تعلق ہے) چودھویں صدی کی کئی دینی شخصیتوں اور داعیوں (جن میں حضرت مولانا محمد ایاس صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں) کی سوانح مرتب کر کے اس سلسلہ کو اپنے زمانہ تک پہنچا چکا ہے، اس طرح درحقیقت ”تایخ دعوت و عزیمت“ کا چھٹا حصہ بھی اور ساتویں حصہ کا بڑا حصہ بھی مرتب ہو چکا ہے اب یہ اس کے بعد کے مصنفین اور تحقیقی کام کرنے والوں کا کام ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے عالم اسلام کے علمبرداران اصلاح و دعوت اور دینی قائدین کی خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈالیں جو عالم اسلام کے مختلف حصوں میں پیدا ہوئے، اور انھوں نے دعوت و اصلاح اور جہاد فی سبیل اللہ کا کام انجام دیا، پھر چودھویں صدی ہجری کی (عالم اسلام کے پیمانہ اور سطح پر) اصلاحی علمی و فکری اور دعوتی کوششوں کا جائزہ لیں اور اس کی روئیداد مرتب کریں کہ ”تایخ دعوت و عزیمت“ کا موضوع کسی خاص عہد اور ملک سے مخصوص نہیں، اس کا سلسلہ دعوتی و اصلاحی کوششوں، فکر اسلامی کی تجدید، علوم دینیہ کے احیاء و اشاعت اپنے اپنے زمانہ کے مغالطوں اور تحریفات کا پردہ چاک کرنے اور دین کی حقیقت، روح اور جوہر کو بے نقاب کرنے، اپنے اپنے زمانہ کے فتنوں اور ضلالتوں کے مقابلہ اور ان کے ازالہ کی کوششوں کے ساتھ اس وقت تک چلتا رہے گا، جب تک دین

باقی ہے اور یہ دنیا قائم ہے اس لئے کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے اس موضوع کا حق ادا کر دیا، اور اس سلسلہ کو اختتام تک پہنچا دیا کہ حدیث کے الفاظ میں:-

یحمل هذا العلم من كل خلف	اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل
عدولہ ینقون عنه تحریف	و متقی حامل و وارث ہوں گے جو
الغالبین و انتحال المبتطلین	اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف
و تاویل الجاہلین	اہل باطل کے غلط انتساب و دعویٰ
	اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو
	دور کرتے رہیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اصلاح و تجدید کا دائرہ چونکہ اپنے اندر بڑی وسعت اور تنوع رکھتا تھا، اور اس میں علمی و فکری رنگ غالب تھا، اس کے حدود میں تدریس و تصنیف، اشاعت کتاب و سنت، تطبیق بین العقل والنقل اور توفیق بین المذاهب الفقہیۃ، اسرار و مقاصد شریعت کی توضیح، آنے والے عقلی دور کی رعایت، تربیت و ارشاد، ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت، سیاسی تبدیلیوں اور ابھرتی ہوئی طاقتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور ان میں ملت کے تحفظ اور شخص کے بقا کی ممکنہ تدبیریں، علوم اسلامیہ میں مجتہدانہ فکر و نظر اور اس کی طبقہ علماء کی طرف منتقلی کی کوششیں سب شامل تھیں، اس لئے مصنف کو اس میں اس مطالعہ و فکر و نظر کی ضرورت پیش آئی جو کم حصوں میں پیش آئی تھی، اسی کے ساتھ دوسری مصروفیتیں اور

۱۱ مشکوٰۃ شریف۔

ذمہ داریاں بھی عناں گیر رہیں، پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ اس حصہ کی تکمیل میں وہ طویل وقفہ نہیں ہوا، جو اس سے پہلے دو حصوں کے درمیان عموماً پیش آتا تھا۔

مصنف اپنے اُن عزیز رفقاء کے کار و معاونین کا شکر گزار ہے جنہوں نے مآخذ کی فراہمی بعض طویل فارسی و عربی عبارتوں کے ترجمہ اور کتاب کی تسوید و تبصیر اور نظر ثانی میں مدد کی، نیز مطبوعہ اور قلمی کتابوں اور ان کے ایڈیشنوں کی تحقیق میں ان کی محنت اور کوشش شامل ہے، ان میں مولوی شمس تبریز خاں رفیق، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی استاد تفسیر حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولوی عتیق احمد صاحب مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا ابوالعرفان حسنا ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولوی سید محمد تقی حسنا نقوی ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء اور مولوی محمد ہارون سلمہ انچارج شعبہ مخطوطات کتب خانہ ندوۃ العلماء، اور عزیز مولوی شارا حق ندوی خاص طور پر قابل ذکر و شکر ہیں، عزیز گرامی مولوی نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی خاص طور پر شکر یہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے شاہ صاحب کے خاندانی حالات و اخلاف کے سلسلہ میں بعض قیمتی معلومات فراہم کیں، اور بعض مآخذ کی نشاندہی کی، عزیزان مولوی غفران ندوی و مولوی غیاث الدین ندوی نے حسب سابق کتابت و طباعت کی تکمیل اور اندکس کی تیاری میں پوری ذمہ داری اور انہماک کے ساتھ حصہ لیا، فجزاہم اللہ خیراً۔

آخر میں مصنف کی یہ دعا اور تمنا ہے کہ یہ حصہ کسی درجہ میں بھی (یہ تو کہنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی کہ اس بلند و بالا شخصیت کے شایان شان ہو جس سے اس کا تعلق ہے) موضوع و مقصد کے لحاظ سے مفید ہمت آفریں، فکر انگیز، مزید مطالعہ اور تحقیق کے لئے محرک اور سعی و جہد کے لئے شوق انگیز ہو کہ اس دور انقلاب اور اس عہد پر فتنہ

اس سے خاص طور پر رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

وما ذلک علی اللہ یعزیز

ابو احسن علی ندوی

۹۔ بے نظیر بلڈنگ، بابائی کٹرہ، بمبئی

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ
۱۶ جنوری ۱۹۸۲ء
دوشنبہ

بَابِ اَوَّلُ

عالمِ اسلام بارہویں صدی ہجری میں

بارہویں صدی کے اسلامی ممالک کے حالات اور انقلابات کے مطالعہ کی اہمیت
تاریخ و دعوت و عزیمت کی جلد چہارم کے آغاز میں (جو مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ
(۹۷۱ھ - ۱۰۳۴ھ) کی سوانح حیات ان کے عہد اور ان کے عظیم تجدیدی و انقلابی کارنامہ کی شرح و تفصیل
کے ساتھ مخصوص ہے) دسویں صدی ہجری کے (جس میں حضرت کی ولادت ہوئی اور آپ کا ذہنی و علمی
نشو و نما ہوا) تاریخی مطالعہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مصنف نے لکھا تھا:-

• ہم کو اس تاریخی حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ایک عہد اور اس عہد کی دنیا، اور
انسانی معاشرہ ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے جس کی ہر موج دوسری موج سے
مربوط و متصل ہوتی ہے اس لئے کوئی ملک خواہ وہ باقی دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا اور الگ تھلگ
زندگی گزار رہا ہو، گرد و پیش کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات، انقلابات، باہم
نبرد آزما طاقتوں اور طاقتور حکمرانیوں سے یکسر غرضناز اور غیر متعلق نہیں رہ سکتا، خاص طور پر
جب یہ واقعات، انقلابات اس کے ہم جنس، ہم مسلک اور ہم عقیدہ پڑوسی ممالک میں
پیش آرہے ہوں، اس بنا پر اس تاریخی جائزہ میں ہندوستان کے دائرہ کے اندر محدود رہنا
درست نہیں ہوگا، ہم کو دسویں صدی ہجری کی یورپی دنیا، اسلام اور خاص طور پر

گرد و پیش کے مسلم ممالک پر بھی نظر ڈالنی ہوگی، جن سے اگرچہ ہندوستان کے سیاسی روابط نہ تھے، لیکن دینی، تہذیبی اور علمی روابط تھے، اور وہاں جو سرد گرم ہوا میں چلتی تھیں، ان کے جھونکے بعد سافت کے باوجود ہندوستان تک بھی پہنچ جاتے تھے؛

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ اور ان کے تجدیدی کارنامہ پر روشنی ڈالنے کے سلسلے میں اس تاریخی حقیقت کو پیش نظر رکھنے اور اس اصول پر عمل کرنے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ ان کی ذہنی و علمی تربیت میں حجاز مقدس کا بنیادی حصہ تھا، جہاں انھوں نے (۱۱۴۳ھ - ۱۱۴۴ھ) ایک سال سے زیادہ قیام فرمایا، اور اس وقت کے فن حدیث میں مرجع خلافت اور امام فن شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کروی مدنی سے فن حدیث کی تکمیل کی، جن کے حلقہ درس میں بلاد و امصار کے طالبین حدیث مجتمع تھے، اور علمائے حرین سے (جو مختلف ممالک اسلامیہ اور عربیہ سے تعلق رکھتے تھے) ان کی طویل مجلسیں تھیں، اس وقت حجاز سلطنت عثمانیہ کی تولیت اور انتظام میں تھا، اور شرفائے مگہ سلاطین آل عثمان کے نائب کی حیثیت سے امارت کے منصب پر سرفراز تھے، حج کے علاوہ بھی (جو ہر سال عالم اسلام کے بہترین دل و دماغ اور شمع حرم کے پروانوں کو ایک جگہ جمع کر لیتا ہے) اس دور میں حرین شریفین اور خاص طور پر مدینہ طیبہ علم حدیث کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا، جہاں اس علم کے شائقین دنیا کے گوشہ گوشہ سے اکٹھا ہوتے تھے، وہاں بیٹھ کر پورے عالم اسلام کی روحانی، علمی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حالت کا جائزہ آسانی سے لیا جاسکتا تھا، ان تمام حیثیتوں سے مختلف ممالک اسلامیہ و عربیہ کی ترقی و انحطاط اور عروج و زوال کا آسانی اندازہ کیا جاسکتا تھا، اور وہاں کی مختلف شخصیتوں، باکمال افراد، اصلاحی تحریکوں و دعوتوں اور لے تا بیخ دعوت و عزیمت، حصہ چہارم ص ۲۴۲ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آخر میں حجاز پہنچے تھے، اور ۱۱۴۵ھ کے آغاز میں مراجعت فرمائی، شاہ صاحب نے دو حج کئے۔

انتشار انگیز کوششوں اور سازشوں سے واقفیت حاصل کی جاسکتی تھی، بلکہ عالم اسلام کی نبض حیات کی رفتار اور قلب اسلام کی دھڑکنوں کو ٹٹا جاسکتا تھا، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے سے بیدار مغز اور درد مند دل رکھنے والے انسان نے جس کو تدبیر الہی تجدید و احیاء دین کے کار عظیم کے لئے تیار کر رہی تھی، اس سے ضرور فائدہ اٹھایا اور اثر کیا ہوگا، اور انھوں نے اس سے اپنے فکر و نظر کی توسیع اور اپنی دعوت اور فلسفہ کی آفاقیت میں پورا کام لیا ہوگا۔

مزید برآں ہندوستان صدیوں سے وسط ایشیا کی تورانی و افغانی نسل کے ترک تازوں کی جولان گاہ اور سیاسی و انتظامی حیثیت سے ان کے زیر اثر رہ چکا تھا اور وقتاً فوقتاً اسکے نظم و نسق کے ڈھانچہ اور اس کی حکومتوں کے اثر پذیر حیم میں وہیں سے تازہ اور گرم خون آتا اور اس کے رُوزِ وال انتظامیہ اور فوجی طاقت میں نئی توانائی اور رعنائی پیدا کرتا تھا، اور جب ہندوستان میں مدت دراز سے حکومت کرنے والا خاندان ”پیری و صدعیب“ کی منزل پر پہنچ جاتا، تو درہ خیبر یا درہ بولان کے راستہ سے ایک تازہ دم عسکری طاقت ہندوستان میں قدم رکھتی، اور اس سلسلہ حکومت میں جس کا ایک ہی دین (اسلام) ایک ہی مذہب (اہل سنت و الجماعۃ) ایک ہی آئین (شرع محمدی) ایک ہی زبان (ترکی و فارسی) اور ایک ہی تہذیب (عربی، ایرانی، ترکی، ہندوستانی اثرات کا آمیزہ) تھی، طاقت کا ایک انجکشن دیتی اور اس کو زندگی کی ایک نئی قسط عطا کر دیتی۔

پھر اس حقیقت کو بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ بابر کے تسخیر ملک اور سلطنت مغلیہ کے قیام کے بعد سے افغانستان اور اس کے اہم ترین صوبے کابل و قندھار عظیم ہندوستانی مسلمان سلطنت کا ایک حصہ اور اس کا بیرونی قلعہ اور ”بالا حصار“ ہے، شاہ صاحب ہی کے عہد میں نادر شاہ ایران کی ہندوستان میں آمد اور دہلی پر حملہ ہوا، اور آپ ہی کے عہد میں والی قندھار احمد شاہ ابدالی نے کئی بار ہندوستان کا رخ کیا، اور بالآخر ۱۷۴۷ء (۱۱۷۶ھ) میں پانی پت کے

میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دے کر واقعات کا دھارا اور تاریخ کا منہج بدل دیا، اور سلطنتِ مغلیہ کو سنبھلنے، اور ہندوستان کے مسلم معاشرہ اور طبقہٴ امراء کو نیا کردار ادا کرنے کا موقعہ دیا جس کو وہ اپنی نااہلی سے ادا نہیں کر سکے، یہ سب واقعات نہ صرف شاہ صاحب کے عہد کے ہیں بلکہ آخر الذکر واقعہ میں ان کی رہنمائی شامل ہے، یہ دونوں حملہ آور ایران و افغانستان سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے شاہ صاحب کے عہد اور بارہویں صدی کے جائزہ میں ان دونوں کے حالات اور انقلاباتِ سلطنت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستان پر ایران کے ثقافتی و تہذیبی اثرات

پھر جس طرح ہندوستان پانچویں صدی ہجری سے سیاسی اور فوجی حیثیت سے ترکستان و افغانستان کے زیر اثر رہا ہے اسی طرح وہ علمی، ادبی، ثقافتی، تہذیبی اور فکری حیثیت سے کم و بیش ایران کے زیر اثر رہا ہے، وہاں کا ادب و شاعری، تصوف کے سلاسل و طرق، اور آخر میں وہاں کا نصابِ درس اور طریقہٴ تعلیم، اور وہاں کے علماء اور اساتذہٴ فن کی تصنیفات ہندوستان کے ذہن و دماغ پر سایہ فگن رہی ہیں یا مخصوص ہمایوں کے ایران جانے اور وہاں کی مدد سے سلطنتِ ہندوستان کے دوبارہ حصول کے بعد سے، پھر دورِ اکبری میں امیر فتح اللہ شیرازی اور حکیم علی گیلانی کی آمد کے بعد سے ہندوستان اپنے نصابِ طریقہٴ تعلیم، معیارِ فضیلت کے تعین اور معقولات و علومِ حکمت کے میدان میں ایران کا کُلّیہٴ خوشہ چیں بلکہ بلج گزار اور غاشیہ بردار بن گیا، اور اس سلسلہ میں حقیقتاً ایران کا ہندوستان پر اقتدارِ اعلیٰ قائم ہو گیا، اس حقیقت کے پیش نظر ہم اس تاریخی جائزہ میں ایران اور اس میں پیش آنے والے واقعات سے کسی طرح صرف نظر نہیں کر سکتے۔

لہٰذا اس کی تفصیل بعد کے ابواب میں آئیگی۔

سلطنت عثمانیہ کی عظمت و اہمیت

افغانستان و ایران کے پڑوسی ملکوں کے ماسواہم اس سلطنت عثمانیہ سے بھی (جس نے دسویں صدی کے اوائل سے خلافت کا منصب سنبھال رکھا تھا) آنکھیں نہیں بند کر سکتے جس کا مستقر اگرچہ جزائری اعتبار سے ہندوستان سے بہت دور یورپ اور ایشیائے کوچک میں واقع تھا، لیکن تقریباً تمام عرب ملک (مصر، شام، عراق، یمن، نجد و حجاز اور شمالی افریقہ کا ایک بڑا حصہ) اس کے ماتحت تھے، حرم و مقامات مقدسہ کے پاس بان و متوقی ہونے، خلافت اسلامی کے حامل و امین ایک بڑی طاقت اور شہنشاہی کی حیثیت سے بھی اور مغرب اور مخالف اسلام طاقتوں کی نگاہ میں اسلامی طاقت کا نشان اور بہت سے اسلامی مفادات کا محافظ و پاس بان ہونے کی بنا پر بھی تمام دنیا کے مسلمان اس کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، اور وہاں پیش آنے والے واقعات سے نہ صرف دلچسپی رکھتے تھے، بلکہ اثر لیتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا عالمی ذہن رکھنے والا انسان جس کی تاریخ اسلام پر گہری نظر تھی، سلطنت عثمانیہ سے صرف نظر نہیں کر سکتا تھا، وہ خلافت کی شرعی حیثیت اور سیاسی و اجتماعی اہمیت کے رمز آشنا تھے، اور دین و اخلاق اور صالح معاشرہ اور صحت مند تمدن و معیشت کے لئے آزاد حکومت و غیر فاسد سیاسی طاقت کو ضروری سمجھتے تھے، اور مسلمانوں کو نہ صرف اپنے ملک بلکہ باطالعالم پر ایک مؤثر اور صاحب امر و نہی طاقت کے طور پر دیکھنے کے آرزو مند تھے، وہ مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت کے عروج و زوال اور اس کے داخلی سکون و انتشار کی طرف سے کیسے آنکھیں بند کر سکتے تھے، خصوصاً جبکہ وہ ایک سال سے زائد اس کے محبوب ترین اور معزز ترین دائرہ حکومت حجاز میں کھلی ہوئی آنکھوں بیدار دماغ اور حساس دل کے ساتھ قیام کر چکے تھے، اور اس کے مقبوضات اور زیر انتظام ملکوں مصر و شام و عراق سے آنے والوں کی زبانی ان اثرات کا جائزہ لے چکے تھے، جو سلاطین آل عثمان، ان کے وزراء

شیوخ اسلام اور علمائے ترکی کے رجحانات و تفسیلات کے نتیجہ میں ان ملکوں کے علمی و دینی حلقوں پر پڑ رہے تھے، اس لئے ہمیں بارہویں صدی ہجری (اٹھارویں صدی عیسوی) میں سلطنت عثمانیہ، اس کے اپنے پڑوس کے عیسائی مغربی ممالک سے تعلقات، شکست و ریخت، عزل و نصب اور سیاسی طاقت کے مدوجزر پر بھی ایک جمالی نگاہ ڈالنی ہوگی۔

عالم اسلام کی سیاسی حالت

ہم پہلے اس وقت کے عالم اسلام کی سیاسی حالت، حکومتوں کے انقلابات اور اہم حوادث پر نظر ڈالیں گے، پھر عالم اسلام کا علمی، دینی، اخلاقی روحانی جائزہ لیں گے۔

سلطنت عثمانیہ بارہویں صدی میں

شاہ صاحبؒ ۱۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۶ھ میں انھوں نے وفات پائی، اس عرصہ (۶۲ سال) میں سلطنت عثمانیہ کے تخت پر پانچ سلاطین، مصطفیٰ ثانی (م ۱۱۵۵ھ) احمد ثالث (م ۱۱۴۳ھ) محمود اول (م ۱۱۶۶ھ) عثمان ثالث (م ۱۱۶۱ھ) اور مصطفیٰ ثالث (۱۱۸۶ھ - ۱۱۶۵ھ) آئے اور گئے۔

شاہ صاحبؒ کے زمانہ شعور اور فکر و عمل میں احمد ثالث، محمود اول، عثمان ثالث اور مصطفیٰ ثالث نے عنان سلطنت و خلافت سنبھالی، لیکن اہم مدت (شاہ صاحبؒ کے آخری پانچ سال کا زمانہ) مصطفیٰ ثالث کے عہد میں گزری۔

مصطفیٰ ثالث نے سولہ برس آٹھ مہینے حکومت کی ان کے زمانہ میں سلطنت عثمانیہ اور روس کے درمیان جنگ چھڑی، سلطنت عثمانیہ کو اس جنگ (۱۱۶۹ھ) میں شکست ہوئی، جس میں دوس کا کوئی

کارنامہ نہ تھا، بعض حوادث اور انتظامات کی کمی کو دخل تھا، الفنسٹن روسی جنرل نے قسطنطنیہ پر بھی حملہ کا ارادہ کیا، لیکن اس کو باز رکھا گیا، مصطفیٰ خاں نے فوج کی تقویت اور عسکری اصلاحات کی طرف بھی قدم اٹھایا اور کچھ فوجی کامیابیاں بھی حاصل کیں، روس نے صلح کے لئے کچھ شرطیں پیش کیں، جو توہین آمیز تھیں، بخارست میں ۱۳ شعبان ۱۱۸۶ھ (شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات کے دس سال بعد) ۹ نومبر ۱۷۷۹ء میں کانفرنس ہوئی جس میں کچھ شرطیں پیش کی گئیں، سلطنت عثمانیہ نے ان کو ٹھکرا دیا، اور ترکی افواج کو جنگ شروع کرنے کا حکم دیا، جنگ کے نتیجہ میں روس کو شکست فاش ہوئی، روسیوں کی مرعوبیت کا یہ حال تھا کہ عثمانی افواج جب بازار حق (اب جو TOBULKHIN کہلاتا ہے) سے گذریں تو شہر کی پوری آبادی شہر چھوڑ کر چلی گئی، مؤرخ ہمر (HEMER) لکھتا ہے کہ ”عثمانیوں نے آگ پر چڑھی ہوئی ہانڈیاں پائیں جن میں گوشت تھا“ ۸ ذی قعدہ ۱۱۸۷ھ (۳۱ جنوری ۱۷۷۴ء) کو سلطان مصطفیٰ ثالث نے وفات پائی، مؤرخین اس کے عدل اور امور خیر کی خواہش و کوشش کی تعریف کرتے ہیں، اس نے اپنے زمانہ میں بہت سے مدارس اور خانقاہیں قائم کیں۔

شاہ صاب کا عہد شباب تھا کہ سلطنت عثمانیہ میں مطبعوں کا رواج ہوا، اور پہلا مطبعہ قسطنطنیہ میں قائم ہوا، اسی عہد میں نجد و حجاز میں شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۱۱۵ھ - ۱۲۰۶ھ) کی تحریک نے فروغ پایا، عثمان ثالث کے

۱۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”تاریخ الدولة العلیة العثمانیة“ از محمد فریدک المحامی۔ طبع بیروت

۱۸ ”تاریخ الدولة العلیة العثمانیة“ ص ۳۲۹-۳۳۰

۱۹ بعد میں سعود بن عبدالعزیز (۱۱۶۳ھ - ۱۲۲۹ھ) امیر نجد نے اسی دعوت مجاہدانہ جوش اور فوجی تنظیم کی طاقت سے ۱۲۱۵ھ میں حجاز اور جزیرۃ العرب کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا، ۱۲۲۳ھ میں خدیو محمد علی والی مصر کی کوشش سے اس حصہ پر دوبارہ ترکی سلطنت کا مکمل قبضہ ہوا، نجدی امیر عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے، جہاں وہ قتل کر دیئے گئے۔

زمانہ میں علی بے (الملقب بشیخ البلد) مصر کی حکومت و انتظامات پر پورے طور پر حاوی ہو گئے، انھوں نے روسی جنرل کے ساتھ جو بحریہ و زمین پر متعین تھا، سازش کر لی اور شرط کی کہ وہ ذخائر اور اسلحہ سے ان کی مدد کرے گا، تاکہ مصر خود مختار ہو جائے، اس کی مدد سے علی بے عترہ، نابلس، قدس، یافہ اور دمشق پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا، وہ اناطولیہ کے حدود کی طرف رخ کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ ملوک سواروں میں سے ایک سردار محمد بے مشہور بابی الذہب نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، جس کی وجہ سے علی بے کو مصر واپس آنا پڑا، اور اس نے شکست کھائی، اس اندرونی جنگ اور انتشار کے نتیجہ میں بیروت پر روسی جہازوں نے آتش باری کی جس سے مین سو کے قریب مکانات برباد ہو گئے، مصر میں محرم ۱۱۸۷ھ میں علی بے اور محمد بے کی فوجوں کا مقابلہ ہوا، ابو الذہب کامیاب ہوا، اور علی بے گرفتار ہوا، اور زخمی حالت میں اس نے انتقال کیا، اس کا سر کاٹ کر چار روسی افسروں کے ساتھ عثمانی گورنر خلیل پاشا کے پاس بھیج دیا گیا، جس نے ان کو قسطنطنیہ روانہ کر دیا، اور مصر دوبارہ سلطنت عثمانیہ کے کئی قبضہ میں آ گیا۔

حجاز کی صورت حال

شاہ صاحب نے جب حجاز کا سفر کیا، اور حرمین شریفین میں طویل قیام فرمایا، تو اس وقت سلطان محمود اول (۱۱۴۳ھ - ۱۱۶۱ھ) کی سلطنت و خلافت کا زمانہ تھا، اس وقت حجاز میں سلطنت عثمانیہ کے نائب و نمائندہ امیر حجاز (جو شریف مکہ کہلاتے تھے) محمد بن عبداللہ بن سعید بن زید بن محسن الحسینی (م ۱۱۶۹ھ) والی حجاز تھے، جو اپنے والد کی وفات پر ۱۱۴۳ھ میں امارت حجاز لے بعض کتابوں میں ان کا نام محمد بن عبداللہ بھی آیا ہے، شاید لفظی مماثلت سے بچنے کے لئے ادباً ایسا کیا گیا۔

پر متعین ہوئے، ان کا زمانہ خانہ جنگیوں اور امارت کے لئے خاندانی کشمکش کا زمانہ تھا، ۱۱۳۵ھ میں ان کے چچا مسعود بن سعید نے ان کو ہٹا کر امارت حجاز پر قبضہ کر لیا، لیکن ۱۱۴۶ھ میں انھوں نے دوبارہ یہ منصب حاصل کیا، لیکن پھر چچا نے ان کو معزول کر دیا، اور ۱۱۶۵ھ تک صلیب حیات وہی اس پر قابض و متصرف رہے، ان کے زمانہ میں حجاز میں سکون اور امن و امان قائم رہا، مورخین ان کو بیدار مغز اور سیاسی سوچ بوجھ کا آدمی بتاتے ہیں۔

بارہویں صدی کے اس عہد وسطیٰ میں راستوں کی بد امنی، بدوؤں کی غارت گری، اور بد انتظامی کی شکایت تاریخ کی کتابوں اور حج کے سفر ناموں میں عام طور پر ملتی ہے، جو سلطنت کے مرکز (قسطنطنیہ) کی دوری، ترکوں کی حجاز کے اندرونی معاملات میں امکانی حد تک دخل دینے سے احتراز کی پالیسی اور شرفائے مکہ کے (جو مسلم النسب حسنی سادات میں سے تھے) معاملہ میں ضرورت سے زیادہ محاذ و مروت، عربوں کے معاملہ میں غلو کی حد تک احترام و عقیدت، اور ان کی زیادتیوں سے لے کر امراء مکہ کا (جو حسنی سادات میں سے منتخب ہوتے تھے) اور اس کی وجہ سے ان کو "اشرف" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا) سلسلہ جو تھی صدی ہجری کے ثلث اول سے شروع ہو گیا تھا، پہلے شریف مکہ کا تقرر عباسی خلیفہ المظیع للہ (۳۳۲ھ-۳۶۳ھ) کے عہد میں ہوا، سلطان سلیم کے شام و مصر پر قبضہ اور جرین شریفین کو اپنی تولیت و انتظام میں لینے کے وقت تک شرفائے مکہ کا تقرر مصر کے ملوک خاندان کے فرمانرواؤں کی طرف سے ہوتا تھا، سلطان سلیم نے اس وقت کے شریف مکہ الید برکات اودان کے فرزند سید ابونی کو اپنے منصب پر برقرار رکھا، اور وہ بدستور امیر مکہ رہے، اس کے بعد سے یہ سلسلہ شریف حنین کی امارت تک جاری رہا جنھوں نے (جون ۱۹۱۶ء) شعبان ۱۳۳۲ھ میں عثمانیوں کے خلاف بغاوت کی اور جنوری ۱۹۳۶ء میں سلطان ابن سعود کے قبضہ کے بعد حجاز سے بے دخل ہوئے۔ ۱۱۵۰ھ اعلام ج ۸ ص ۱۱۲-۱۱۳ (بحوالہ خلاصۃ الکلام و عنوان المجد)

وتذیل شفاء الخرام لأخبار البلد المحرام ج ۲ ص ۳۰۹-۳۱۰ باب ولایة مکة

چشم پوشی کی سیاست، پھر مزید برآں امارت حجاز کے موروثی اور ایک ہی خاندان میں محدود ہونے کا قدرتی نتیجہ تھا، یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے ان غیر اطمینان بخش حالات منصب امارت کے لئے رقیبانہ و حریفانہ کشمکش اور نظم و نسق کی کمزوری کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھا بھی ہوگا، اور دینی حمیت سے معمور قلب سے محسوس بھی کیا ہوگا، چچا بختیجہ کی منصب امارت کے لئے محرکہ آرائی جو ۱۱۴۵ھ میں پیش آئی عجیب نہیں کہ ان کے زمانہ و قیام میں ہوئی ہو، اور انھوں نے اس سے دور رس نتائج اور اخلاقی زوال کے شواہد اخذ کئے ہوں۔

یمن

یمن میں بھی تقریباً اسی طرح کا نظام نافذ تھا کہ سیاسی و خارجہ پالیسی کے اعتبار سے سلطنت عثمانیہ کے ماتحت اور دہلی ترک (گورنر) کے جو سلطنت کی طرف سے متعین کیا جاتا تھا، موجود ہونے کے ساتھ وہاں امامت کا نظام نافذ تھا، جو یمن میں تیسری صدی ہجری کے وسط سے چلا آ رہا تھا، اور جس پر نسباً سادات اور مذہباً زیدی شیعہ حضرات فائز ہوتے تھے، اہل یمن ان کے لئے علامہ محمد ابو زہرہ نے اپنی کتاب "تاریخ المذاهب الإسلامية" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ زیدی شیعہ فرقوں میں اہل سنت و الجماعت سے قریب تر اور معتدل ہیں، انھوں نے ائمہ کو مرتبہ نبوت تک نہیں پہنچایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صرف ان کی افضلیت کے قائل ہیں وہ صحابہ کی تکفیر نہیں کرتے، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ جس امام کی آپ نے وصیت فرمائی تھی، اس کی تعیین نام و شخصیت سے نہیں کی تھی، بلکہ اوصاف بیان کئے تھے، جو حضرت علی پر منطبق ہوتے ہیں، علامہ ابو زہرہ کی تحقیق ہے کہ اس فرقہ کے بانی امام زید ابن امام زین العابدین شیخین (حضرت ابو بکر و عمرؓ) کی امامت کے قائل تھے، اور ان کی خلافت کو صحیح مانتے تھے (۲۷۹-۲۸۰)

ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتے تھے اور وہ امام کہلاتے تھے، جو اس منصب پر فائز ہو اس کا
 درجہ اجتہاد تک پہنچا ہوا ہونا، اور اپنے مذہب کا مسلم و متبحر عالم ہونا مفروضہ سمجھا جاتا
 تھا، یمن سلطان سلیمان قانونی ابن یاؤز سلیم کے زمانہ حکومت میں سلطنت عثمانیہ میں شامل
 ہوا، اس وقت ائمہ یمن کے فرزند و جانشین السید المظہر (ابن الامام شرف الدین (م ۹۹۷ھ)
 حاکم و امام یمن تھے، ترکی حاکم اور قائد ننان پاشا اور ان کے درمیان جنگ ہوئی، اور یمن
 سلطنت عثمانیہ کے زیر نگین ہو گیا، لیکن ترکوں نے حجاز کی طرح یہاں بھی امارت کا نظام
 قائم رکھا، اور ایک طرح کی داخلی خود مختاری دے دی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب جب
 حجاز میں تھے تو اس وقت یمن میں الامام المنصور باحہ الحسین بن المتوکل علی اللہ
 قاسم بن حسین امام یمن تھے، جن کا عہد امانت و حکومت ۱۱۳۹ھ سے ۱۱۶۱ھ تک قائم رہا،
 مذہب زیدی کی حکومت اور فروغ کے باوجود رعایا زیادہ تر سنی اور مذہب شافعی تھی، یمن
 بارہویں اور تیرہویں صدی میں علم حدیث کا اہم مرکز رہا ہے، جہاں بارہویں صدی میں محمد بن
 اسماعیل الامیر (م ۱۱۳۲ھ) صاحب قبل السلام، اور تیرہویں صدی میں علامہ محمد بن
 علی الشوکانی (م ۱۲۵۵ھ) صاحب نیل الاوطار پیدا ہوئے، حجاز کے قیام میں شاہ صاحب
 قرب مکانی اور روابط علمی کی بناء پر علماء یمن کی تصنیفات اور ان کی محدثانہ خدمات سے
 ضرور واقف ہوں گے۔

ایران

ایران میں خاندان صفوی کی سلطنت پر دو صدیاں گزر چکی تھیں، اور قانون قدرت

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "البرق الیمانی فی الفتح العثماني" از علامہ قطب الدین نیر والی (عینی) حنفی

کے مطابق اس پر پیری واضح محال کا وہ دور آگیا تھا جو فلسفی مؤرخ ابن خلدون کے بقول آنے کے بعد جانے کا نام نہیں لیتا "ان المهم اذا نزل بدولة لا يرتفع" اس حالت کو دیکھ کر ہمایہ ملک افغانستان نے فائدہ اٹھایا، اور اپنے حوصلہ مند حکمران محمود خاں غلزئی کی قیادت میں ۱۱۳۲ھ میں ایران پر حملہ کیا اور اصفہان کو فتح کر لیا، حسین شاہ گرفتار ہوا، افغانوں نے باقی ملک کو بھی فتح کرنے کا ارادہ کیا، لیکن ان کی تعداد اس قدر نہ تھی کہ پورے ملک کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتے، محمود خاں تین سال سلطنت کرنے کے بعد ۱۱۳۶ھ میں راہی ملک بھاگ ہوا، اس کے جانشین اشرف خاں کے زمانہ میں ملک میں بدظمی پھیل گئی، اس وقت روس کے فرمانروا پیٹر اعظم نے ایران کے شمالی اضلاع پر حملہ کیا صلح کے نتیجے میں ایران کو اپنے بہت سے زرخیز اور اہم اضلاع سے دستبردار ہونا پڑا، شاہ ایران قید میں تھا، خوش قسمتی سے اس کے شاہزادہ طہماسپ کو ایک لائق صاحبِ عزم و نظم قائل مل گیا، جو خاندانی طور پر معمولی حیثیت کا مالک ہونے کے باوجود اپنی صلاحیتوں کی بناء پر اس گروہ میں شامل تھا، جو نئی سلطنتوں کی بنیاد رکھتے ہیں، یہ نادر شاہ افشار تھا۔

نادر شاہ افشار

نادر نے طہماسپ کو اس کے آبائی تخت پر بٹھا دیا، دولت صفویہ زوال سے دوچار تھی، اور اس کے دوبارہ عروج کے آثار نہ تھے، سارے ملک میں انتشار اور بے اعتمادی پھیلی ہوئی تھی، نادر نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ایک نئی عسکری طاقت کی تنظیم کی، اس کی حوصلہ مندی اور مردانگی نے ایرانیوں میں ایک نئی روح پھونک دی، وہ آندھی پانی کی طرح اٹھا اور سارے ملک پر چھا گیا، اس نے ۱۱۴۳ھ میں افغانوں کو ایران سے بالکل بے دخل کر دیا، ۱۱۴۶ھ میں اس نے

لہ جب کسی سلطنت پر بوڑھے کا دور آتا ہے تو پھر اس کی جوانی واپس نہیں آتی۔ (مقدمہ ابن خلدون)

کام لینے کا عادی بنتا گیا، انجام کار اس نے اپنے گرانقدر محصلوں اور جابرانہ تحصیلات سے ملک کو تباہ کر ڈالا ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ اپنے ہی قبیلہ کے ایک آدمی کے ہاتھ سے مارا گیا ۱۷

ایران نادر شاہ کی وفات کے بعد

نادر شاہ کی موت کے بعد ایران میں ابتر ہی پھیل گئی، اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا اس کی فوج کے سالار اپنی اپنی سلطنت کے قیام کا خواب دیکھنے لگے، اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجہ علی قلی عادل شاہ (۱۷۴۷ء - ۱۷۴۸ء) تخت نشین ہوا، اس نے اپنے خاندان کو قتل کروادیا صرف شہزادہ شاہ مخ مرزا بچا جس کی عمر اس وقت چودہ برس تھی، عادل شاہ ایک سال کے اندر اندر اپنے بھائی ابراہیم کے ہاتھوں معزول ہوا، اور اندھا کر دیا گیا، لیکن ابراہیم کی فوج میں بغاوت ہو گئی، فوجی افسروں نے اس کو شکست دے کر قید پھر قتل کر دیا، اس کے بعد عادل شاہ کو بھی قتل کر دیا گیا، اس کے بعد زند خاندان ایران پر غالب آیا، اور کریم خاں زند (۱۷۴۵ء - ۱۷۴۶ء) نے امیر برہنہ کی، اس نے شیراز کو اپنا پایہ تخت بنایا، وہ انصاف اور رحم دلی کی صفات سے متصف تھا، اس نے ایران کو خونریز جنگوں کے بعد سکون و آرام کا موقعہ دیا، اس لئے اس کی موت پر بڑا سوگ منایا گیا، متحد کمزور جانشینوں کے بعد لطف علی کے عہد میں خاندان زند کا زوال مکمل ہو گیا، لطف علی (۱۷۴۹ء - ۱۷۵۰ء) میں قتل ہوا، اور ایران کا تخت خاندان قاجار کے لئے خالی ہوا، چونکہ یہ عہد شاہ صاحب کے بعد کا ہے اس لئے ہم اس سے تعرض نہیں کرتے۔

افغانستان اور احمد شاہ ابدالی

اٹھارویں صدی سے پیشتر افغانستان کا ایک حصہ ایران کے ماتحت تھا، دوسرا ہندوستان کے ماتحت، اور تیسرے حصہ پر بھار کے خوانین حکمراں تھے۔ ۱۷۷۱ء میں قندھار آزاد و خود مختار ہو گیا، ۱۷۷۳ء میں نادر شاہ نے افغانوں کو قندھار کی حکومت سے بے دخل کیا، اور افغانستان نیز مغربی ہند پر قبضہ کر لیا۔

اس وقت ایک شخص احمد خاں نامی جنگی قیدی کی حیثیت سے اس کے پاس لایا گیا، نادر شاہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس کو اپنے ذاتی خدمت گاروں میں شامل کر لیا، احمد خاں برابر ترقی کرتا گیا، اور بادشاہ کا اعتماد اس نے بیش از بیش حاصل کیا، نادر کے قتل پر اس نے افغانی صوبوں کی عنان حکومت سنبھال لی، وہ ابدالی قبیلہ کے دُرانی (سردوزئی) شاخ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے دُر دوراں کا لقب اختیار کیا، اور اسی نسبت سے اس کا خاندان دُرانی کہلایا۔

احمد شاہ نے دُرانی خاندان کی حکومت اور دُرانی سلطنت کی بنیاد رکھی، اس کی وفات پر افغان سلطنت مشرقی ایران (مشہد) پورے افغانستان، مکمل بلوچستان اور مشرقی سمت میں کشمیر اور پنجاب پر مشتمل تھی، وہ حقیقتاً اٹھارویں صدی کے وسط کے عظیم باتیان سلطنت، آزمودہ کار اور عالی ہمت سپہ سالاروں، اور خدا ترس و کریم النفس حکمرانوں میں شامل کئے جانے کے قابل اور بحیثیت مجموعی (ماحول) ابتدائی زندگی اور بے سرو سامانی کو سامنے رکھتے ہوئے (معموم) عبقری (GENIUS) شخصیتوں میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے۔ ۱۷۷۳ء سے ۱۷۷۹ء تک اس نے محمود غزنوی کی طرح ہندوستان کو اپنی ترک تازیوں کا میدان بنایا، اس کے تدبیر

عسکری صلاحیت، مذہبیت، علم دوستی، اور شرافتِ نفس کا اعتراف اس کے متعدد نامور معاصرین نے کیا ہے، اس نے عرصہ دراز کے بعد افغان علاقہ کو جو اس وقت چھوٹی چھوٹی اکائیوں پر مشتمل تھا، ایک مضبوط طاقت میں منسلک کر کے ایک بڑی اور مضبوط اکائی میں تبدیل کر دیا۔

افغانستان، احمد شاہ ابدالی کے بعد

احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۸۶ھ (۲۳ اکتوبر ۱۷۷۳ء) کو قندھار میں وفات پائی، افسوس کہ عالمگیر اعظم کی طرح اس کے جانشین بھی کمزور نااہل تھے (اور یہ المیہ اکثر عظیم باتیانِ سلطنت اور کامیاب فاتحین و حکمرانوں کے ساتھ پیش آیا ہے) تیمور شاہ کو جو اس کا جانشین اور اس نوزیر اور عظیم سلطنت کا وارث ہوا، اپنے نامور اور صاحبِ عزم باپ سے کوئی نسبت نہ تھی، بیش سال کمزوری کے ساتھ سلطنت کرنے کے بعد جس میں اس جو اس سال سلطنت کے اندر زوال کے آثار نمایاں ہو چکے تھے، ۱۱۹۳ھ میں اس نے انتقال کیا، اس کے فرزند محمود کی بادشاہی کے زمانہ ہی میں سلطنت بارک زئی خاندان میں منتقل ہو گئی، جو انقلابِ افغانستان ۱۱۹۵ھ تک افغانستان میں حکمران رہا۔

عالم اسلام کی علمی و دینی حالت

عالم اسلام کا سیاسی و انتظامی جائزہ لینے کے بعد اب ہم اس کا علمی و دینی جائزہ لے مزید تفصیل یا بیہم میں احمد شاہ ابدالی کے تذکرہ میں آئیگی۔ ۱۲ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "ریت سید احمد شہید" حصہ اول • درانی خاندان کا زوال اور اس کے اباب "۴۲۳-۴۲۳" ۱۲ اسی خاندان کے حکمرانوں سے حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کو سابقہ پڑا، اور اسی کی آخری شاخ ظاہر شاہ پر ۱۱۹۵ھ میں ختم ہوئی۔

لیتے ہیں کہ اس کا شاہ صاحب کی زندگی، ان کے موضوع و ذوق اور ان کے کار تجدید و اصلاح سے قریبی تعلق ہے۔

بارہویں صدی کے اہل کمال

مسلمانوں کی علمی و فکری تاریخ، اور ان کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیوں کی طویل روداد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی علمی و فکری زندگی و نشاط، اور ان کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیاں، سیاسی عروج اور سلطنتوں کی ترقی و فتوحات سے مربوط و وابستہ نہیں رہی ہیں، جیسا کہ اکثر غیر مسلم اقوام و ملل کی تاریخ میں نظر آتا ہے کہ ان کے سیاسی زوال، انقلاب سلطنت اور بد نظمی و انتشار کے ساتھ ان کو علمی زوال اور قحط الرجال سے بھی واسطہ پڑتا ہے، سلطنتوں کی ہمت افزائی و سرپرستی، اور قوموں میں خود اعتمادی و احساس برتری کے فقدان کے ساتھ ان کے ذہن و فکر کے سوتے خشک، مسابقت کا جذبہ سرد، اور محککاتِ عمل کمزور پڑ جاتے ہیں۔

مسلمانوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، بارہا ان کے سیاسی زوال اور اندرونی انتشار کے زمانہ میں ایسے ممتاز اہل کمال پیدا ہوئے، جو دور زوال و انحطاط کی پیداوار نہیں معلوم ہوتے، ساتویں صدی کے آخر میں سقوط بغداد اور تاتاریوں کے ان حملوں کے بعد جنہوں نے مشرقی دنیا کو اسلام کو زیر و زبر کر دیا تھا، اور ان ممالک میں خاک اڑ گئی تھی، جو صدیوں سے علم کا مرکز چلے آ رہے تھے، آٹھویں صدی کے اوائل ہی میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن دینق البید (م ۲۸۵ھ) جیسے محدث علامہ علاء الدین اباجی (م ۳۱۲ھ) جیسے اصولی و منکلم، شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) جیسے امام و مجتہد، علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) جیسے محدث و مؤرخ، اور علامہ ابو حیان نخوی (م ۷۴۵ھ) جیسے ماہر فن علماء نظر آتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ علوم دینیہ میں کمال پیدا کرتے اور ان کی خدمت و اشاعت کے محرکات اس امت کے اندرون اور باطن میں پائے جاتے ہیں نہ کہ بیرون (حکومتوں کی سرپرستی و قدر دانی) میں، اور وہ محرکات ہیں رضائے الہی کا حصول، نیابتِ انبیاء کے فرض کی ادائیگی، اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس، اس لئے یہ عہد اگرچہ مجموعی طور پر یاسی انتشار کا عہد ہے، اور بڑی بڑی مسلم حکومتوں حتیٰ کہ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے آثار شروع ہو گئے تھے، ملکوں پہاںکے مرکز اسلام حجاز تک میں حکومت و امارت کے حصول کے لئے باہمی کشمکش اور نبرد آزمائی تھی، لیکن مصر، شام، عراق، حجاز و یمن، ایران و ہندوستان میں ہر جگہ علماء درس و تدریس میں مشغول، علمی ذوق رکھنے والے تصنیف و تالیف میں سرگرم، اور شارح طریقت تزکیہ نفس و اصلاح باطن میں نہک، اور کمالات روحانی، اور ترقیات باطنی سے آراستہ و متصف تھے، اور ان میں سے بعض بعض نے ایسا امتیاز پیدا کیا تھا کہ اس کی نظیر ماضی قریب میں بھی دوز تک نہیں ملتی۔

فن حدیث کو لیجئے تو اس میں علامہ ابوالحسن السندی الکبیر (م ۱۳۸۸ھ) جیسے محدث نظر آتے ہیں جنہوں نے مدت تک حرم شریف میں حدیث کا درس دیا، صحیح رستہ پر ان کے حواشی الہوامش السنۃ کے نام سے مشہور ہیں، مولانا محمد حیات سندی (م ۱۳۶۳ھ) بھی اسی عہد کی زرب وزینت ہیں، شام میں شیخ اسماعیل العجلونی المشہور بالجراح (م ۱۳۶۲ھ) پایہ کے محدث تھے، ان کی کتاب "کشف الخفا و مزیل الالباس، عما اشتہر من الأحادیث علی السنۃ الناس" (ج ۱-۲) بڑی مفید اور جامع کتاب ہے، جو ضعیف و موضوع احادیث کا غالباً سب سے بڑا مجموعہ ہے، کتاب سے ان کی وسعت نظر اور انصاف کا اندازہ ہوتا ہے، ضعیف و موضوع احادیث کے علاوہ وہ حدیثیں بھی ہیں جو زبان زد خلایق ہیں، اور ان کی تخریج عام طور پر معلوم نہیں۔

لہٰذا یہ کتاب مکتبۃ التراث اسلامی حلب نے شائع کی ہے۔

تدریس حدیث کا بڑا مرکز حرمین شریفین تھے، جہاں شیخ ابوالطاهر الکوری الکردی، و شیخ
 حسن الجیمی درس دیتے تھے، یمن میں سلیمان بن یحییٰ الابدل (م ۱۱۹۷ھ) دیار یمن کے محدث جلیل
 اور اپنے عہد کے بڑے خادم و ناشر حدیث تھے، محمد بن احمد الفاریسی (م ۱۱۸۸ھ) حدیث اور
 اصول کے بڑے عالم اور الذر الدرد المصنوعات فی الکحادیث الموضوعات کے مصنف تھے، یمن
 میں الامیر محمد بن اسماعیل الحسینی المصنغانی (م ۱۱۴۲ھ) جلیل القدر محدث و محقق تھے جن کی یادگار
 تمویخ المرام کی مشہور شرح ہے۔ السلام، اور تنقیح النظائر کی شرح تو صیغ الافکار ہے اسی صدی
 میں علامہ محمد سعید السبیل (م ۱۱۷۵ھ) کا نام نظر آتا ہے جن کے اوائل کتب حدیث پر
 شیوخ حدیث کی اجازت حدیث کا اکثر و بیشتر اعتماد و انحصار ہے، مورخین نے علامہ محمد بن
 عبد الباقي الزرقانی (م ۱۱۳۲ھ) کو خاتمة المحدثین بالدیار المصریۃ لکھا ہے۔

علمی تجربہ، کثرت تدریس و افادہ و کثرت تصنیف و تالیف کے لحاظ سے شیخ عبد الفتی انابلی
 (م ۱۱۴۳ھ) اس عہد میں نمایاں ہیں جن کے تلامذہ اور تشرعین کثرت سے نظر آتے ہیں اور ان کو
 الاتاذ الاظم کا خطاب دیتے ہیں ان کی تصنیفات کی تعداد دو سو بیس بتائی جاتی ہے اسی عہد
 میں علامہ اسماعیل حقی (م ۱۱۲۷ھ) بھی تھے جو روح البیان فی تفسیر القرآن کے مصنف ہیں
 جو تفسیر حقی کے نام سے مشہور ہے بغداد کے علماء میں عبد الرحمن بن حسین السویدی (م ۱۱۷۴ھ)
 صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔

جامع ازہر مصر، جامع الزيتونة تونس، اور جامعة القروین فاس کے قدیم مدارس کے

لے الاوائل السبلیۃ فی اوائل کتب الحدیث لے ان معلومات کا ماتخذ البدو الطالع بحاسن من

بعد القرن السابع (تصنیف علامہ محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار) اور سلف الدرقی اعیان

القرن الثانی عشر المرادی ہے۔ لے سلف الدرد، البدو الطالع۔

علاوہ مدارس میں دمشق کے مدرسہ محافظیہ، المدارس الشلیۃ اور المدارس العذراویۃ کے نام ملتے ہیں، طرق میں سے نقشبندی، خلوتی، شاذلی، قادری، رفاعی کا بار بار تذکرہ آتا ہے اور ان کے شاخ ترکی سے لے کر اندونیشیا تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عالم اسلام کے علمی ادبی و روحانی ذوق پر ایک نظر

اس زمانہ کے اہل علم پر غالب ذوق ادب، شاعری، علم مجلسی، اور الفاظ و لطائف کا ہے، اس میں بھی کوئی بڑا نفوذ اور ندرت نہیں معلوم ہوتی، سب سے اور قوافی کی کثرت اور تکلفات عام ہیں، ترکی حکومت کے اثرات علمی و ادبی حلقہ پر بھی نمایاں ہیں، کوئی بڑا محقق اور صاحب نظر ڈھونڈنے سے نظر آتا ہے، مرادی کی 'سلک الدرر' کی چار جلدیں قصائد، غزلیات اور ابیات و مقطوعات سے بھری ہوئی ہیں، مکاشفات، خوش عقیدگی اور کرامات کا بہت تذکرہ ملتا ہے، سلطنت عثمانیہ کے ماتحت ممالک کے علماء اور اہل کمال دار الخلافۃ (قسطنطنیہ) جاتے ہیں اور حکومت کے مناصب پر فائز ہوتے ہیں، محققات، حساب و ہندسہ، علوم بلاغت، فقہ و حدیث نصاب کے اہم اجزاء ہیں، تعویذ و نقوش کا رواج عام ہے، بعض علماء نے فقہی متون قدوری وغیرہ کو نظم کیا ہے، متعدد عرب اہل علم فارسی اور ترکی سے بھی واقف تھے، سلطنت کی زبان ہونے کی وجہ سے ترکی سے (یا مخصوص شام میں) لوگوں کو مناسبت تھی، ترک علماء کی ایک بڑی تعداد تھی، جو شام میں مقیم تھی، وہ صبح عربی بولتے تھے، جامع اموی دمشق میں مسند درس پر بیٹھا بڑے فخر

لہ سلک الدرر ۱۱۱۱۱۱۱۱ اور پہلیاں ۱۱۱۱۱۱۱۱ ترک مزاجا و فطرثا سیاسی، منظم اور فوجی قوم (MARTIAL RACE) ہیں، ان کے طویل دور اقتدار میں علامہ ابوالسعود طائش کبریٰ زادہ، خلیفہ چلی جیسے چند ممتاز عالم و محقق و مصنف نظر آتے ہیں۔

کی بات سمجھی جاتی تھی، بعض مشائخ و علماء فتوحات مکیہ کا، اور بعض اساتذہ "فصوص الحکم" کا درس دیتے تھے، شرح جامی، اور مختصر المعانی شام میں بھی پڑھی جاتی تھی، تصوف کا مذاق عام تھا، حتیٰ کہ علماء و محدثین میں بھی شیخ عبدالغنی النابلسی اور متعدد علماء و مشائخ و صُدّۃ الوجود کا ذوق رکھتے تھے۔

ایران میں علوم عقلیہ کا غلبہ اور اس کا ہمسایہ ممالک پر اثر

دسویں صدی ہجری کی ابتدا ہی میں اسماعیل صفوی (۹۰۵-۹۳۰ھ) نے ایران میں عظیم الشان صفوی حکومت قائم کی، اور پہلی مرتبہ شیعیت کو ملکی مذہب بنایا، اور سنی مذہب کو تقریباً ایران سے مٹا کر رکھ دیا، ایران جس نے امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، جیسے مسلم امام فن اور ایوان حدیث کے چار ستون، دوسری طرف بلند پایہ فقیہ اور متبحر عالم علامہ ابواسحاق شیرازی، امام اکرمین ابوالعالی عبدالملک جوینی، اور حجة الاسلام ابو حامد محمد الغزالی جیسی سرآمد روزگار شخصیتیں پیدا کیں، تقریباً سواد و سوبرس کی باجبروت سلطنت میں اس کا رابطہ حدیث و فقہ اور علوم نافعہ سے منقطع ہو کر رہ گیا، شاہان ایران کا رجحان فلسفہ و حکمت کی طرف زیادہ تھا کہ شیعیت کو شروع ہی سے اعتزال و عقلیت اور فلسفہ سے مناسبت رہی ہے، مشہور حکیم و ریاضی داں خواجہ نصیر الدین طوسی (م ۶۳۲ھ) مصنف "شرح اشارات ابن سینا" جو خود شیعہ اور معتزلی تھے، ہلکوخاں کے خاص معتمد و شیرنہے، اس شاہی تقریب و اعتماد کی وجہ سے پوری تاتاری قلمرو میں (جس میں ترکستان، ایران و عراق

۱۔ ملاحظہ ہو "ملک الدرر" ۱-۲-۳-۴

۲۔ ملاحظہ ہو تاریخ اخبار و آثار خواجہ نصیر الدین طوسی، شائع کردہ طہران یونیورسٹی۔

شامل تھے) فلسفہ و حکمت و ریاضیات کا رُحمان غالب آگیا، صفوی سلطنت کے دوسرے ہی حکمران شاہ طہاسپ (م ۹۸۴ھ) کے زمانہ ہی میں میر غیاث الدین منصور (م ۹۷۸ھ) کا ستارۂ اقبال بلند ہوا، جو ایک اشراقی حکیم اور فلسفی، اور شیراز کے مدرسۂ منصور یہ کے بانی تھے، شاہ طہاسپ صفوی کے زمانہ میں ان کو عرصہ تک منصب صدارت تفویض رہا، ہندوستان تک ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ پھیل گئے، انھیں کے شاگرد امیر فتح الشیرازی (م ۹۹۹ھ) دہلی صمدی کے آخر میں ہندوستان آئے، اکبر نے ان کو صدارت کا منصب یا، انھوں نے ہندوستان کے نصاب درس اور طریق تعلیم پر عقلیت کی ایسی گہری چھاب لگا دی جو تیرہویں صدی ہجری تک باقی رہی، مولانا آزاد بلگرامی کے بقول وہی صدر الدین شیرازی، میر غیاث الدین منصور اور فاضل مرزا جان (م ۹۷۴ھ) کی تصنیفات ہندوستان لائے اور ان کو داخل نصاب کیا۔

گیارہویں صدی کے وسط میں میر باقر داماد (م ۱۰۴۱ھ) کی شخصیت ابھری جس نے ایران سے لے کر ہندوستان تک کے علمی و تعلیمی حلقہ پر اپنی ذہانت، عقلیت و ادبیت کا سکہ قائم کر دیا، شاہ عباس صفوی (م ۱۰۳۸ھ) کے دربار میں وہ نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ان کی کتاب "الافق المبین" درسی حلقوں کی بلند پروازیوں کا انتہائی سمجھا جانے لگا، ان کے بعد ہی علامہ صدر الدین شیرازی (م ۱۰۵۸ھ) کی شخصیت نمایاں ہوئی، جو اشراقی حکیم اور آزاد خیال فلسفی تھے، ان کی دو کتابیں "الاسفار الاربعۃ" اور "شرح ہدایۃ الحکمة"

لے انھوں نے شہاب الدین سہروردی مقبول کی کتاب "ہیاکل النور" کی شرح اشراق ہیاکل النور کے نام سے لکھی ہے اس میں محقق دہلوی کا بہت رد کیا ہے۔

معروف بعدد علماء عالمگیر شہرت رکھتی ہیں، ایران کے نسلی ذوق نے جو صدیوں سے رائی کا پرست اور بات کا بنگر بنانے کا عادی تھا، اس عقلی رجحان کا پورا ساتھ دیا، اور فطری موٹگافیاں، اور دعاوی و مفروضات کی بھول بھلیاں، ایران کی مغربی سرحد سے لے کر ہندوستان کی مشرقی سرحد تک پھیلا دیں، جو ”کوہ کندن و کاہ برآوردن“ کے مراد تھیں، دسویں صدی کے عجم سے بارہویں صدی کے عرب تک تدریسی و تصنیفی حلقہ پر ”علوم حکمت“ کی حکومت قائم تھی، اور ان مصنفین کی عبارتوں کے سمجھنے اور ان کے شرح و تفسیر کے سوا اظہار کمال، بلکہ اپنی ذہانت کا ثبوت دینے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اور ان کی افادیت میں ادنیٰ قیل و قال غبار و جہالت کا ثبوت دینا تھا۔

ایران کا اثر قدرتی طور پر افغانستان پر اور افغانستان کے بھی مغربی شہر ہرات پر پڑا وہاں اس شہر کے ایک عالم قاضی محمد اسلم ہروی کابل (م ۱۱۶۷ھ) منطق و حکمت میں سائندہ ایران اور ائمہ فن کے اس ملک میں سفیر تھے، ان کے صاحبزادہ قاضی محمد زاہد شہر بمیرزاہد (م ۱۱۸۷ھ) نے اس کمال میں اور چار چاند لگائے، انھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ہندوستان میں گزارا، ”شرح مواقف“، ”شرح تہذیب“ اور ”رسالہ قطبہ“ پر ان کے تین حواشی نے جو ”زواہد ثلاثہ“ کے نام سے مشہور ہیں، ہندوستان کے درس و تدریس کے حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی، علوم عقلیہ میں اس کمال کے باوجود وہ فقہ و حدیث اور علوم دینیہ میں پایہ بلند نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ ”شرح وقایہ“ جیسی فقہ کی متوسط کتاب کے درس میں بھی ان کو اپنے اوپر پورا اعتماد نہیں تھا، شاہ عبدالعزیز صاحب کے

۱۷ صدر ہندوستان کے نصاب درس میں گیارہویں صدی ہجری سے داخل ہے اس کے حصول اور اس میں

مہارت کے بغیر طالب علم فایز التحصیل اور فاضل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ۱۸ صحیح زاہد

ملفوظات میں ہے کہ :-

امیرے شرح وقایہ می خواند بے حضور
 ایک امیر میرزا ہد سے شرح وقایہ
 پڑھتا تھا (لیکن فقہ میں اپنے اوپر
 جہد بزرگوار سبق نمی فرمودہ)
 اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے) وہ
 اس وقت تک سبق نہیں پڑھاتے
 تھے جب تک کہ دادا صاحب (شاہ
 عبدالرحیم صاحب جو معقولات میں
 خود ان کے شاگرد تھے) نہ آجاتے۔

اس کے مقابلہ میں معقولات میں ایسا تو غلّ تھا کہ فرماتے تھے :-

تقریر مرزا جان جان من است
 تقریر مرزا جان کی تقریر تو میری جان ہے
 و تقریر اخوند جان جان من است
 اور اخوند کی تقریر میری جان جانان
 ایران کا یہ اثر نہ صرف افغانستان اور ہندوستان پر بلکہ شام و عراق تک پڑ رہا تھا
 اور وہاں بھی معقولات کے علماء کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اور ان علوم کا
 ذہن پر رعب اثر تھا، اور اس کی کتابیں نصاب تعلیم میں شامل ہوتی جاتی تھیں۔

عام اخلاقی، معاشرتی اور اعتقادی حالت

علی اشتغال اکتیہ التعداد اہل کمال، سلاسل و طرق کی مقبولیت، حدیث نبوی
 سے اعتناء، اور سے حکام کی دینداری، اور ان مسلم حکومتوں کی موجودگی میں جن کا

عقیدہ اسلام پر اور عمل زندگی کے بہت سے شعبوں اور عائلی قانون میں شریعت پر تھا، مدارس آباد اور مسجدیں معمور تھیں، جمہور اور عوام اسلام پسند، دین دوست، علماء کے قدروان، شائخ اور بزرگوں کے معتقد، دین کے ارکان و فرائض پر عامل تھے، اور ان کے دل حمیت اسلامی بھی خالی نہ تھے، عالم اسلام میں عمومی طور پر جمود و تنزل پایا جاتا تھا، اخلاق و معاشرت میں فساد چکا تھا، اہل عجم اور غیر مسلموں کے بہت سے شعائر اور ان کے عادات مسلمانوں نے اختیار کر لئے تھے، احکام میں خود سری، اور سلطنتوں میں مطلق العنانی پائی جاتی تھی، امراء اور اعیانہ کا طبقہ دولت اور تمول کے بڑے اثرات سے متاثر اور بہت جگہ "مترفین" کے اخلاق و رجحانات کو اختیار کر چکا تھا، معاشرہ کے بہت سے طبقوں پر کسل مندی، تعطل، سرکار دربار سے وابستگی اور تعلق و خوشامد کی عادت غالب آگئی تھی، بہت سے حلقوں میں توہمات کا زور تھا، توحید خالص کے حدود سے تجاوز، اولیاء کی تقدیس اور حد سے بڑھی ہوئی تعظیم اور قبر پرستی، اور کہیں کہیں شرک جلی کے نمونے بھی نظر آتے تھے۔

امریکی مصنف ڈاکٹر لو تھراپ اسٹاڈرڈ (LOTHROP STODDARD) نے اپنی شہرہ آفاق

کتاب (NEW WORLD OF ISLAM) (جدید دنیا کے اسلام) میں اٹھارویں صدی کی اسلامی دنیا کا نقشہ کھینچا ہے جس میں اگرچہ کہیں کہیں مبالغہ اور بے اعتدالی پائی جاتی ہے، لیکن مجموعی طور پر وہ اس وقت کے عالم اسلام کی یکسر غلط تصویر نہیں ہے، اور اس میں اس کے وہ بہت سے گوشے آگئے ہیں جو اندر رہنے والوں اور ہر وقت کے دیکھنے والوں کو اکثر نظر نہیں آتے۔

لے نامور مسلمان مقرر و مورخ امیر شکیب ارسلان نے اس کتاب کے عربی ترجمہ (جو "حاضیہ العالم الاسلامی" کے نام سے شائع ہوا ہے) کے شہرہ آفاق حواشی میں عالم اسلام کے اربعہ عمومی جائزہ اور تصویر کشی کی تصویریں و تحسین کی ہے، اور اس کو واقعہ کے مطابق بتایا ہے۔

اور نئے آنے والے اور پہلی بار دیکھنے والے کو اپنی طرف ملتفت کر لیتے ہیں اس کی صحت کی پوری ذمہ داری لئے بغیر اس کا یہاں نقل کرنا غلط اور بے محل نہ ہوگا، وہ لکھتا ہے:-

”اٹھارویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے صنعت کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، صحیح قوت کے آثار کسی جگہ نہیں پائے جاتے تھے، ہر جگہ جمود و تنزلی نمایاں تھے، آداب و اخلاق قابل نفرت تھے، عربی تہذیب کے آخری آثار مفقود ہو کر ایک قلیل تعداد وحشیانہ عشرت میں اور عوام وحشیانہ مذلت میں زندگی بسر کرتے تھے، تعلیم مردہ ہو گئی تھی، اور چند درمگاہیں، جو ہونک زوال میں باقی تھیں، وہ اقل اس و غربت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں، سلطنتیں مطلق العنان تھیں، اور ان میں بد نظمی اور خون ریزی کا دور دورہ تھا، جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے سلطان ترکی یا ہند کے شاہان منلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے، اگرچہ صوبہ جات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم و استحصاں بالجبر پر مبنی تھیں، قائم کرنے کے بہت کوشاں تھے، اسی طرح امراء متواتر سرکش، مقامی رئیسوں اور قطاع الطریق کی جماعتوں کے خلاف جو ملک کو آزار پہنچاتے تھے، برسرِ سیکار تھے، اس منحوس طرز حکومت میں رعایا لوٹ مار اور ظلم و پامالی سے تالاں تھی، دیہاتیوں اور شہریوں میں محنت کے محرکات مفقود ہو گئے تھے، لہذا تجارت و زراعت دونوں اس قدر کم ہو گئی تھیں کہ محض سدِ ریق کے لئے کی جاتی تھیں۔

مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا، تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا، عوام و جہاں تعویذ، گندے اور مالا میں پھنس کر گندے فقراء اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے، اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے، اور ان کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیعِ دولی کے طور پر کی جاتی تھی

کیونکہ ان جہاں کا خیال تھا کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اس کی طاعات بلا واسطہ نہیں ادا کر سکتے، قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا تھا، بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، "افیون اور شراب خوری عام ہو رہی تھی، زنا کاری کا رڈ بھا، اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے۔"



باب دوم

ہندوستان

سیاسی حالت

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) سے چار سال پہلے (۱۱۱۴ھ میں) ہوئی، عالمگیر اس تختی بر اعظم کا اس ملک کی معلوم و محفوظ تاریخ کی روشنی میں اشوک کے بعد اگر اس کی سلطنت کی وسعت و عظمت سے متعلق بیانات صحیح اور قابل اعتماد ہیں، ہندوستان کا سب سے بڑا فرمانروا، اور اس کی سلطنت ہندوستان میں قائم ہونے والی سلطنتوں میں سب سے زیادہ وسیع تھی، کیمبرج ہسٹری کے مصنفین لکھتے ہیں کہ:-

”اس کی حکومت غزنی سے چٹاگانگ تک، اور کشمیر سے کرناٹک تک وسیع تھی۔“

دوسرے مؤرخ لکھتے ہیں:-

”قدیم زمانہ سے انگریزوں کے عروج تک ہندوستان میں اتنی طویل و عریض حکومت

کبھی قائم نہیں ہوئی تھی۔“

اسی کے عہد میں اور اسی کے ایما پر میر جلد نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ آسام کو (جو اپنی زبان،

تہذیب، مذہب اور نسل میں ہندوستان سے الگ ایک آزاد منطقہ رہا ہے) فتح کر کے ایک بار سلطنتِ عظمیٰ میں شامل کر لیا، تمام مغربی اور غیر مسلم ہندوستانی مورخین کے ان تنقیدی اختلافی تبصروں کے باوجود جن کا محرک دراصل اورنگ زیب کی حمیت و حمایتِ اسلام ہے، اس کی بے نظیر قوتِ ارادی، استقلالِ طبیعت، انتظامی صلاحیت، سادہ بلکہ زاہدانہ زندگی اور شجاعت و بہادری ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر

اورنگ زیب نے زمامِ سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ عہدِ اکبری کے مخالفِ اسلام اثرات کو مٹانے، شیعیت کے اثر کو کم کرنے (جس کا بڑا مرکز جنوب تھا، اور اسی لئے اس نے اپنی زندگی اور توانائی کا بڑا حصہ اس کی تسخیر میں صرف کیا) ایران کے ان بحسبیت آمیز تہذیبی اثرات کو جو دورِ اکبری میں قائم ہو گئے تھے، اور جو ایرانی تقویم اور جشن نوروز کی شکل میں پائے جاتے تھے، ختم کرنے کے اقدامات کئے، مختص کا شرعی عہدہ قائم کیا، تاکہ وہ خلقِ خدا کو منہیات و محرمات سے منع کرے، حکومت کی بیش قرار نامشروع آمدنیاں موقوف کیں، سرود و رقاصی اور جھروکہ درشن کو بند کیا، شرعی قاضی مقرر کئے اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے، پوری سلطنت میں شرعی قانون و آئین جاری کرنے، اور قاضیوں کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین و ترتیب کا بیڑا اٹھایا جس کے نتیجے میں "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جو مصر شام و ترکی میں بھی

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تأثر عالمگیری" از محمد ساقی مستعد خاں ص ۳۹-۴۰، کلکتہ ۱۸۶۱ء، نیز وقائعِ سیر و سیاحت

ڈاکٹر برنیئر DR. BERNIER ص ۲۹۷ ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخِ دعوت و عمریت، حصہ چہارم ص ۲۲۳-۲۲۲

۳۔ ملاحظہ ہو اسٹینلی لین پول کی کتاب "اورنگ زیب" AURANGZEB، اور ظہیر الدین فاروقی کی کتاب

AURANGZEB & HIS AGE، نیز جادونا تھ سرکار کی کتاب HISTORY OF AURANGZEB، اور مولانا شبلی کے مضامین عالمگیر۔

(جہاں وہ الفتاویٰ الہندیۃ کے نام سے مشہور ہے) قانون اسلامی کا ایک بڑا اور مستند ماخذ سمجھا گیا، کونش و آداب کے غیر اسلامی اور غیر موجدانہ طریقے منسوخ کئے، اور سلام مسنون کا اہولہ کیا قصر مخقر بقول اقبال ہے

شعلہ توحید را پروا نہ بود

چوں براہیم اندرین نبت خانہ بود

ن اصدا حی و انقلابی کارناموں کے ماسوا جو دینی قدر و قیمت کے حامل ہیں اس کی سبے نمایاں صفت اس کی بیدار مغزی، مستعدی، فرض شناسی اور امور سلطنت میں جزو کل سے واقفیت اور نظم و نسق پر کئی طور پر حاوی ہونے کی کوشش ہے جو اس خداداد وسیع سلطنت کے فرماں روا کے لئے شرط اول ہے اس نے اپنے والد شاہجہاں بادشاہ کو ایک خط میں لکھا تھا، اور تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے کہ "کاہل وجودی کا الزام مجھ پر عائد نہیں ہو سکتا" ایک انیر کو جواب دیتے ہوئے (جس نے یہ مشورہ دیا تھا کہ شہنشاہ کا روباہ سلطنت میں محنت شاقہ سے کام نہ لیں کہ اس سے اندیشہ ہے کہ ان کی صحت پر بڑا اثر پڑے) کہا تھا کہ مجھ کو پروردگار نے دوسروں کے واسطے محنت کرنے کے لئے بھیجا ہے اور شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھ لے

الاتا بعفلت نہ خپسی کہ نھم

حوام است بر چشم سالار قوم

مملکت کی اس وسعت کے باوجود اس کے نظم و نسق پر بذات خود مطلع اور حاوی ہونا اسی شخص کا کام ہے، جو آہنی عزم، فولادی جسم، حد درجہ کا احساس ذمہ داری اور خوف خدا رکھتا ہو، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کی نظر جتنی ملکی کلیات اور مہمات سلطنت پر تھی اتنی ہی

جزئیات پر وہ دکن میں تھا، مگر شمال مغرب اور مشرق کی خبر رکھتا تھا، اپنی ذاتی اطلاعات اور پرچہ نویسوں کی مدد سے امور انتظامی کی باریک سے باریک تفصیلات جانچتا تھا، جس کی وجہ سے عمال سلطنت جہاں بھی رہتے چوکتا اور مستعد رہتے، وہ ادنیٰ ادنیٰ محضروں کا تقرر خود کرتا تھا، اس کا یہ شعر اس کے دل کی صحیح ترجمانی اور اس کے احساس ذمہ داری اور اس کے نتیجہ میں اس کی مشکلات کی صحیح تصویر ہے، وہ اکثر اپنا ہی یہ شعر پڑھتا تھا۔

غم عالم فراوان است و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشہ ساعت کنم ریگ بیاباں را؟

کبھی کبھی یہ شعر بھی پڑھتا اور اس پر اس کا عمل تھا۔
من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش
اے ز فرصت بے خبر! در ہر چہ باشی زود باش

اورنگ زیب کے کمزور جانشین

لیکن اورنگ زیب کے بعد اس کے عظیم اور پر جلال تخت پر (جو حاجی دین بنے کے بجائے حامی دین اور بادشاہ ملت کے بجائے خادم ملت بن گیا تھا) اس کی اولاد میں وہ لوگ آئے جنہوں نے گویا قسم کھائی تھی کہ عالمگیر سے حمایت و حفاظت اسلام، احیاء دین اور اجراء سنت کی جو ”غلطی“ ہوئی تھی، وہ اس کی تلافی کریں گے، نیز اس نے سلطنت کے حدود میں جو توسیع کی تھی، ہندوستان کے نظم و نسق کو اپنی بیدار مغزی، استعداد، اور فرض شناسی سے جو استحکام بخشا تھا، عوام اور فتنہ پردازوں پر جو رعب و اثر قائم کیا تھا، وہ اپنی تعیش پسند

کاہلی و نااہلی، اندرونی اختلاف و کشمکش، خود غرض و جاہ پسند ارکانِ سلطنت و وزراء پرکلی اعتماد، اور امور سلطنت سے غفلت کے ذریعہ اس گناہ کا جو عالمگیر اعظم سے سرزد ہوا تھا، مسلسل کفارہ ادا کرتے رہیں گے، چنانچہ یہ مغل سلطنت ہی نہیں، ملت اسلامیہ ہی نہیں، ہندوستان کی قسمتی تھی کہ اس کے تحت سلطنت پر یکے بعد دیگرے کمزور و نااہل حکمران آتے رہے اور تاج کی یہ بواجبی اور خدا کی شان بے نیازی و کیرائی کا ظہور تھا کہ اس کا پہلا ہی جانشین (شاہ عالم بہادر شاہ اول) اپنے نامور باپ کا بالکل ضد تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے عہد (۱۱۱۳ھ - ۱۱۷۶ھ) میں اوزنگ زب کے بعد گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں :-

۱۔ محمد معظم بہادر شاہ (ملقب بشاہ عالم بہادر شاہ اول)

۲۔ معز الدین جہاندار شاہ۔

۳۔ فرخ سیر ابن عظیم الشان۔

۴۔ نیکو سیر۔

۵۔ رفیع الدرجات ابن رفیع القدر۔

۶۔ رفیع الدولہ بن رفیع القدر۔

۷۔ محمد شاہ ابن جہاں شاہ۔

۸۔ احمد شاہ ابن محمد شاہ۔

۹۔ عزیز الدین عالمگیر ابن جہاندار شاہ۔

۱۰۔ محی السنہ بن کام بخش بن عالمگیر۔

۱۱۔ شاہ عالم ابن عزیز الدین۔

گویا نصف صدی کی مدت میں گیارہ بادشاہ تخت نشین ہوئے، ان میں سے کسی کی مدت حکومت صرف دس مہینے، کسی کی چار مہینے سے کم، کسی کی سلطنت برائے نام، کسی کی چند دن کی حکومت رہی، ہم یہاں پر اس کے جانشین اول شاہ عالم بہادر شاہ، فرخ سیرابن عظیم الشان، محمد شاہ اور شاہ عالم ثانی کے عہد اور ان اہم واقعات و حوادث پر تبصرہ کریں گے جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ، اور ہندوستانی مسلمانوں کی تقدیر بنانے میں خاص حصہ لیا۔

شاہ عالم بہادر شاہ اول ۱۱۱۸ھ - ۱۱۲۲ھ

یہ عالمگیر کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو دوسرے فرزند محمد اعظم شاہ کو شکست دے کر تخت نشین ہوا، عالمگیر کے مزاج و مسلک سے اس کے اختلاف کا سب سے بڑا اور پہلا ثبوت یہ ہے کہ اس نے شیعہ مسلک اختیار کیا، جو نہ صرف عالمگیر کے عقیدہ و مزاج و مذاق کے خلاف تھا، بلکہ پورے تیموری سلسلہ فرمانروایان سلطنت کے عقیدہ و مذہب اور طرز و مسلک کے خلاف تھا، اور اس سلطنت کے مصالح کے بھی مخالف تھا (جس کی مسلمان آبادی کا نوٹے پچانوے فی صدی حصہ ہندوستان کے مشرقی حدود بنگالہ سے لے کر سلطنت کے مغربی حدود کابل و قندھار تک سنی فرقہ اور حنفی مذہب کا پیروکار تھا) اور جس کی ہندوستان میں کامیابی اور مقبولیت کے کوئی امکانات نہ تھے، "سیر المتاخرین" کے مصنف غلام حسین طباطبائی کے بیان کے مطابق (جو خود اثناعشری فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں) اور جن کی شیعیت تاریخی قیاد با لہ مؤرخ الدین جہاندار شاہ ۱۵ رفیع الدرجات ابن رفیع القدر مدت حکومت تین ماہ دس روز ۱۵ رفیع الدولہ ابن رفیع القدر ۱۵ محی السنۃ ابن کام بخش ابن عالمگیر۔

کے اندر سے بھی جھلکتی نظر آتی ہے) بہادر شاہ کے شیعہ مذہب اختیار کرنے، اس مسئلہ پر علماء اہل سنت سے مباحثہ و مناظرہ کرنے، خطبہ میں کلمہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کے داخل کرنے کا حکم دینے پر لاہور میں جہاں بادشاہ کا قیام تھا، شورش برپا ہوئی، بلوا ہوا، انھوں نے خود اس کے رواج نہ کرنے کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:-

بہادر شاہ بدستور اصرار پائے کار داشتہ	بادشاہ بدستور اس بات پر اصرار کرتا رہا
در ترویج و تقویت مذہب شیعہ می کوشید	اور مذہب شیعہ کی ترویج و تقویت میں
و مدت ہائے دراز در مباحثہ بعلماء بازلو	ساعی و سرگرم رہا، مدتوں تک علماء
اما فائدہ برآں مترتب نمی شد	کے ساتھ مباحثہ کا دروازہ کھلا رہا،
	لیکن اس سے کچھ فائدہ مترتب نہیں ہوا۔

اس تبدیلی کا نتیجہ عوام اور خود فوج میں نیم دلی بلکہ بددلی کی شکل میں نکلا، اور اس میں وہ مذہبی جوش نہیں رہا، جو گزشتہ مغل بادشاہوں کے دور میں ایک بڑی قوت محکمہ تھی، اس حقیقت کا احساس بعض غیر مسلم مورخوں تک کو ہوا ہے، ڈاکٹر ستیش چندر لکھتے ہیں کہ حکومت کی پالیسی پر مذہب کا اثر کمزور پڑ گیا۔

مولوی ذکاء اللہ صاحب تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں:-

”نامگیری کے مرنے کے بعد سلطنت کے کاموں میں انقلابات عظیم ہو گئے تھے، اور تمام تعلقات کی صورت بدل گئی تھی، اور مرہٹوں سے جو سلطنت تیموریہ کے تعلقات تھے، وہ بالکل کا یا پٹ ہو گئے تھے،..... سلطنت مغلیہ کمزور ہو کر قریب المرگ تھی“

۱۔ سیر المتاخرین ج ۲ ص ۳۵

DR. SATISH CHANDRA PARTIES AND POLITICS IN THE MUGHAL COURT, ۱۷۰۷-۴۰, ALIGARH, ۱۹۵۹, P. 40

گرم ترے دم تک اپنی نخوت و تکبر سے ہاتھ نہیں اٹھایا^{۱۵}

وہ عالمگیر جواورنگ آباد میں ہوتا تو دہلی کا کیا ذکر بہار و بنگال میں بھی کارکنانِ سلطنت پر اس کی ہیبت طاری رہتی، وہ جزئیاتِ سلطنت سے باخبر رہتا، اور بروقت مناسب احکام جاری کرنے میں ذرا سی تاخیر سے کام نہ لیتا، اب اس کے جانشین کا حال یہ تھا کہ بقول مؤرخ ہندوستان:-

”یا ضابط بے ضابطہ اجراء کار میں فوراً تفاوت ہوتا، بادشاہ کی دستخط کا اعتبار نہیں

رہا، بادشاہ اپنے مقصدیوں سے فرمایا کرتا کہ سب اہل کار آپس میں مل گئے ہیں جو بہتر

جانتے ہیں عمل میں لاتے ہیں، ہمارا فقط اعتبار رہ گیا ہے، خلق کے مطلب قبول کرتے

کے سوا ہم کو کوئی اور چارہ نہیں ہے“^{۱۶}

نیز وہ لکھتے ہیں:-

”ظریف شوخ طبعوں نے اس کی تاریخ جلوس ”شہ بے خبر“ کہی ہے، راتوں کو جاگتا،

دوپہرون چڑھے تک سوتا، جس کے سبب سے خلق اللہ کو سفر کے دن تکلیف ہوتی کہ ان کو

اپنے خیموں کی مثل نہ ملتی“^{۱۷}

نیز:-

”تیسرا کام اس نے اپنے آئین کے خلاف یہ کیا کہ علماء پر عتاب خطاب کیا، اور

جانبی محبوس کیا، پھر مزاج پر خفقان کا غلبہ ایسا ہوا کہ دارالسلطنت لاہور میں

۱۹ محرم ۱۱۲۲ھ ہجری کو جہان فانی سے رخصت ہوا“^{۱۸}

طباطبائی بھی شاہ عالم بہادر شاہ کے اخیر عمر میں اختلالِ دماغ، کتوں کے مارنے کا حکم اور

سحر کے اندیشہ کا ذکر کرتے ہیں۔^{۱۹}

۱۵- ”تاریخ ہندوستان“ مولوی ذکاء اللہ دہلوی۔ ج ۹ ص ۳۳۵ ۱۶- ایضاً ص ۳۳۵ ۱۷- ایضاً ص ۳۳۵ ۱۸- ایضاً ص ۳۳۵ ۱۹- ”تاریخ ہندوستان“ مولوی ذکاء اللہ دہلوی۔ ج ۹ ص ۳۳۵

اس طرح عالمگیر کے پہلے ہی جانشین کے زمانہ اور صرف ۶ برس کی مدت سلطنت میں عظیم سلطنت مغلیہ کی چولیس ہل گئیں اور اس کی وہ ساکھ اور دھاک ختم ہو گئی جو مخالف طاقتوں، فتنہ پردازوں اور عوام و خواص کے دماغ پر بابر کے زمانہ سے بٹھی ہوئی تھی۔

فرخ سیر

فرخ سیر (۱۱۳۵ھ - ۱۱۳۱ھ) کے زمانہ میں حسین علی خاں، عبداللہ خاں (جن میں سے اول الذکر امیر الامراء کے لقب سے اور ثانی الذکر قطب الملک کے لقب سے ملقب تھے) کا اقتدار بادشاہ اور پوری سلطنت پر قائم ہو گیا، فرخ سیر ان کے ہاتھ میں کھلونا تھا، آخر انھوں نے فرخ سیر کو قید کیا، پھر قید حیات سے بھی رہا کر دیا، مصنف "تاریخ ہندوستان" لکھتا ہے:-

”اگرچہ محمد فرخ سیر وسیع الاخلاق اور قدردان تھا، ہر ایک کی خدمت اور تردد کے مقابل میں چاہتا تھا کہ بقدر امکان منصب و عہدہ خدمات عنایت کر کے ہم شیروں میں ممتاز کرے، مگر اختیار نہیں رکھتا تھا، اور نہ آزمودہ کار جوان تھا، امور سلطنت سے بے خبر، اور رسالی سے صوبہ بنگالہ میں باپ دادا سے دور نشوونما پایا، استقامت مزاج اور رائے صائب نہیں رکھتا تھا، اوروں کی رائے پر چلتا تھا، قسمت تلج و سلطنت مل گیا تھا، خاندان تیموریہ کا جو ہر شجاعت تھا، وہ اس کے خلاف جُبُن ذاتی رکھتا تھا، صاحب غرض کی سخن کی تہہ پر نہ پہنچتا، ابتدا سے اپنی سلطنت کا مادہ فساد خود ہی بنا“^۱

بادشاہ کے یہاں راجہ رتن سنگھ (دیوان سید عبداللہ خاں) تمام متصدیوں کے تعلق میں دخل دیتا، کسی کا اصلاً اعتبار و استقلال اس نے نہیں رکھا تھا، خصوصاً مقدمات مالی میں.....

بادشاہ کی عیاشی، خلوت نشینی علاوہ بے داعی کے زیادہ ہو گئی تھی، خلق اللہ کا کار بند تھا۔
 بالآخر دونوں بھائیوں (قطب الملک و امیر الامراء) نے فرخ سیر کی آنکھوں میں
 سلامتی پھیری اور قلعہ کے اندر جلس خانہ میں جو قبر کی صورت تھا، بادشاہ کو قید کیا اور ۶ سال
 ۴ ماہ حکومت کر کے وہ اس دنیا سے رخصت ہوا، ان واقعات نے پورے ملک میں تخت منہ
 کے جانشینوں کی بے احترامی اور سلطنت کی بے اعتباری پیدا کر دی۔

محمد شاہ بادشاہ (۱۱۶۱ھ)

محمد شاہ نے ۲۹ سال ۶ مہینے حکومت کی اس کا عہد پُر از حوادث و واقعات ہے
 اسی کے زمانہ میں نادر شاہ کا دہلی پر تاریخی حملہ ہوا، لیکن اس وقت سلطنت پر حاوی اور اس کے
 سیاہ سپید کے مالک یہی دونوں سادات بارہہ قطب الملک عبداللہ خاں اور امیر الامراء
 حسین علی خاں تھے، اس وقت اہل دربار کا تاثر یہ تھا کہ اُن دونوں کے تسلط سے بادشاہ کو
 سوائے نماز جمعہ کے کسی احکام کے جاری کرنے کا مقدور نہیں..... دونوں بھائی تمام خاندان
 ایران و توران کی بے آبروئی پر کمر باندھے بیٹھے ہیں، اور ترک منصب اور گوشہ نشینی میں رست گاری
 نہیں، اور تمام موروثی خانہ زادوں، اور دور و نزدیک جاں نثار لوگوں کا دل نہایت افسردہ
 ہو رہا ہے کہ وارث تخت و تاج بے اختیار ہے، اور نماز جمعہ اور اجرائے احکام شرع پر قادر
 نہیں، اگر وہ کے نزدیک سے کنارہ دریاۓ شورت تک ہنود بہت خانے بنا رہے ہیں، اور گاؤں کشی کو
 منع کر رہے ہیں۔

”کل امور مالی و ملکی میں رتن چند کے اختیار سے جو سوائے قوم بارہہ اور قوم بقال

کے کسی پر نوازش نہیں کرتا تھا، سب چھوٹے بڑے تنفر تھے، اور ہر دیار کے شرفاء و خواری
و بے اعتباری سے زلیت کرتے تھے۔

”سیر المتاخرین“ کا مصنف طباطبائی لکھتا ہے:-

بادشاہ چون جوان بے عزم و کم جرئت	بادشاہ چونکہ بے عزم اور کم جرئت
بود مشغول عیش و طرب گردید در امر کہ	جوان تھا، عیش و عشرت میں مشغول
اشد ضرور بود توجہ می نمود.....	ہو کر صرف اسی کام پر توجہ دیتا
بایں سبب اندک اندک خوف و ہراس	ہو اشد ضروری ہوتا، اس سبب سے
از دل امراء و رؤساء ہر فرقہ بلکہ	تھوڑا تھوڑا کر کے خوف و ہراس
عوام الناس برخواستہ ہر کس در داغ	ہر فرقہ کے امراء و رؤساء بلکہ عوام ان کے
خود خیالے می پخت و بجا خود نشسته	کے دل سے نکل گیا، ہر شخص اپنے
در باطن دم در استقلال می زد	دماغ میں ایک خیال بچتے کئے ہوئے
	اپنی جگہ بیٹھا ہوا، اپنی آزادی و
	خود مختاری کا دم بھرتا تھا۔

اس وقت دربار و اراکین سلطنت میں نظام الملک آصف جاہ ہی کی ایک ایسی ہیبت تھی،
جو صاحب عزم، عالی ہمت ہونے کے ساتھ صاحب تخت کی وفادار، مخلص اور خیر خواہ تھی،
لیکن سادات اور ایرانی عنصر کسی طرح ان کی بات چلنے نہیں دیتا تھا، یہ دیکھ کر کہ ان کی
وفاداری اور خلوص کی کوئی قدر نہیں ہے، اور یہاں رہنا وقت ضائع کرنا، اور اپنے کو
ہر وقت خطرہ میں مبتلا کرنا ہے، انھوں نے عرصہ ہوا دکن کا رخ کیا تھا، اور دہلی کا میدان

اہلِ غرض کے لئے خالی ہو گیا تھا۔

اس کے بعد محمد شاہ پر تعیش کا وہ غلبہ ہوا کہ انھوں نے اس سے پہلے کے عیش پسندوں کو مات کر دیا، اور ان کے واقعات بھلا دیئے، ہندوستان کے مؤرخین لکھتے ہیں کہ:-
 ”محمد شاہ بادشاہ نے مذہب تو نہیں بدلا، لیکن مشرب بدل دیا، ابرسیاہ
 ان کا نقیب قرار پایا، عام حکم تھا کہ ادھر ہمالیہ کے دامن سے گھٹا اٹھے،
 بادل گر جے کہ میرا خیمہ و خرگاہ صحرا روانہ ہو۔“

می دید صبح کلمہ بستہ سحاب الصبوح الصبوح یا اصحاب

زالہ بارید بر رخ لالہ المدام المدام یا احباب

کا شور تھا۔

بالآخر امیر الامراء سید حسین اور قطب الملک نواب عبداللہ خاں (حسن علی خاں) سادات بارہہ کے اقتدار کا خاتمہ اور زندگی کا جام بے ریزہ ہوا، لیکن اس سے بھی سلطنتِ مغلیہ کی قسمت نہیں بدلی، اس لئے کہ بادشاہ حکمرانی کی ہر صلاحیت اور خطرات کے سمجھنے کی معمولی بصیرت سے بھی محروم تھا۔

سید ہاشمی فرید آبادی اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں:-

”بادشاہ گرسادات کے خاتمے اور محمد شاہ کی قوت و اختیار چال کرنے کی
 ملک میں عام طور پر خوشی منائی گئی، لیکن یہ خوشی اگر جذبہ بادشاہ پرستی پر نہیں
 بلکہ آئندہ نظم و نسق کی بہتری اور ملکی رفاہ و بہبود کی امیدوں پر مبنی تھی تو
 اس کا انجام رنج و مایوسی کے سوا کچھ نہ تھا، کیونکہ اکبر و اورنگ زیب کا
 نیا جانشین، درحقیقت اپنے اقبال منداہد کی شاہانہ صفات سے عاری تھا“

اسے اپنے عیش و عشرت کے مشغلوں میں معاملات ملک پر توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی، وہ محل سرائے شاہی کی بیگمات سے بھی زیادہ سلطنت کے حالات سے بے خبر اور اس کی خرابی کی طرف سے بے پرواہ تھا، حتیٰ کہ اس کی دادی (شاہ عالم بہادر شاہ کی ملکہ مہر پرور) کی نسبت ہم جا بجا پڑھتے ہیں کہ وہ بھی اپنے مدہوش پوتے کو بار بار اس خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کرتی تھی، جس کا صریح نتیجہ زوال و ادبار تھا^۱۔

اس موقع پر ہم کو جا دونا تھ سرکار کی اس رائے کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے جو انھوں نے محمد شاہ کی کمزوریوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”محمد شاہ اگرچہ عزت کا مستحق نہیں، مگر رحم کا مستحق ضرور ہے، حالات نے اسے ایسی جگہ لاکھڑا کیا تھا، جہاں کسی عبقری (GENIUS) کی ضرورت تھی، مگر وہ ایک معمولی انسان تھا، مؤرخ اسے اس بات پر ملامت کرتے ہیں کہ اس نے کاروبار حکومت انجام دینے کے بجائے تعیش میں اپنا وقت صرف کیا، لیکن حالات کی ٹریجڈی یہ تھی کہ اس کے جیسا آدمی اگر کاروبار حکومت پر پوری توجہ دیتا تب بھی وہ حالات کا رخ نہیں موڑ سکتا تھا، رفیع الدرجات اور رفیع الدلہ جیسے لوگ کٹھ پتلیوں کی طرح اپنی ذلت کے احساس سے بھی عاری تھے، لیکن محمد شاہ میں بدترین حالات، اور انھیں سدھارنے میں اپنی لاچارگی دونوں کا احساس موجود تھا^۲۔“

۱۔ تاریخ ہند از فرید آبادی کتاب سوم ص ۲۶۱

غرض وہ سلطنت جو بابر کے عزم جہاں کشا اور اس کے استقلال اور جفاکشی سے قائم ہوئی تھی، اور جس کو اس کے جانشینوں نے اورنگ زیب تک اپنے جوہر شجاعت اور غیرت تیموری سے قائم رکھا تھا، اس عیش کو شہی اور غفلت اور خود فراموشی کی منزل پر پہنچ گئی، جو مودوثی اور مطلق العنان سلطنتوں کی تاریخ بلکہ تقدیریں گئی ہے، اقبال نے صحیح کہا ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اہم کیا ہے

شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

آخر اس کا نتیجہ وہی نکلا جس کو خود محمد شاہ نے۔ ع

شامت اعمال ماصورت نادر گرفت

کے بلخ مصر میں ادا کیا، شاہ عالم میں نادر شاہ نے دہلی کا رخ کیا، اس نے اس سے پہلے محمد شاہ کو کئی خط لکھے تھے، لیکن بقول مؤرخ :-

”یہاں ان دنوں عیش و عشرت کا زور شور تھا، محمد شاہ بہادر صاحب سر پر تھا

تن آسانی کے سو کسی کام سے کام نہ تھا، ہر وقت ہاتھ میں جام اور نعل میں دل آرام تھا

کس کو دماغ تھا کہ نامہ کا جواب لکھتا؟

نادر شاہ کے حملہ کی تفصیلات ہندوستان کی تاریخوں میں پڑھی جائیں، اس کے حملہ کے بعد

دہلی کی جو حالت ہوئی (ذہن میں رہے کہ اس وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عمر ۳۳ سال کی تھی،

اور وہ حجاز سے واپس تشریف لائے تھے) اس کا نقشہ مصنف تاریخ ہندوستان کی زبان سے سنا جائے۔

”نادر شاہ کے جانے کے بعد شہر مردوں سے پُر تھا، اور زندوں سے خالی تھا، مکانوں

پر ویرانی برسی تھی، محلے کے محلے جلے پڑے تھے، مردوں کی سڑانڈ سے بھیجی نکلا حاتا تھا،

نکوئی کسی کو کفن دینے والا تھا، اور نہ گور میں دفن کرنے والا تھا، مگر ہندو مسلمان ایک ہو گئے، ڈھیروں میں جل کر خاکستر ہو گئے، یہ تو شہر کی کیفیت تھی، دربار کا حال یہ تھا کہ کچھ دنوں تو وہ بھاری میند سوتا رہا، اور جب اٹھا تو اس کی آنکھوں میں اس قدر جیسہ لگا ہوا تھا کہ دیکھنے سے گھٹن آتی تھی، خزانہ میں پھوٹا بادام نہ تھا، محاصل اور خراج کا کہیں پتہ نہ تھا، سپاہ تباہ اور خستہ حال تھی، اس پر مرہٹوں کا بھی خوف بالکل نہیں گیا تھا، جو صوبے ان کے قبضہ میں چلے گئے تھے، وہ ان کے ہاتھ سے تباہ ہوئے تھے، ان سب مصیبتوں اور آفتوں پر درباریوں کا جھگڑا نہ چکا، وہی ایک فریق تورانی امیروں کا تھا، جن کے سرتاج آصف جاہ اور قمر الدین خاں وزیر تھے، دوسرا گروہ ان امیروں کا تھا، جو ان کو خارج کرنا چاہتا تھا، اور ان میں بادشاہ بھی شمار ہوتے، اگر سچ میں مرہٹوں کا جھگڑا نہ آن پڑتا تو ان امیروں نے سلطنت کے ٹکڑے کر کے کبھی کے آپس میں تقسیم کر لئے ہوتے، اور خاندان تیموریہ کو بے نام و نشان کر دیا ہوتا۔

جب نادر شاہ ہندوستان سے چلا گیا تو اول اس کا اثر یہ ہوا کہ سلطنت دہلی سے تین راجہ صوبے بنگال، بہار، اڑیسہ علیحدہ ہو گئے، اور ان میں جدا ہی علی وردی خاں کی ایک ریاست قائم ہو گئی۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ (اپریل ۱۷۴۸ء) کو محمد شاہ مرض اسہال میں مبتلا ہو کر دنیائے رخصت ہوا، اور بقول مصنف ”تاریخ ہندوستان“ کہ تیس سال سلطنت کر کے خاندان تیموریہ کی بنیاد ہی کے کنارہ پر پہنچ گیا۔

شاہ عالم ثانی

محمد شاہ کے زمانہ میں اگر سلطنت مغلیہ کو اخلاقی و انتظامی طور پر زوال ہوا، اور ہندوستانی معاشرہ اور طبقہ امراء کا رجحان الناس علی دین ملوکہم کے اصول کے مطابق عیش و عشرت، تن آسانی اور لذت اندوزی کی طرف تیزی کے ساتھ ہوا، تو شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں جو ۱۷۵۹ء میں تخت نشین ہوا، سیاسی طور پر زوال اپنے آخری مرحلہ تک پہنچ گیا، وہ اپنے ۲۴ سالہ عہد حکومت میں دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا، بکسر کی لڑائی میں اودھ کے نواب نیرجی رائے اور میر قاسم کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ۱۷۶۴ء میں شاہ عالم نے انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی، اور ایک معاہدہ پر دستخط کر دیئے جس کی رو سے وہ انگریزوں کا وظیفہ خواہ ہو گیا، ۱۷۶۵ء میں اس نے انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے بنگال، بہار، اور اڑیسہ کی دیوانی کے اختیارات محاصل کی تحصیل وصول کا انتظام ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں گیا تا عالم نے خود کو مرہٹوں کی پناہ میں دے دیا، اور الہ آباد اور کڑہ کے اضلاع اُن کی طرف منتقل کر دیئے۔

شاہ عالم ثانی کے عہد سے بہت پیشتر سے پورا ملک مرہٹوں، سکھوں اور دہلی و آگرہ اور راجپوتانہ جاٹوں کے رحم و کرم پر تھے، جو آندھی پانی کی طرح آتے اور پورے علاقہ کو تاراج کر جاتے، ملک میں کوئی طاقت امن و قانون قائم کرنے کے قابل نہ تھی، احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دے کر ملک کو ان کے خطرہ سے محفوظ کر دیا، اس نے شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بڑی کوشش کی اور اپنا آدمی بھیجا، مجبور ہو کر اس کی والدہ نواب زینت محل سے بھی خط لکھوایا، اگر سلطنت مغلیہ میں تھوڑی سی بھی جان اور شاہ عالم میں سلطنت کی

لے تفصیل کتاب کے باب نہم میں ملاحظہ ہو۔

صلاحیت ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتیجے سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان میں اپنا اقتدار بحال کر لیتا، لیکن سلطنت بے روح، اور بادشاہ عزم و ہمت ہی نہیں، حمیت اور غیرت سے بھی عاری تھا بقول اقبال - ع

حمیت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے
بادشاہ پورے دس برس کے بعد ^{۱۷۷۱ء} لائے میں الہ آباد سے دہلی آیا، وقت گزر چکا تھا،
اس لئے وہ پانی پت کی اس عظیم الشان فتح اور مرہٹوں کی شکست سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا
وہ یہاں آگئے فتنوں، امراء کے جوڑ توڑ، روہیلوں کی نئی طاقت اور سکھوں کے حملوں سے دوچار
ہوا، بالآخر نجیب الدولہ کے پوتے غلام قادر روہیلہ نے ^{۱۷۸۵ء} لائے میں دہلی پر قبضہ کر لیا، شاہی محل
لوٹا، شہزادیوں کو کوڑے لگوائے اور سلطنت تیموری کے وارث نعل شہنشاہ کی آنکھیں نوک خنجر
سے نکالیں، سلطنت مغلیہ اور اس کے الگ وارث کی بے حرمتی و بے آبروئی اس سے پہلے ایسی کبھی
نہیں ہوئی تھی۔

^{۱۷۸۹ء} لائے میں سندھیبہ نے غلام قادر کو بڑے دردناک طریقہ پر قتل کیا، اور شاہ عالم کو
دوبارہ تخت پر بٹھایا، نو لاکھ روپیہ سالانہ اس کے اخراجات کے لئے مقرر کیا، متعدد لڑائیوں
کے بعد ^{۱۸۰۳ء} لائے میں لارڈ لیک انگریزی فوج کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا، مرہٹوں کو نکال دیا، اور
بادشاہ کی نشین ایک لاکھ روپیہ سال مقرر کر دی، شاہ عالم ۴۵ برس تخت نشین اور ۸ سال نابینا
رہ کر ^{۱۸۰۷ء} لائے میں راہی ملک بچا ہوا۔

علمی و روحانی حالت

سیاسی انتشار، اجتماعی بد نظمی اور انحطاط کے باوجود یہ دور انفرادی طور پر علمی کمالات،

لے تاریخ ہندوستان، ج ۹ ص ۳۳۳، بعض انگریزی تاریخوں میں نو تے ہزار بیان کی گئی ہے۔

تدریسی تصنیفی انہماک، روحانی یکسوئی، باطنی ترقی، اور نفوس کے تزکیہ و اصلاح کا دور تھا جس میں متعدد ایسی باکمال اور ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کو اس دور انحطاط سے کوئی مناسبت اور جن پر حالات سے یاس و ہراس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا، کہتے ہیں کہ بہت سے علمی و ادبی شاہکار ان افراد کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہیں، جو کسی مریض میں مبتلا، یا کسی معذوری اور اندرونی صدمہ کا شکار تھے، علماء نفسیات اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں قوت مقابلہ اور اس مجبوری کی تلافی کا عزم ابھرتا ہے، اور آدمی سے ایسے کام کرا لیتا ہے جو معتدل (NORMAL) حالات میں نہیں ہوتا، ہندوستان کے اس دور کا علمی اور روحانی پہلو، اور اس دور انحطاط میں ایسی قدر اور شخصیتوں کا ظہور، ایک مریض اور برسر انحطاط معاشرہ کی اندرونی قوت مقابلہ کا ثبوت اور اسلام کی مرد آفرینی اور آدم سازی کی صلاحیت کی دلیل ہے۔

و فور علم، ذہانت، قوت تدریس اور حسن تصنیف کے لحاظ سے ہمیں اس دور میں مولانا احمد بن ابوسعید عرف ملا جیون امیٹھوی (۱۰۲۴ھ - ۱۱۳۰ھ) صاحب "نور الانوار" اور "التفسیر الاحمدیہ" ملا محمد اللہ سندیلوی (م ۱۱۶۶ھ) صاحب "شرح سلم مشہور بحمد اللہ مولانا محمد حسن معروف بملاحسن فرنگی محلی صاحب "شرح سلم مشہور بملاحسن (م ۱۱۹۹ھ)، مولانا رستم علی قنوجی (م ۱۱۷۸ھ) شیخ صفۃ الشریعہ آبادی (م ۱۱۵۷ھ) شیخ علی اصغر قنوجی (م ۱۱۲۰ھ)، مولانا غلام علی آزاد بگلہاری (۱۱۱۰ھ - ۱۲۰۰ھ) مولانا غلام نقشبند لکھنوی (م ۱۱۲۶ھ) قاضی محب الشہبازی (م ۱۱۱۹ھ) مصنف "سلم العلوم و سلم الثبوت" (جنہوں نے تقریباً ایک صدی تک ہندوستان کے علماء و مدرّسین کو ان دونوں کتابوں کی شرح و تحشیہ میں مشغول رکھا، اور ان کی کتابیں مصر تک کے علماء کبار اور اساتذہ ازہر کی مرکز توجہ رہیں) قاضی مبارک گوپاموی (م ۱۱۶۲ھ) مصنف "شرح سلم معروف بقاضی" مولانا محمد اعلیٰ تھانوی مصنف کشاف اصطلاحات الفنون (جو اپنے موضوع پر نظر کتاب

ہے) اور سب سے اول و آخر میں ملا نظام الدین لکھنوی (م ۱۱۶۱ھ) جن کے ترتیب دیئے ہوئے درس کا سکہ ہندوستان سے بخارا اور سمرقند تک رواں ہے اور جن کو مصنف "نزہۃ الخواطر" نے "غیث الإفادۃ الہتون" العالم بالربیع المسکون، أستاذ الأساتذۃ و إمام المجاہدۃ کے القاب سے یاد کیا ہے، جیسے سرآمد روزگار اور فخر بلاد و امصار عالم، مدرس، مصنف، اور پوری پوری علمی تحریک اور سلسلہ تدریس و تربیت کے بانی اسی صدی کے رجال و اعیان میں تھے۔
 سلوک و طریقت کے لحاظ سے دیکھئے تو اس صدی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۱ھ - ۱۱۹۵ھ) سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی سستی موجود تھی، جن کے متعلق خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی شہادت ہے کہ "ہر زمانہ میں ایسے بزرگ زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے، چہ جائیکہ ایسے زمانہ میں ہونقہ و فساد سے پڑے۔"

سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ اور ملا نظام الدین بانی درس نظامی کے مرشد حضرت سید عبدالرزاق بانسوی (م ۱۱۳۶ھ) سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۴ھ) اور اسی سلسلہ کے ناشر و امام شاہ فخر الدین (شاہ فخر دہلوی) (م ۱۱۹۹ھ) سلسلہ قادریہ کے مشہور شیخ شاہ محمد غوث قادری لاہوری (م ۱۱۵۴ھ) سلسلہ نقشبندیہ کے شیوخ کا ملین شیخ محمد عابد ستامی (م ۱۱۶۱ھ) خواجہ محمد ناصر عندلیب (والد خواجہ میر درد) (م ۱۱۶۲ھ) شاہ منیب اللہ بالاپوری اور حضرت شاہ نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۵ھ) اس عہد میں مسند آرا اور فیض رساں نظر آتے ہیں، غرض یہ زمانہ سلاسل ثلاثہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ کے شیوع و انتشار کا زمانہ تھا، اور تینوں سلسلوں کے شیوخ کا ملین موجود تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز

لہ استفادہ از "نزہۃ الخواطر" ج ۶ - ۵۷ "کلمات طلیات" ص ۶۵ - ۵۸ یہ اسمائے گرامی ان کے سین و وفات او
 انیازی خصوصیات "نزہۃ الخواطر" تصنیف مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، جلد ششم سے اخذ کئے گئے ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہ کا محفوظ ہے:-

در عہد محمد شاہ بادشاہ بست و دو بزرگ محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں بائیس
صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بزرگ صاحب ارشاد مختلف خانوادوں
بودند و ایس جنس اتفاق کم می شود سے تعلق رکھنے والے دہلی میں موجود
تھے اور ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔

اخلاقی و معاشرتی پستی

لیکن ان نامور اہل کمال اور سچی نفس شیوخ کا ملین کی موجودگی میں واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کا مسلم معاشرہ اور خاص طور پر طبقہ امراء سلطنت کے اثر سیاسی زوال، دولت کی فراوانی، اور ایرانی تہذیب کے اثر سے اخلاقی زوال کے نقطہ عروج کو پہنچ گیا تھا، اور اسی وجہ سے وہ اس کردار کے ادا کرنے سے قاصر تھا جو طبقہ امراء نے ہر دور میں انقلاب سلطنت کے موقع پر ادا کیا ہے اسی طبقہ میں سے (جو SECOND LINE رہا ہے) وہ افراد سامنے آئے ہیں جنہوں نے اس خلا کو پر کر دیا ہے جو سیاسی و انتظامی میدان میں پیدا ہو جاتا تھا، سید ہاشمی فرید آبادی نے صحیح لکھا ہے:-

”ہندوستان کی دولت و ثروت نے خود اس طبقہ امراء کو نہایت عیش پسند اور تن آسان بنا دیا تھا،..... ہم ان امیروں کی ساری کوشش و قابلیت ادنیٰ اغراض کے لئے سازش اور ریشہ دوانی میں صرف ہوتے دیکھتے ہیں، انقلاب سلطنت اور حصول پادشاہی تو درکنار کسی مسلمان امیر کو اپنے اپنے مقام پر علانیہ خود مختاری کا اعلان کرنے کی بھی جسارت نہ ہوتی، اور اس عرصہ میں ادھر تو نظم و نسق کی اندرونی خرابیاں

بڑھتی رہیں اور ادھر حکمران طبقہ کے افراد سے انتظام حکومت اور اشتراک عمل کی صلاحیت ہی رفتہ رفتہ مفقود ہو گئی۔^{۱۵}

شاہ عبدالعزیز صاحب قلم فرماتے ہیں:-

بخانہ قمر الدین خاں عورات غسل خیرا نواب قمر الدین خاں کے گھر میں عورتیں
از گلاب می کردند و خانہ دیگر نواب برصد اخیر کا غسل گلاب کرتی تھیں دوسرے
روپیہ گل و پان برائے عورات می رفت۔^{۱۶} نواب کے گھر میں تین سو روپے کے پھول اور
پان عورتوں کے لئے جاتے تھے۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی "ماثر الکرام" میں لکھتے ہیں کہ:-

"اورنگ آباد کے لوگ بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ امیر الامراء (حسین علی خاں) کے
عہد میں شہر کے اکثر لوگ اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتے تھے، امیر الامراء کی سرکار کے یادچی اپنا
حصہ بیچ ڈالتے تھے، پر تکلف پلاؤ کی ایک قوب چند پیسوں میں لوگوں کو مل جاتی تھی۔^{۱۷}

اعتقادی کمزوری اور شرک و بدعات کا زور

اس معاشرتی اور اخلاقی پستی سے زیادہ خطرناک اور خدا کی نصرت سے محروم، اور حقیقی طاقت
سے عاری کرنے والی خرابی ضعیف الاعتقادی قرآن مجید کے اعلان "الْاِیْمَةُ الْاِیْمَانُ" کے^{۱۸}
خلاف بکثرت عوام کی زندگی، مسلم معاشرہ میں بدعات کا زور، ہندوؤں اور شیعوں کے بہت سے رسوم
و عادات کی تقلید تھی، شرک جلی کی ایسی متعدد صورتیں بہت سے مقامات اور حلقوں میں پائی جاتی تھیں،

۱۵ تاریخ ہند کتاب سوم از مولوی سید ہاشمی فرید آبادی ص ۲۶۳-۲۶۴، حیدر آباد ۱۹۳۱ء۔

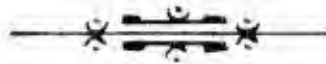
۱۶ ملفوظات عزیزی۔ ۱۷ ماثر الکرام۔ ج ۱ ص ۱۷۱۔ ۱۸ الزمر-۳

جن کی کوئی علمی توجیہ ممکن نہیں کھلی ہوئی قبر پرستی، مشائخ کے لئے سجدہ، تعظیم، مزارات اور اس کے قرب جوار کا حرم کی طرح احترام، قبروں پر چادریں چڑھانا، مٹیس ماننا، بزرگوں کے نام پر قربانیاں کرنا، مزارات کا طواف، وہاں میلہ لگانا، تہوار منانا، گانا بجانا اور چراغاں کرنا، اور مختصر الفاظ میں ان کو قبلہ و کعبہ اور لمبا و ماویٰ سمجھنا، کوئی ایسا واقعہ اور منظر نہ تھا جس کو دیکھنے کے لئے بہت دور جانے اور بہت دیر انتظار کرنے کی ضرورت ہوتی، شیخ سعد و کا بکرا، سید احمد کبیر کی گائے، غازی میاں کے جھنڈے اور چھڑیاں، محرم کے نعزیئے، غیر اسلامی تہواروں کو شان و شوکت سے منانا، بیماریوں کے دفع کرنے میں اروح نجیثہ اور بعض اوقات دیوی دیوتاؤں کی رضا جوئی اور خوف، چھپک کی بیماری میں سیتلا کی تعظیم، اولیاء و صالحین کے لئے مٹیس ماننا اور قربانیاں کرنا، اولیاء اور نیک بیبیوں کے نام سے رونے کی نیت کرنا اور ان سے اپنی حاجت براری اور مقاصد کی تکمیل کو وابستہ کرنا، اور اس سلسلہ میں خاص دن، خاص کھانے (بی بی کی صحنک، مخدوم صاحب کا نوشہ وغیرہ) اور ان میں خاص آداب کی پابندی، یہ اور ایسے بہت سے عنوانات ہیں جن کے ماتحت توہمات، عقائد فاسدہ، رسوم جاہلیت اور التزامات اور پابندیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، علی بخش، حسین بخش، پیر بخش، مدر بخش، اور سالار بخش، نام عام تھے۔

ایک بڑے دائرہ میں عقیدہ توجیہ اس مفہوم میں محدود ہو کر رہ گیا تھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان اور کائنات کا حقیقی خالق اور صانع ہے، اور وہی معبود حقیقی ہے، اور بڑے بڑے ائمہ ہی انجام دینا ہے، لیکن اس نے سلاطین عالم کی طرح اپنی سلطنت کے بہت سے شعبے اور محکمے اپنے مقبول بتوں کے سپرد کر دیئے ہیں، جو ان کے مالک و مختار ہیں، اور سیاہ سپید کرتے رہتے ہیں، اب ان کے راضی کئے اور ان سے رابطہ قائم کئے بغیر اس سلسلہ میں کوئی کامیابی اور کار براری نہیں ہو سکتی، شرک صرف یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی اور ہستی کو اس دنیا کا صانع و خالق اور مالک حقیقی سمجھا جائے

اور اس کو براہ راست عبادت و سجدہ کا (بلا توسل اور شفاعت کے خیال کے) مستحق سمجھا جائے۔
 غرض بارہویں صدی کا ہندوستان سیاسی، انتظامی، اخلاقی، اور بہت حد تک اعتقادی
 حقیقت سے انحطاط و پستی کے اس نقطہ پر پہنچ گیا تھا، جو اسلامی ملکوں کے زوال اور مسلم معاشرہ
 کی پستی کا افسوسناک اور خطرناک مرحلہ ہوتا ہے، مولانا یوسف علی خان نے اس مجموعی صور حال
 کا نقشہ اپنے ایک مضمون میں بڑی بلاغت و اختصار کے ساتھ کھینچا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا، مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا،
 جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مندریں بچھائے اور اپنے
 بزرگوں کی مزاروں پر چرلغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت
 کے ہنگاموں پر شور تھا، فقہ و فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی، مسائل
 فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عموماً خواص تک قرآن پاک
 کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکامات و ارشادات اور فقہ کے اسرار
 و مصارع سے بے خبر تھے۔“



۱۔ اس تصور توحید اور نقطہ خیال کی توضیح، شاہ صاحب کے اعتقادی اصلاح و تجدید کے باب میں تفصیل سے
 آئیگی وہاں ملاحظہ کی جائے۔ ۲۔ مقالات سلیمانی ص ۴۴

باب سوم

شاہ صاحب کے اجداد و والد بزرگوار

شاہ صاحب کے اجداد

شاہ صاحب کے اجداد اولین کا زمانہ (جو شیخ شمس الدین مہتمی کے زمانہ سے شہر ہتک میں قیام پذیر ہے) ہندوستان کی علمی و تصنیفی تاریخ کا وہ عہد ہے، جب یہاں تذکرے و تراجم کی تصنیف کا دور عام طور پر شروع نہیں ہوا تھا، زیادہ تر نامور مشائخ طریقت کے انفرادی تذکرے تھے، جن میں محبوب الہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کا تذکرہ سیر الاولیاء (مرتبہ امیر خود) خاص اقیار رکھتا ہے، یا صلحاء و مشائخ وقت کے ملے جلے تذکرے تھے، جن میں دو کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک شاہ محمد بن حسن غوثی مندوی کی گلزار ابرار (جس میں زیادہ تر نامند و مالوہ کے صلحاء و مشائخ کا تذکرہ ہے) دوسرے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اخبار الاخبار، اہل کمال اور نامور اشخاص کے تذکروں کی کمی تھی، جن میں مختلف خاندانوں کے برگزیدہ اشخاص یا مختلف علاقوں کی ممتاز شخصیتوں کا (جو کسی سلسلہ کی بانی یا اس کی اہم کڑی نہیں تھیں) تعارف و تذکرہ ہو، ان تذکروں میں بھی قدرتا مرکزی یا علاقائی دارالسلطنت اور اس کے اطراف اور ہندوستان کے مرکزی و تاریخی شہروں کی نامور شخصیتوں کا تذکرہ زیادہ ہے، جن کے حالات و کمالات سے واقفیت کے ذرائع مصنف کو

آسانی سے میسر نہ تھے، شاہ صاحب کا خاندان شیخ شمس الدین مفتی کے وقت سے جد بزرگوار شیخ وجیہ الدین کے عہد تک رہتک میں رہا، جس کو یہ مرکزیت و اہمیت حاصل نہ تھی، اس لئے ان تذکروں میں بھی ان کے حالات و وقائع عام طور پر نہیں ملتے۔

یہ باب بالکل تشنہ رہتا اور شاہ صاحب کے تذکرہ نویس یا اس خاندان کی تاریخ لکھنے والے کو سخت زحمت پیش آتی، اگر خود شاہ صاحب اپنے اجداد کے تذکرہ میں امدادی مآثر الاجداد کے نام سے ایک مختصر رسالہ خود قلم بند نہ فرمادیتے، اس میں بھی اجداد اولین کا تعارف و تذکرہ نہایت اجمال و اختصار کے ساتھ اور جدا مجید شیخ وجیہ الدین کا (بوجہ قرب زمانہ اور قلت وسائل) نسبتاً تفصیل کے ساتھ کرایا گیا ہے، انھیں اشارات کو لے کر مصنف حیات ولی مولوی حافظ محمد حرم بخش مرحوم دہلوی نے اپنی انشا پردازی سے بہت پھیلا کر لکھا ہے، جو کتاب کے ۱۳۱ صفحات میں آیا ہے، انھوں نے شاہ صاحب کے اس بنیادی تذکرہ میں (جو سب سے مستند اور قابل اعتماد ماخذ ہے) دوسری معاصر تاریخوں اور کتابوں سے جو مضامین اضافہ کئے ہیں، ان میں صفحات تو علیحدہ رہے، کتاب اور مصنف کا نام بھی کہیں نہیں ہے، اس وجہ سے ہم صرف مآثر الاجداد ہی پر اکتفا کریں گے۔

شجرہ نسب

شاہ صاحب نے جو فاروقی النسب ہیں، اس رسالہ کے شروع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اپنا شجرہ نسب درج کر دیا ہے، شمس الدین مفتی جو اس خاندان میں سب سے پہلے رہتک آئے،

لہٰذا یہ رسالہ متوسط تقطیع پر دس صفحات میں آیا ہے، اور شاہ صاحب کے پانچ رسائل کے مجموعہ میں شامل ہے جس کا پہلا رسالہ "انسان العین" ہے۔۔۔۔۔ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی، "انفاس العارفین" میں سائے رسائل کا جو اضافہ ہے اس میں بھی شامل ہے۔

اور طرح اقامت ڈالی ان کے ایک بھائی سالار حسام الدین تھے، ان کی اولاد میں شاہ ارزانی بدایونی ایک بزرگ گزے ہیں، ان کے خاندان کے نسب ناموں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے یہاں پر شجرہ نسب من و عن درج کیا جاتا ہے۔

”شاہ ولی اللہ بن ابی شیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قاذن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عدل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہر یار بن عثمان بن ماہان بن ہمایوں بن قریش ابن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ“

اس نسب نامہ میں کئی ناموں کے ساتھ ”ملک“ خطاب آتا ہے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، ”یہ زمانہ قدیم میں تعظیم لقب تھا، جیسے ہمارے زمانہ میں خان“

خاندان کی ہندوستان آمد

شاہ صاحب کی روایت کے مطابق ان کے خاندان کے پہلے بزرگوار جنہوں نے رہتک میں قیام اختیار کیا، (اور غالباً وہی ہندوستان میں سے پہلے آئے) وہ شیخ شمس الدین مفتی تھے، ان واسطوں اور پشتوں کی تعداد اور ان کی طبعی اور تقریبی عمروں کے حساب سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ شمس الدین مفتی ساتویں صدی کے آخر یا آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان آئے ہوں گے

لے الامداد فی آثار الابداد مشمولہ رسائل حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی، انقاس العارفین مطبوعہ مطبع مجتہبی (۱۳۳۵ھ) میں الامداد فی آثار الابداد کا جو نسخہ شامل ہے (۱۵۰-۱۶۰ ص) اس میں جو شجرہ نسب درج ہے اس میں متعدد غلطیاں اور نقائص ہیں جو غالباً طباعت کی غلطی اور تصحیح کی بے توجہی کا نتیجہ ہے، مذکورہ بالا نسخہ مشمولہ رسائل تنہا قابل اعتماد ہے، اور اسی سے شجرہ نقل کیا گیا۔

جب تاتاریوں کے حملہ سے عالم اسلام کا مشرقی حصہ زیر و زبر، خاندانوں کی عزتیں برباد، ان کے علمی اند و ختنے غارت، اور ایران، ترکستان کے نامی گرامی شہر تاراج و بے چراغ ہو چکے تھے، تالیخ فیروز شاہی اور دوسری تاریکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں عراق، ایران، و ترکستان کے شریف و نجیب خاندان اور ذی علم و باکمال خانوادے کثرت سے ہندوستان آئے، جہاں ترکی النسل مسلمان خاندانوں کی حکومت تھی، اور جنہوں نے تاتاری حملہ آوروں کو ترکی بہ ترکی جواب دے کر ہندوستانی سرحدوں سے پیٹا اور اس ملک کو نہ صرف ان کی غارتگری سے محفوظ بلکہ اپنی دین پروری اور معارف نوازی سے دارالعلم اور ایک وسیع مدرسہ بنادیا تھا، جہاں جابجا درس کے حلقے، یاد الہی اور تزکیہ نفس کے مرکز، اور اہل قلم اور اہل تحقیق کے لئے سکونت و اطمینان کے ساتھ اپنا کام کرنے کے مواقع تھے۔

رہنک کا قیام

ایسا معلوم ہوتا ہے اور شاہ صاحب کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رہنک اُس وقت کی نئی اسلامی سلطنت کا ایک اہم شہر، اور مغرب سے دہلی کی طرف آنے والی اسلامی افواج، مجاہدین، داعیان اسلام اور مشائخ و علماء کی دہلی سے پہلے کی ایک اہم منزل اور فرود گاہ تھی، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قریش کی نسل سے پہلے جو بزرگ اس شہر میں آئے، اور ان کی وجہ سے اسلامی شعائر کا غلبہ اور کفر و جاہلیت کا زوال ہوا، وہ شیخ شمس الدین مفتی ہی تھے، شاہ صاحب نے ان کی بعض کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو ان کی بزرگی اور اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے یا عث استعجاب نہیں، اس زمانہ میں جو صاحب علم و فضل

مسلمان اس شہر میں قیام کرتا تھا، اس کو قضا و احتساب کا عہدہ اور شہر کا نظم و نسق بھی سپرد ہو جاتا تھا، لیکن اس زمانہ میں اس کو قاضی و محتسب کے لقب سے یاد نہیں کرتے تھے۔

شیخ شمس الدین مفتی سے شیخ وجیہ الدین تک

شیخ شمس الدین مفتی کے انتقال کے بعد ان کی اولاد میں سب سے بزرگ فرد کمال الدین مفتی، ان کے بعد ان کے صاحبزادہ قطب الدین، ان کے بعد ان کے فرزند عبد الملک ان عہدوں پر فائز اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے، ان حضرات کے بعد قضا کا باقاعدہ ان اطراف میں تعین ہونے لگا، شیخ عبد الملک کے صاحبزادہ قاضی بدہ نے اپنے خاندان کی اس روایت اور وجاہت کو قائم رکھا، ان کے دو لڑکوں سے ان کی نسل چلی، اس خاندان کی شادیاں رہتک کے صدیقیوں اور سونی پت کے سادات میں ہوئیں، شیخ محمود کی (جو شاہ ولی اللہ صاحب کے جدِ خامس ہوتے ہیں) اور جنھوں نے عہدہ قضا ترک کر کے حکومت کے عہدوں کو سنبھالا) شادی سونی پت کے سادات میں ہوئی، جن سے ایک صاحبزادہ شیخ احمد پیدا ہوئے، شیخ احمد نے صغر سنی میں رہتک کو خیر باد کہا، اور شیخ عبد الغنی بن شیخ عبد الحکیم کے ساتھ سونی پت میں بود و باش اختیار کی، شیخ عبد الغنی نے اپنی صاحبزادی سے ان کا عقد کر دیا، اور مدت تک ان کی تربیت کی، اس کے بعد وہ رہتک آئے، اور قلعہ کے باہر ایک عمارت بنائی، اور اپنے اہل تعلق کو مجتمع کیا، ان کے صاحبزادہ شیخ منصور وجاہت شجاعت اور حکومت کے فضائل کے جامع تھے، ان کی پہلی شادی شیخ عبد اللہ بن شیخ عبد الغنی کی صاحبزادی سے ہوئی، ان کے صاحبزادہ شیخ معظم اسم با سٹی اور باہیبت و وجاہت بزرگ تھے، شجاعت کا بڑا جوہر رکھتے تھے،

واقعات عجیبہ کا ان سے صدور ہوا، شاہ صاحب اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ شیخ منصور کی ایک راجہ سے جنگ ہوئی، لشکر کا میمنہ شیخ معظم کے سپرد کیا گیا، اس وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی، سخت معرکہ پیش آیا، اور دونوں طرف کے بہت سے لوگ مقتول ہوئے، اس درمیان میں کسی نے شیخ معظم سے کہہ دیا کہ ان کے والد شیخ منصور نے شربت شہادت نوش فرمایا، اور لشکر اسلامی کو شکست ہوئی، یہ سن کر ان کی غیرت اسلامی اور رگ فاروقی حرکت میں آئی، وہ مردانہ وار حریف لشکر میں گھس گئے اور صفیں درہم برہم کرتے ہوئے بڑی کوشش کے بعد راجہ کے ہاتھ تک پہنچ گئے، ایک بڑا مخالف سردار مقابلہ میں آیا، انھوں نے تلوار کے ایک وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، اس کے ساتھیوں نے شیخ معظم کو گھوڑے پر سے اتار لیا، لوگوں نے ان پر ہجوم کیا، اس راجہ نے سب کو ڈانٹا اور منع کیا، اور کہا کہ ایسا نوعمر ایسی جواں مردی اور جرات دکھائے، یہ تو عجائبات زمانہ میں سے ہے، راجہ نے ان کے دونوں ہاتھ لے کر چوڑے اور بڑے احترام سے پیش آیا، اور پوچھا کہ اتنا غصہ کیوں ہے؟ کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی کہ میرے والد شہید ہو گئے، میں نے ارادہ کیا کہ میں حملہ کروں اور مخالفت لشکر کے سردار کو جب تک ٹھکانہ نہ لگا دوں دم نہ لوں، میں نے ہتھیار کر لیا تھا کہ یا ماروں یا مرجاؤں، راجہ نے کہا جس نے تم کو یہ اطلاع دی اس نے جھوٹ کہا، تمہارے والد زندہ ہیں، اور ان کے جھنڈے وہ نظر آ رہے ہیں، اس وقت راجہ نے شیخ منصور کے پاس کسی کو بھیجا کہ ہم نے اس رط کے کی خاطر صلح کر لی، اور جو کہا گیا اس کو منظور کیا اور واپس گیا۔

شاہ صاحب اپنے والد صاحب کی زبانی موضع شکوہ پور کے (جو شیخ معظم کی تعلقہ داری میں تھا) ایک عمر زمیندار کی یہ روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ تیس ڈاکو اس گاؤں کے مویشیوں کو لوٹ لے گئے، اس وقت شیخ معظم تنہا وہاں تھے، ان کے عزیزوں اور

فرزندوں میں سے کوئی نہ تھا، ان کو اس واقعہ کی اطلاع کی گئی، اس وقت دسترخوان لگ گیا تھا اور کھانا چن دیا گیا تھا، انھوں نے کسی عجلت اور پریشانی کا اظہار نہیں کیا، پورے اطمینان اور معمول کے مطابق کھانے سے فراغت کی، ہاتھ دھوئے پھر کہا ہمارے ہتھیار اور گھوڑا لے آؤ، جب سوار ہو کر چلے تو زمینداروں میں سے بھی کچھ لوگ ہتھیار لگا کر ساتھ ہوئے، شیخ معظم نے سب کو واپس کیا، اور فرمایا کہ میں اتنی تیزی سے جاؤں گا کہ تم میرے گھوڑے کی گرد کو بھی نہ پہونچو گے، البتہ اس قصہ کے راوی کو جو دوڑنے میں گھوڑے کے برابر تھا، ساتھ لے بیٹا کہ وہ واقعہ کی اطلاع دے سکے، پھر گھوڑا دوڑا کر ان ڈاکوؤں کو جو کئی منزلیں طے کر چکے تھے، جا لیا، اور ان کو غیرت دلا کر میدان میں مقابلہ کے لئے اتارا اور تیر اندازی شروع کی، ان کی قادر اندازی اور تیرانگی دیکھ کر اس پورے گروہ پر رعب طاری ہو گیا، انھوں نے فریاد کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں، ہمیں معاف کیا جائے، شیخ نے فرمایا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے ہتھیار خود اتارو، ہر ایک دوسرے کا ہاتھ باندھے، اسی حالت میں مویشیوں اور سلاح اور اس دست بستہ گروہ کو گاؤں تک لائے، ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ان سے قسم لی کہ اس سستی پر کبھی نظر نہ اٹھائیں گے، انھوں نے اس کی تعمیل کی۔

شیخ معظم کے سید نور ابجبار سونی پتی کی صاحبزادی سے تین صاحبزادے پیدا ہوئے شیخ جمال شیخ فیروز، شیخ وجیہ الدین، شیخ وجیہ الدین شاہ صاحب کے حقیقی دادا ہیں۔

شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین شہید

شاہ صاحب نے اپنے حقیقی دادا شیخ وجیہ الدین شہید کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں، وہ فرماتے ہیں، ان میں نقوی اور شجاعت کی دونوں صفیتیں جمع تھیں، والد صاحب (شاہ عبد الرحیم صاحب) فرماتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) نے دن رات قرآن کے

دوسیاے پڑھنے کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا جس کو وہ سفر و حضر اور چستی و کسل مندی دونوں حالتوں میں کبھی ترک نہیں کرتے تھے، جب عمر زیادہ ہوئی اور بصارت کمزور تو خط جلی کا ایک قرآن شریف اپنے ساتھ رکھتے تھے، سفر میں بھی کسی وقت اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے، یہ بھی فرماتے تھے کہ وہ اپنے گھوڑے کو کبھی کسی کی کھیتی میں گھسنے نہیں دیتے تھے، خواہ تمام لشکر کاشت کی ہوئی زمین میں گھوڑے دوڑاتا ہو، بعض اوقات اس بناء پر متعارف راستہ سے مشقت برداشت کر کے الگ چلتے، یہ بھی فرماتے تھے کہ کسی جنگ میں اگر سامان رسد کم ہو جاتا، اور کھانے پینے کی چیزیں مہیا نہ ہوتیں تو ساتھی گاؤں کے مویشیوں کو زبردستی پکڑ کر کے ان سے اپنی غذا حاصل کر لیتے، لیکن وہ ان سے محتنب رہتے، جب دو تین فاقوں کی نوبت آجاتی اور قوت جواب دے جاتی تو زرافہ حقیقی رزق مہیا فرمادیتا بعض مرتبہ وہ فکر میں ہوتے زمین پر چابک پٹختے وہاں سے چنے بقدر خوراک کے نکل آتے، وہ اس کو دھو کر اور پاک کر کے بھگو لیتے اور تناول فرماتے، فرماتے تھے کہ میرے والد کا معاملہ شاگرد پیشہ لوگوں، اور بھوسہ چارہ بیچنے والوں کے ساتھ ایسی نرمی اور انصاف کا تھا کہ بڑے بڑے متقیوں سے بھی ایسا کم دیکھنے میں آیا، یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک سفر میں انھوں نے بعض آثار و ولایت کا مشاہدہ کیا بیعت کی اور اشغال صوفیہ کے ساتھ مشغول ہوئے، تعلیل کلام اور قلت احتلا با نام کو (جو صوفیائے با صفا کا شیوہ ہے) اپنا شعار بنایا، اور اس کی ایسی پابندی کی جو اس زمانہ کے صوفیوں میں بھی کم دیکھی گئی ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب ان کی شجاعت کا بہت ذکر کیا کرتے تھے، اس موقع پر شاہ صاحب نے والد صاحب کی زبانی ان کی نمایاں شجاعت اور تہور کے متعدد واقعات لکھے ہیں، بعض مرتبہ تنہا انھوں نے پورے پورے گروہ کا مقابلہ کیا، وہ لشکر شاہی میں مالوہ تک تشریف لے جاتے تھے اپنے زمانہ کے اچھے اچھے شہسواروں اور سوراؤں سے انھوں نے مقابلہ کیا

تین صاحبزادے پیدا ہوئے، شیخ ابوالرضا محمد، شیخ عبدالرحیم، شیخ عبدالحکیم۔
 شاہ عبدالرحیم صاحب کہتے ہیں کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) ایک شب تہجد کی نماز
 پڑھ رہے تھے، ایک سجدہ میں اتنی دیر تک سر بسجود رہے کہ خیال ہوا کہ شاید روح پرواز کر گئی، جب
 سر اٹھایا تو آپ سے اتنی دیر تک ساکت و صامت پڑے رہنے کے بارے میں میں نے دریافت کیا
 فرمایا غیبوبت کی حالت پیدا ہو گئی تھی، اس میں شہید کے درجہ اور ثواب کا حال معلوم ہوا میں نے
 حق تعالیٰ سے شہادت کی تمنا کی اور اس میں اتنے الحاح و زاری سے کام لیا کہ اس کی قبولیت کا
 انکشاف ہوا، دکن کی جانب اشارہ ہوا کہ وہ شہادت کی جگہ ہوگی، والد صاحب فرماتے ہیں کہ
 اس واقعہ کے بعد اگرچہ فوج کی ملازمت ترک فرمادی تھی اور اس شغل سے طبیعت کو نفرت ہو گئی تھی،
 لیکن از سر نو اسباب سفر بہت کئے، گھوڑا خریدا اور دکن کی جانب متوجہ ہوئے، ان کا خیال تھا کہ
 یہ واقعہ سیوارا میں پیش آئے گا، جو اس وقت سلطنت اہل اسلام کے حدود سے خارج تھا اور وہاں
 کا حاکم مسلمانوں کے قاضی کے ساتھ بڑی بے حرمتی کے ساتھ پیش آیا تھا، لیکن جب بڑا ہنپور
 پہنچے تو وہاں منکشف ہوا کہ شہادت کی جگہ تو پیچھے چھوڑ آئے، وہیں سے واپس ہوئے راستہ میں
 بعض سوداگروں کی جو صلاح و تقویٰ سے آراستہ معلوم ہوتے تھے، صحبت و ہمراہی اختیار کی،
 قصبہ ہندیا سے چاہتے تھے کہ ہندوستان واپس آئیں کہ ایک دن ایک ضعیف العمر آدمی ملا کہ
 افتاں و خیزاں بھاگا جاتا تھا، ان کو اس کے حال پر رحم آیا، انھوں نے وجہ پوچھی، کہا کہ میں دہلی
 جانا چاہتا ہوں، فرمایا، روزانہ تین پیسے ہماری ملازمت سے لے لیا کرو، وہ بڑھا اصل میں کفار
 کا جاسوس تھا، جب لوزبیا کی سرائے میں پہنچے تو جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو خبر کر دی (کہ
 سوداگروں کا قافلہ اس سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے) ڈاکوؤں کی ایک جماعت کثیر اس سرائے
 میں آئی، شیخ وجیہ الدین اس وقت تلاوت میں مشغول تھے، ان میں سے دو تین آدمی سامنے آئے

اور کہا کہ وجیہ الدین کون ہیں، انھوں نے فرمایا کہ میں ہوں، انھوں نے کہا کہ تم سے ہمیں کوئی کام نہیں ہم جانتے ہیں کہ تمہارے پاس کچھ مال نہیں اور تمہارا ہمارے گروہ میں سے ایک پر حق نمک بھی ہے لیکن ان سوداگروں کو جن کے پاس ساز و سامان ہے ہم نہیں چھوڑیں گے، چونکہ آپ کی غرض اصلی ہی اس سفر سے شہادت تھی، آپ رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں آگئے، آپ کو بائیس زخم آئے، آخری زخم میں سر مبارک جسد سے جدا ہو گیا، اس حالت میں بھی دیر تک تکبیر زبان پر جاری رہی، اور کچھ دور کفار کا تعاقب بھی کیا، بالآخر ایک جگہ گرے اور وہیں مدفون ہوئے، اللہ تعالیٰ نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو یہ واقعہ دکھایا، انھوں نے دیکھا کہ وہ اپنے زخم دکھا رہے ہیں، شاہ صاحب نے جسد مبارک کو منتقل کرنے کا ارادہ بھی کیا، مگر اشارۂ غیبی نے ان کو اس سے باز رکھا۔

شاہ صاحب کے نانا شیخ محمد پھلتی

شاہ صاحب کے نانا حضرت شیخ محمد پھلتی تھے، ان کے خاندان کا وطن اول سدھور ہے، سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں یہ خاندان پھلت منتقل ہوا، آپ کے والد کا نام شیخ محمد عاقل تھا، وہ بچپن سے بڑے ہونہار اور زمانہ کے صلی اور اہل دل کے منظور نظر تھے، حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ شیخ جلال نے ان کی ولادت پر ان کے مراتب عالیہ کی بشارت دی تھی، تعلیم انھوں نے اولاً شاہ صاحب کے چچا شیخ ابوالرضا محمد بن شیخ وجیہ الدین سے حاصل کی، اس کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب کے پاس گئے، ان سے بڑی مناسبت معلوم ہوئی، وہاں سے علم کی تحصیل کر کے

لے ایسے واقعات بعض اور شہداء کے متعلق بھی کتابوں میں دیکھنے میں آئے ہیں۔ مگر ان کے حالات میں شاہ صاحب کا

مستقل رسالۃ العظیۃ الصمدیۃ فی الانقاس المحمدیۃ کے نام سے اسی مجموعہ رسائل میں شامل ہے مگر حال ضلع بارہ بنکی۔

۱۱۲۵ھ کو ہوئی۔

شاہ صاحب کے عم محترم شیخ ابوالرضا محمد

۱۵ ص ۲۵ حضرت شیخ محمد عاشق بھلتی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نثر بہتہ انخواطر" ج ۶

ازواج مطہرات کی سنت پر عمل کرتے ہوئے فقر و فاقہ کو ترجیح دی، اور وفاقت نہیں چھوڑی، اکثر متواتر دو تین دن فاقے ہو جاتے، سیدنا عبد القادر جیلانیؒ سے نسبت خاص حاصل تھی، اور سیدنا علی المرتضیٰ سے محبت خاص اور مناسبت بااختصاص حاصل تھی، عالمگیر بادشاہ نے کئی مرتبہ زیارت کا ارادہ کیا قبول نہیں فرمایا، امراء و اہل دُول کی طرف بالکل التفات نہیں تھا، البتہ جوتے بنانے والوں، اور پائی کا کام کرنے والوں اور ایسے ہی پیشہ وروں کی طرف بڑی توجہ فرماتے تھے، اگر وہ چار پانچ پیسے ہدیہ نذر کرتے تو بڑی خوشی سے قبول فرماتے۔

شاہ صاحب نے ان کے تعارف میں قوی العلم، فصیح اللسان، عظیم الوریع، وسیع المعرفة کے الفاظ استعمال کئے ہیں، زیبا صورت، طویل القامت تھے، رنگ گورا، داڑھی ہلکی، نرم کلام تھے، جمعہ کی نماز کے بعد وعظ کہتے تھے، اور تین حدیثیں زبانی سناتے تھے، پھر فارسی میں اس کے بعد ہندی (ریختہ) میں ان کا ترجمہ کرتے تھے، اور ان احادیث کے مطالب پر روشنی ڈالتے تھے، لیکن اعتدال و اختصار کے ساتھ، پہلے ہر فن کی ایک کتاب پڑھاتے تھے، اور لوگ ان کی تقریر کے ذوق میں بہت جمع ہو جاتے تھے، آخر میں صرف دو سبق رہ گئے تھے، ایک بیضاوی کا ایک شکوۃ کا، وحدۃ الوجود کے قائل تھے، اور اس بارے میں صاحب تحقیق تھے، صوفیاء کے متعلق ملفوظات کی خوب شرح کرتے تھے، مستجاب الدعوات تھے، شاہ صاحب نے ان کی محبوبیت و اجتنابی شان کے بہت سے واقعات لکھے ہیں، سنتوں کے ادا کرنے کا بڑا اہتمام تھا، ہندی کے عارفانہ دو کچھ کبھی پڑھتے تھے، شاہ صاحب نے ان کے کشف و کرامات کے متعدد واقعات لکھے ہیں، شاہ صاحب نے بڑی تفصیل سے ان کے ملفوظات درج کئے ہیں، جن کا سمجھنا اور

ان سے فائدہ اٹھانا بھی اس زمانہ میں مشکل ہے، اس لئے ان کو ترک کیا جاتا ہے، عمر بچائیں اور ساتھ کے درمیان تھی، کہ، ارحم الاحرام اللہ کو نماز عصر کے بعد سفر آخرت اختیار کیا، آفتاب کے نطف سے تابیح وفات نکلتی ہے۔

والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیمؒ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے حالات کمالات و کرامات میں خود ایک مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے، جس کا نام عربی میں ”بوارق الولاية“ اور شہور نام ”انفاس العارفين“ ہے، ایک باکمال فرزند کے قلم سے باکمال پدر بزرگوار کے حالات میں مؤرخانہ اور ذمہ دارانہ طریقہ پر مستقل کتاب لکھنے کی اسلام کی علمی تابیح میں زیادہ مثالیں نہیں ملتی، اس سلسلہ میں علامہ تاج الدین سبکی کا اپنی شہرہ آفاق کتاب ”طبقات الشافعیۃ الکبریٰ“ میں اپنے والدنا مدار علامہ شیخ تقی الدین السبکی کا مفصل تذکرہ اور فخر المتأخرین ابوالحسنات مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کا اپنے والد بزرگوار مولانا عبدالحکیم لکھنوی کے حالات میں مستقل رسالہ ”حسرة العالم بوفاة مرجع العالم“ کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں سے زیادہ تر وہ حالات و واقعات انتخاب کئے جائیں گے، جو ان کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہیں، اور جن سے ان کے علمی، دینی اور روحانی پایہ کا کچھ اندازہ

لے انفاس العارفين ص ۹۴-۱۱۹ لے ایضاً ص ۱۵۵

۱۵ پہلی مرتبہ مطبع احمدی دہلی میں زیور مطبع سے آراستہ ہوئی دوبارہ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی جو الہ میل وال لڈکر طباعت پیش نظر ہے ۱۶ یہ باریک ناٹپ کے ۸۰ صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔

ہو سکتا ہے اور خود شاہ صاحب کی زندگی اور رجحان اور مزاج و مذاق کی تشکیل میں انھوں نے جو بنیادی کردار ادا کیا ہوگا، اس کے تعین میں مدد مل سکتی ہے، کرامات و کشوف، روحانی تجربا و ترقیات کا (جس کا وہ خاص دور اور صاحب تذکرہ کو اس سے خاص مناسبت تھی) زیادہ ذکر نہیں کیا جائیگا کہ ان کا فہم و ادراک بھی اس زمانہ کے لوگوں کے لئے مشکل ہے اس کے لئے اصل کتاب کی طرف رجوع مناسب ہوگا، صرف اجمالاً اتنا لکھنا ضروری ہے کہ شاہ صاحب کے حالات ایک علیٰ روحانی استعداد اور فطری و باطنی کمال پر دلالت کرتے اور اولیائے متقدمین کی یاد تازہ کرتے ہیں، جن کی استعدادیں نہایت قوی، زمانہ نہایت مساعد اور ماحول نہ صرف سازگار بلکہ محرک و مشوق تھا، اور کُلُّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کے بموجب اس میدان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی تربیت، اور اس کی تجلیات کا ظہور تھا، اور کَلَّا نَمِدُّ هُوَ لَآءٍ وَهُوَ لَآءٍ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا (ان کو اور ان کو سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش سے بھر بھر کر دیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی سے) کی تفسیر۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کے نانا (جو خود بڑے پایہ کے بزرگ تھے) شیخ رفیع الدین نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنا اثاثہ اپنے وارثوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اپنی اولاد میں ہر ایک کو اس کے حساب سال سامان دیا، شاہ عبدالرحیم صاحب کی والدہ ان کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں، جب ان کی یاری آئی تو ان کو طریقت کے فوائد اور ادوار مشائخ کا شجرہ عنایت فرمایا، شاہ رفیع الدین صاحب کی اہلیہ محترمہ نے کہا کہ ابھی اس بچی کی شادی بھی نہیں ہوئی، اس کو جہیز کا سامان دینا چاہئے تھا، نہ کہ یہ رسائل، فرمایا کہ یہ رسائل ہمیں اپنے بزرگوں سے ترکہ میں ملے ہیں، اس بچی کا ایک فرزند ہوگا جو ہماری اس معنوی میراث کا مستحق ثابت ہوگا، جہاں تک

جہیز و شادی کے سامان کا تعلق ہے، اللہ اس کا انتظام فرمائے گا، ہمیں اس کی فکر نہیں، شاہ
عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں پیدا ہوا، اور کچھ سیانا ہوا تو میری نانی نے وہ سامان
میرے حوالہ کیا، اور میں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کی ولادت کا سنہ کہیں صراحتاً نہیں ملتا، لیکن چونکہ
انھوں نے ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی، اور ۷۷ برس کی عمر ہوئی، اس لئے سنہ ولادت
۱۰۵۴ھ ہونا چاہئے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب تین بھائی تھے، شیخ ابوالرضا محمد، شیخ عبدالکیم اور شاہ عبدالرحیم۔
شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ میں صغر سنی ہی میں سر پر گریزی باندھ کر سر بہ زانو
بیٹھتا، وضو میں تمام اعضاء کو پورے طور پر دھوتا، اور وضو کی سنتوں کا اہتمام کرتا، میرے ماموں
شیخ عبدالحی جو خود صانع بزرگ تھے، دیکھ کر خوش ہوتے، اور فرماتے کہ اس کو دیکھ کر اطمینان ہوتا
ہے کہ اسلاف کی یہ دولت ہماری نسل میں باقی رہے گی، اگر پوتوں کو نہ ملی تو کیا حرج ہے، لہذا اسے
اس کے حامل و محافظ ہوں گے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کی بچپن ہی سے طبیعت دین کی طرف مائل اور دنیا کی دولت و عزت سے
اچھاٹ تھی، جو بزرگ کوئی ایسا وظیفہ بتانا چاہتے جس سے دنیا کا کوئی مقصد حاصل ہوتا، اس کی
طرف توجہ نہ کرتے، اور کہتے مجھے اس کی ضرورت نہیں، ایک نقشبندی بزرگ نے جن کا نام خواجہ ہاشم تھا،
اور بخارا سے تشریف لاکر شاہ حسنہ کے محلہ ہی میں فروکش تھے، ان کی طبیعت کا یہ انداز دیکھ کر ان کو اس کتاب کا

۱۔ انفاس العارفين ص ۲ ۲۔ ایضاً ص ۵ ۳۔ ایضاً ص ۲

۴۔ مشائخ لوح دل پر اللہ کا نام نقش کرنے کے لئے کاغذ پر اسم ذات کو کثرت سے لکھواتے ہیں، تاکہ وہ ذہن
پر نقش ہو جائے، یہ یا د الہی کے لئے ایک طریقہ علاج تھا۔

طریقہ تلقین کیا، شاہ صاحب فرماتے تھے کہ مجھ پر اس کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں نے ملا عبدالحکیم کا حاشیہ
(یہ شرح عقائد پر ملا عبدالحکیم کا حاشیہ ہے) نقل کرنا شروع کیا، پورے ایک جزء پر اسم و ست
لکھتا چلا گیا، اور مجھے شعور نہ ہوا۔

شاہ صاحب حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادہ شیخ عبداللہ مشہور خواجہ خور کی خدمت
میں حاضر ہوتے تھے، جو بڑے عارف تھے، بعض غیبی اشارات اور روحانی بشارات کی بناء پر
انہوں نے ان سے بیعت کی درخواست کی، انہوں نے خیر خواہانہ مشورہ دیا کہ سید آدم بتوریؒ کے
خلفاء میں سے کسی ایسے شیخ سے جو تشرع اور ترک دنیا اور تہذیب نفس میں راسخ القدم ہو اس سے
بیعت کروں، میں نے کہا کہ ہمارے جوار میں حضرت کے خلفاء میں حافظ سید عبداللہ تشریف رکھتے
ہیں، فرمایا بہت غنیمت ہیں، جلد ان سے بیعت ہو جاؤ، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اگرچہ
ان پر انخفا و خمول (بے نشانی) کا غلبہ تھا، انہوں نے پہلی درخواست پر بیعت فرمایا، میں دونوں
بزرگوں خواجہ خور داوڑ سید عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، اور ان کے فیض صحبت سے
مستفیض، حافظ سید عبداللہ کی بھی توجہ من جانب اللہ شاہ عبدالرحیم صاحب کی جانب تھی، ایک
مرتبہ فرمایا، تم بچہ تھے اور بچوں میں کھیل رہے تھے، میری طبیعت کی تمہاری طرف کشش ہوئی، میں نے
دعا کی کہ خدایا اس بچہ کو اولیاء میں شامل فرما، اور اس کا کمال میرے ہاتھ سے ظاہر ہو، الحمد للہ
کہ اس دعا کا ثمرہ ظاہر ہوا۔

تعلیم

شاہ عبدالرحیم صاحب نے چھوٹے رسائل سے شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک اپنے برادر بزرگ

ابوالرضا محمد سے پڑھے، بقیہ کتابیں مرزا زاہد ہروی (مشہور بہ میرزاہد) سے پڑھیں، فرماتے تھے کہ "شرح مواقف اور اصول کی ساری کتابیں مرزا زاہد سے پڑھیں، ان کی مجھ پر خصوصی توجہ تھی، یہاں تک کہ اگر میں کسی دن کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے تو فرماتے کہ ایک دو سطر پڑھ لو، تاکہ ناغہ نہ ہو، خواجہ خورشید سے بھی حاشیہ خیالی وغیرہ کے مشکل مقامات میں رجوع کیا اور نشفی ہوئی، بعض اوقات ایسا ہوا کہ کسی کتاب کا ابتدائی حصہ پڑھا اور آخر تک اس کا درس خود دیا، خواجہ خورشید شاہ عبد الرحیم صاحب کے نانا شیخ رفیع الدین کے شاگرد تھے، اور خواجہ خورشید نے ان سے علمی و باطنی دونوں طرح کا استفادہ کیا تھا، اس لئے وہ ان کے ساتھ بڑی خصوصیت اور احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔

حافظ سید عبداللہ کی وفات کے بعد شاہ عبد الرحیم صاحب نے سلسلہ ابوالعلمائے احرار یہ کے ایک بلند مرتبہ خلیفہ شیخ ابوالقاسم اکبر آبادی سے رجوع کیا، امیر نور العلماء سے بھی استفادہ کیا، خلیفہ ابوالقاسم نے شاہ صاحب کو اجازت بھی دی، خلیفہ صاحب شاہ عبد الرحیم صاحب کی تعظیم اور خصوصی خیال اس لئے بھی کرتے تھے کہ ان کو شاہ عبد الرحیم صاحب کے جدِ مادرِ شیخ عبد العزیز شکر بار سے بھی خصوصی نسبت تھی۔

شاہ صاحب نے "انفاس العارفین" میں شاہ عبد الرحیم صاحب کے اپنے زمانہ کے مشائخ و اولیاء اور مجاذب سے ملاقاتوں، ان کی توجہ خصوصی کے بہت سے واقعات لکھے ہیں کہ لے شیخ ابوالقاسم شیخ ولی محمد نرنولی کے خلیفہ تھے، اور وہ امیر ابوالعلمائے احرار حیدری اکبر آبادی کے شیخ ابوالقاسم نے ابوالعلماء کا زمانہ پایا، اور ان کی صحبت اٹھائی، لیکن اجازت شیخ ولی محمد نرنولی سے پائی، وفات ۱۲۸۷ھ، واضح ہے کہ ابوالعلمائے احرار سلسلہ میں حیثیت و نقشبندیت کا امتزاج ہے، کاپی کا مشہور سلسلہ جس کے شیخ سید محمد ترمذی تھے، اس سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۵ ص ۲۲)

یہ زمانہ جذب و سلوک، خدا طلبی، عشق الہی، اور درویشی کا گویا موسم بہار تھا، اور ایسے حضرات کی کثرت تھی جو اس کا ذوق رکھتے تھے، اور روحانی اور باطنی کمالات سے آراستہ تھے، اور انھوں نے شاہ صاحب پر خاص توجہ فرمائی، اور ان سے شاہ صاحب کی اچھی صحبتیں رہیں، شاہ صاحب نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے کشف ارواح وغیرہ کے بہت سے واقعات لکھے ہیں، جن سے ان کی باطنی قوت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح ان کے اشراقات اور کرامات کے واقعات درج کئے ہیں، اس کے بعد شاہ صاحب نے تفصیل سے ان کے ملفوظات درج کئے ہیں، ملفوظات سے ان کی دقت نظر، غیر معمولی ذہانت، اور اعلیٰ استعداد علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں، والد صاحب کا عمل اکثر امور میں مذہب حنفی کے موافق تھا، لیکن بعض مسائل میں حدیث کے مطابق یا اپنے وجدان سے کسی دوسرے مذہب فقہی کو بھی ترجیح دیتے تھے، ان تفردات یا استثناءات میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا، جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنا تھا۔

کم سنی سے خواجہ خورد کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے روحانی و علمی استفادہ اور ان کی شخصیت و باطنی کمالات سے متاثر ہونے، نیز خواجہ ابوالقاسم اکبر آبادی سے بھی روحانی تربیت حاصل کرنے کی بنا پر (جو اس سلسلہ ابوالعلمائے میں صاحب اجازت تھے) جو حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے واسطے کے بغیر خواجہ عبید اللہ احرار اور سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کبار تک پہنچتا تھا) نیز انھوں نے امیر نور العلماء بن امیر ابوالعلماء

۱۵ ملاحظہ ہو ذکر ملاقات حضرت ایشاں با سائراہل الشراذم مجاذیب وغیرہ، ص ۲۹-۳۲

۱۶ ملاحظہ ہو انفس العارفين ص ۳۵-۵۰ ۱۷ ایضاً ص ۵۵-۶۵ ۱۸ ایضاً ص ۶۶-۸۵

اکبر آبادی سے بھی استفادہ کیا تھا، شاہ عبد الرحیم صاحب پر حضرت سید آدم بنوری کی نسبت تھا کے مقابلہ میں جو مسلک وحدۃ الشہود میں راسخ القدم تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ کی نسبت غالب تھی، جو عرصہ تک توحید و ہودی کے ذوق و مسلک پر رہے اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اس سے بالکلہ انقطاع عمل میں آیا، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ان کے قریب کے اجداد و مادی میں حضرت شیخ عبد العزیز شکر بار (م ۹۷۵ھ) بھی گزے ہیں جن پر توحید و ہودی کا غلبہ تھا، ان موروثی و تربیتی اسباب کی بنا پر حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب توحید و ہودی کا ذوق اور شیخ اکبر سے عقیدت، اور ان کی تحقیقات سے ایسا ذوق و شغف رکھتے تھے، جو جادۂ شریعت اور دائرۂ علم سے متجاوز نہیں ہونے پاتا تھا۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ والد صاحب شیخ محی الدین ابن عربی کا نام بڑی تعظیم سے لیتے تھے، فرماتے تھے، اگر میں چاہوں تو قصوص الحکم کا منبر پر کھڑے ہو کر بیان کروں، اور اس کے تمام مسائل کو آیات و احادیث کے ساتھ مبہن کروں، اور اس طرح بیان کروں کہ کسی کو شبہ نہ رہے لیکن اسی کے ساتھ وحدۃ الوجود کی صراحت کرنے سے احتراز کرتا ہوں کہ اس زمانہ کے اکثر لوگ اس کو سمجھ نہیں سکیں گے، اور الحاد و زندقہ کے گڑھے میں گر جائیں گے۔

شاہ عبد الرحیم صاحب فتاویٰ عالمگیری کو ترتیب دینے والی جماعت علماء میں شامل تھے، جو ملک کے ممتاز ترین فقہ حنفی کے عالم و صاحب نظر و صاحب درس فقیہ تھے، اس جماعت کے نگران کار اور صدر شیخ نظام الدین برہان پوری تھے، سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے اس کام پر دو لاکھ روپیہ صرف کئے، مصنف "الثقافة الاسلامیة فی الہند" نے بڑے تفصیل تحقیق

۱۔ شاہ عبد الرحیم صاحب کے اس ذوق نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک متقل ہو کر وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق کا رنگ اختیار کر لیا۔ ۲۔ اس زمانہ کے لحاظ سے پچاس لاکھ روپے سے کم نہیں ہوں گے۔

کے بعد اس کے مرتبین کے نام درج کئے ہیں جن کی تعداد اکیس ہوتی ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب بھی اس جماعت کے ایک رکن تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب "انفاس العارفين" میں لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا بڑا اہتمام تھا، ملا نظام (افسر سررشتہ تدوین) روزانہ ایک صفحہ بادشاہ کے سامنے پڑھا کرتے تھے، ایک دن انھوں نے وہ حصہ پڑھا جو ملا حامد کے سپرد تھا، انھوں نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو کتابوں کی دو متفرق عبارتوں کو جمع کر کے عبارت میں گنجلک پیدا کر دی تھی، شاہ عبدالرحیم صاحب (جو ان کے دوست تھے) کی نظر جب اس مقام پر پڑی تو اس کی تحقیق کی معلوم ہوا کہ دو کتابوں کی مختلف المعنی عبارتیں جمع کر دی ہیں، آپ نے مسودہ کے حاشیہ پر عربی کی عبارت لکھ دی کہ "من لم يتفقه في الدين قد خلط فيه، هذا غلط وصوابه كذا" (یعنی تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے کاتب سے یہاں خلط بحث ہو گیا ہے، صحیح یوں ہے۔)

ملا نظام نے متن کی عبارت کے ساتھ شاہ عبدالرحیم صاحب کا حاشیہ بھی پڑھ دیا، وہ توروالی میں پڑھتے گئے، لیکن بادشاہ جو پوری توجہ سے سنتے تھے، چونک پڑے اور فرمایا "اس عبارت چسیت؟" ملا نظام گھبرائے کہ انھوں نے اس کا مطالعہ نہیں کیا تھا، پھر سنبھل کر کہا کہ میں نے اس مقام کا مطالعہ نہیں کیا، کل تفصیل سے اس کا مطلب عرض کروں گا، گھر آئے تو ملا حامد سے شکایت کی کہ میں نے یہ حصہ تمہارے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا، تمہاری وجہ سے مجھے بادشاہ کے سامنے خفت اٹھانی پڑی، ملا حامد نے اس وقت تو کچھ نہیں کہا، شاہ صاحب اس کی شکایت کی، شاہ صاحب نے کتابیں کھول کر ان کو دکھایا کہ عبارت میں خلل اور انتشار پیدا ہو گیا ہے، اس سے بعض معاصرین

اور رفقاء کو حسد پیدا ہوا، اور شاہ صاحب کچھ عرصہ اس کام میں مشرک ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہو گئے۔

اخلاق و شمائل و معمولات

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ وہ خصائل حمیدہ اور اخلاق ستودہ کے جامع تھے، شجاعت و فراست اور غیرت ان میں بدرجہ اتم موجود تھی، عقل معاد کی طرح عقل معاش بھی کامل اور وافر طور پر رکھتے تھے، ہر معاملہ میں تو شیطا و اعتدال کو پسند کرتے تھے، زہد و عبادت میں نہ اتنا نعمت مند اور غلو تھا کہ رہبانیت سے اس کے حدود دل جائیں، اور نہ اتنی بے تکلفی اور وسعت کہ تساہل تک بات پہنچ جائے، لباس میں تکلف نہیں تھا، نرم اور سخت لباس جو میسر آتا استعمال فرماتے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کو اچھا ہی لباس مرحمت فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کی سب ضرورتیں پوری فرمادیتا تھا، بازار جا کر کسی چیز کے خریدنے کی مشکل ہی سے نوبت آتی، امراء اور رؤساء کے گھروں پر تشریف نہیں لے جاتے تھے، اس دروازہ کو کلیتہً بند کر رکھتا تھا، ہاں اگر اس طبقہ کے لوگ خود زیارت کے لئے آتے تو آپ بڑی خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش آتے، ان میں جو زیادہ معزز ہوتا اس کا اسی طرح اعزاز کرتے، اور اگر وہ نصیحت کی فرمائش کرتے، تو بڑی نرمی کے ساتھ نصیحت فرماتے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے، ہمیشہ علم و علماء کی تعظیم کرتے، جہالت اور جاہلوں سے نفور رہتے، ہر حال میں آثار نبوی کا نتیجہ کرتے، استقامت کی بات یہ ہے کہ کبھی ساری زندگی بغیر غدر کے جماعت قوت نہیں ہوئی، بچپن و جوانی میں کبھی منہیات کی طرف میلان نہیں ہوا، ضروری امور میں بیع و شراء سے کبھی احتراز نہ کرتے، نہ منقشہ علماء کی پر تکلف ہٹیت کی

پابندی کرتے، نہ آزاد فقراء و صوفیاء کے بے قید لباس کی، بے تکلف زندگی گذارتے تھے، بغیر ضرورت کے قرض لینا پسند نہیں کرتے تھے، جو لوگ تنعم و تفکھ (لذت اندوزی اور لطفت) کے لئے قرض لیتے اس کو ناپسند فرماتے اور ملامت کرتے، طب میں بھی ذہن رسا پایا تھا۔

روزانہ ایک ہزار بار درود شریف، ایک ہزار بار نفی اثبات کچھ حصہ بچہ اور کچھ حصہ خفا کے ساتھ، بارہ ہزار بار اسم ذات روزانہ کا معمول تھا، اپنے بھائی ابوالرضا محمد کے انتقال کے بعد مشکوٰۃ، تنبیہ الغافلین، غنیۃ الطالبین کو سامنے رکھ کر وعظ فرماتے، آخر میں تفسیر کا سلسلہ شروع کیا تھا، زہراوین (سورہ بقرہ آل عمران) سے فارغ ہوئے تھے کہ ضعف کا غلبہ ہوا، اور یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔

حمیت اسلامی

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ میں بھی اپنی خاندانی روایت کے مطابق، اور پیر بزرگوار شہید (شیخ وحیہ الدین) کی وراثت میں مجاہدانہ جذبات اور حمیت اسلامی پورے طور پر موجود تھی، اور یہ بات بالکل قرن قیاس ہے کہ ان کے خاندان والا شان میں نسلاً بعد نسل جہاد و عزیمت کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے پایا تھا، غیرت و فتیاحت ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی، اگرچہ شخصی و جسمانی طور پر کسی معرکہ جہاد میں شرکت کا ذکر نہیں ملتا، مگر ”انفاس العارفین“ میں درج واقعات سے ان کے علو ہمت، عمل بالعزیمت اور دینی غیرت کا اظہار ہوتا ہے، اور یہی دولت ہے جو ان کی اولاد میں منتقل ہوئی۔

ازدواج و اولاد

شاہ عبدالرحیم صاحب کا پہلا نکاح اپنے والد صاحب کی زندگی میں ہوا تھا، جن سے ایک صاحبزادہ صلاح الدین نام پیدا ہوئے، جو کچھ بڑے ہو کر فوت ہو گئے، زوجہ محترمہ عرصہ تک حیات رہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی شادی کے بعد ۱۲۸۰ھ یا ۱۲۹۰ھ میں وفات پائی۔ دوسرا نکاح کبرسنی میں بعض بشارات و اشارات غیبی کی بناء پر شیخ محمد پھلتی صدیقی کی صاحبزادی سے ہوا، جن سے دو صاحبزادے تولد ہوئے، شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ۔

وفات

۷۷ سال کی عمر میں رمضان میں آخری بار رونے رکھے، شوال میں بیمار ہو گئے، اور امید زلیست منقطع ہو گئی، لیکن اس کے بعد صحت عود کر آئی، لیکن اوائل صفر میں مرض پھر غالب آیا، صبح صادق سے پہلے آثار موت ظاہر ہوئے تو پوری توجہ اس طرف تھی کہ نماز فجر فوت نہ ہو، اس ضعف کی حالت میں کئی بار پوچھا کہ صبح ہو گئی یا نہیں، حاضرین مجلس نے کہا کہ ابھی نہیں ہوئی، جب وقت آخر بالکل قریب آ گیا، تو ان جواب دینے والوں کو سختی سے جواب دیا کہ اگر تمہاری نماز کا

لہ القول ابجلی سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے علانی بھائی شیخ صلاح الدین جوانی کی عمر تک پہنچے،

القول ابجلی (قلمی)۔ ۷۷ شاہ صاحب "ابناء اللطیف" میں لکھتے ہیں کہ ۱۴ سال کی عمر میں میرے والد نے میرا

نکاح کر دیا، اور بڑی عجلت فرمائی، جو لوگ مہلت چاہتے تھے، ان سے فرمایا کہ اس میں مصلحت ہے، شادی کے بعد ہی

متعدد خاندانی حادثے پیش آئے کہ ان میں سے کوئی حادثہ پیش آتا تو شادی ملتوی ہو جاتی، ان حوادث میں آخری

حادثہ کے طور پر اپنے بڑے بھائی صلاح الدین کی والدہ صاحبہ کی وفات کا ذکر کیا۔ ص ۱۲

وقت نہیں آیا تو ہماری نماز کا وقت آگیا، فرمایا میرا رخ قبلہ کی طرف کر دو، اس وقت اشارہ سے نماز پڑھی حالانکہ وقت میں شک تھا، اس کے بعد زیر لب اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہو گئے، اور جان جان آفریں کے سپرد کی، یہ واقعہ چہار شنبہ ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کا ہے، یہ فرخ سیر کی حکومت کے آخر کا دور ہے، آپ کے انتقال کے بعد فرخ سیر پچاس دن محبوس رہا اور شہر میں بڑا اضطراب پیدا ہوا، انتقال کے وقت عمر شریف ۷۷ سال تھی۔

حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کی نظر میں

حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کی اگرچہ کوئی اہم تصنیف جس سے ان کا علمی مرتبہ ظاہر ہو (سوائے ایک رسالہ کے) موجود نہیں، ان کی شہرت زیادہ تر اپنے لائق اور باکمال فرزند ہی کے ذریعہ ہے، اور انھیں نے ان کا تعارف ”انفاس العارفين“ کے ذریعہ کرایا، جہاں تک علم ہے، ان کے حالات میں ان کے کسی اور سرشار کی کوئی کتاب نہیں لیکن شاہ صاحب کی تصنیفاً بالخصوص ”انفاس العارفين“ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے علوئے مرتبہ، قوتِ باطنی، مقبولیت عند اللہ، اور علم و سلوک میں ان کے مراتب عالیہ سے علی وجہ البصیرۃ اس سے زیادہ معتقد اور متاثر ہیں، جتنا کہ ایک سعادت مند فرزند عام طور پر اپنے باکمال باپ کے کمالات و احسانات کا معترف اور مداح ہوتا ہے، شاہ صاحب کو ان کے کمالات باطنی و علمی کے بارے میں علم یقین اور وجدانی کیفیت، اور ان کے تذکرہ میں ایک شکر اور سرشاری کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت، کمالات علمی و باطنی کے حصول اور علم و سلوک میں درجہ امامت ——— واجتہاد تک پہنچنے میں والد بزرگوار کی

نسبت باطنی، قوت تاثیر اور شفقت اور دعاؤں کا بڑا حصہ ہے۔

ہندوستان کے عربی النسل خاندان اور ان کی خصوصیات اور واثا

شاہ صاحبؒ کے اجداد کرام کے مختصر تذکرہ سے (جس کا خلاصہ ان صفحات میں پیش کیا گیا ہے) اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں تین نمایاں صفتیں قدر مشترک کے طور پر یا عموم متواتر ہیں۔

۱۔ ایک علم و دین، ورع و تقویٰ اور قضاء و افتاء سے عمومی تعلق، جو علم و دین سے نسل و خاندانی مناسبت اور عزیمت و علوم ہمت کی بناء پر (جس کو خاندانی روایات و واقعات اور مخلص و بلند ہمت سرپرستوں اور مربیوں کی تعلیم و تربیت غذا پہونچاتی رہتی تھی) بعید از قیاس نہیں اسلاف کے کارناموں اور ان کی صلاح و تقویٰ کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بہت سے خاندانوں کی حفاظت فرمائی ہے اور دولت دین کی حفاظت کا ان میں اسی طرح سے انتظام فرمایا ہے جیسا کہ ان دو تہیموں کی دیوار کو اپنے ایک مقبول بندہ کے ذریعہ کرنے سے بچایا اور مستحکم کر دیا جن کا باپ صلاح و دینداری سے متصف تھا "وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا" (ان دونوں کا باپ نیک تھا) ہندوستان کے بیسیوں خاندانوں کی تاریخ اس تسلسل اور حفاظت و عنایت خداوندی کی شہادت دیتی ہے، جن میں صدیوں تک علم و دین، قضاء و افتاء، تدریس و تصنیف اور ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری و قائم رہا۔

۲۔ دوسری حفظ انساب، خاندانی شجروں کی ترتیب و نگہداشت اور کفایت کا

لے ظاہر ہے کہ یہ کوئی کلیہ نہیں جس میں کسی استثناء کی گنجائش نہ ہو، مشرقاء و اہل فضل کے خاندانوں کی طرح اس کو اکثر یہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

لے ملاحظہ ہو سورہ کہف کی آیات "وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ (إِلَى) رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ" (الکہف ۸۲)

وہ معیار و اہتمام جو بلاد عربیہ اور قدیم اسلامی ممالک میں بھی اس درجہ میں نہیں تھا، غالباً اس کی وجہ دیارِ عجم میں اپنے اس نسب کی حفاظت کا جذبہ (جو یہ خاندان بلاد عربیہ سے لے کر آیا تھا) اور خود ہندوستان کے طبقاتی نظام اور خاندانی تفاخر کا اثر بھی اس کا باعث تھا، باوجود اس کے کہ شریعت نے اس اہتمام کا مکلف نہیں کیا ہے، اور اس میں بعد کی صدیوں اور غیر عرب ملکوں میں غلو پیدا ہو گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا یہ نتیجہ ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ صدیوں تک ان خاندانوں میں نسلی خصوصیات قائم رہیں، اور وہ عجمی اور غیر اسلامی ملک کے معاشرہ اور تہذیب میں تحلیل نہ ہونے پائے۔

۳۔ تیسری صفت جلاوت و شجاعت، پہ گری کے صفات جس کو عربی میں "فروسیتہ" اور "فتوحہ" (شہ سواری و مردانگی) کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے، جو نسل عرب اور قبیلہ قریش کی نسلی و موروثی صفت ہے، اور جس کے نمونے شیخ معظم اور شیخ وجیہ الدین کے حالات میں واضح طور پر گزر چکے ہیں، اور اس کا ظہور اتم خود شاہ صاحب کے پوتے مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کی زندگی میں دیکھنے میں آتا ہے۔

ان نمایاں صفات کے ظہور و توارث کے نفسیاتی و عقلی اسباب بھی ہیں، جو عربی النسل خاندان تہامین کے مختلف دوروں میں حجاز، عراق، اور ایران و ترکستان سے ہندوستان منتقل ہوتے رہے، ان میں سے اکثر کی ہجرت اور ہندوستان میں توطن کا سبب یا اپنے دین و ایمان کی حفاظت یا عزت و ناموس بچانے کا جذبہ تھا کہ وہ تباہی حملہ سے خطرہ میں پڑ گئے تھے، یہ مقصد بعد کی کئی پشتوں تک لوگوں کی یاد رہا، اور ان کو بھی اس کی لاج تھی، اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی برکت سے ان کے دینی حالات میں ترقی دی کہ وہ "فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَآخَرُوا مِن دِيَارِهِمْ فَأَوْذُوا فِي سُبُلِي وَقُتِلُوا أَوْ قُتِلُوا" (آل عمران - ۱۸۵) کا مصداق تھے۔

بایہدافنی سبیل الشراوردعوت الی الشرحا جذبہ تھا، جس کا اس وقت (چھٹی ساتویں صدی ہجری کی دنیا میں) ہندوستان میں سب سے بڑا میدان تھا، اس وسیع ملک کے جس کو برصغیر کہنا صحیح ہوگا، بہت سے حصے سلطنت اہل اسلام کے ابھی زیرنگیں نہیں آئے تھے، اور وہاں مختلف حاکم و راجہ حکومت کر رہے تھے، اور بعض اوقات احکام شرعی کی تعمیل اور شعائر اسلام کے اظہار میں خلل انداز ہوتے تھے، ان میں سے بہت سے وقتاً فوقتاً سرکشی اور بغاوت بھی کرتے رہتے تھے، ہر جگہ لشکر سلطانی کا پہونچنا مشکل بھی تھا، بیرون ہند سے آنے والے ان شریف و نجیب اور حوصلہ مند اور جہاد و غزاکے شائق عربی النسل خاندانوں اور ان کے سربراہ آوردہ افراد کے لئے ان علاقوں کا فتح کرنا اور ان کو مرکزی سلطنت کے حوالہ کرنا ان کی حوصلہ مندیوں کی تسکین کا سامان بھی تھا، دینی جذبات کی آسودگی کا ذریعہ بھی، اور دنیاوی وجاہت و امارت کا وسیلہ بھی، ان کو ان علاقوں میں معافیاں دی جاتی تھیں، ان کے افراد منصب قضا و نیابت پر مامور بھی ہوتے تھے، چنانچہ ان عربی و ایرانی النسل خاندانوں کی تاریخوں میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں کہ ان کے پیش روؤں نے ہندوستان کے بعض ایسے دُور دراز علاقے اور مجہول اور غیر اہم مقامات فتح کئے، جو باقاعدہ ممالک محروسہ میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔

لہ اس کی ایک مثال امیر کبیر سید قطب الدین محمد المذنی (م ۷۵۳ھ) ہیں جو اودھ کے خاندان قطبی حسنی کے بانی اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے جد امجد ہیں، وہ غزنی کے راستہ سے ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں اعزہ و سادات اور غزنی کے رؤسا و شرفاء و مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دہلی تشریف لائے، دہلی سے پورب کا قصد کیا اور اول فتوح، پھر مانک پور اور کرۂ پر (جو اس زمانہ میں ایک مستقل حکومت کا مرکز تھا) حملہ کیا اور اس تمام علاقے کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔ (سیرت سید احمد شہیدؒ اول ص ۷۹)

ان خاندانوں کو اس کا احساس تھا کہ ہم ہندوستان میں ایک بلند مقصد کے لئے آئے تھے، ہمارے دین، ہماری تہذیب اور ہماری سعادت کا اصل سرچشمہ مرکز اسلام جزیرۃ العرب اور حجاز مقدس ہے، ہم کو اپنی اس اصل سے کُلّی طور پر کبھی منقطع نہیں ہوتا چاہئے، اور اپنے نسلی، تہذیبی، اور اخلاقی امتیازات کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہئے، ہم جب ہی دنیا کے اس دور افتادہ حصہ اور بیگانہ تہذیب و ماحول میں جو اپنے اندر ایسی تخلیقی طاقت اور ایک طرح کا تیزاب رکھتا ہے جس نے باہر سے آنے والی قوموں اور نسلوں کو اپنے اندر کُلّی طور پر جذب اور ان کی خصوصیات کو فنا اور سوخت کر دیا، محفوظ اور باعزت رہ سکتے ہیں، اس احساس نے ان کے اندر دینی و ملی غیرت اور خارجی اثرات کے مقابلہ میں غیر معمولی قوتِ مقابلہ پیدا کر دی جس سے ان کی انفرادی شخصیت بہت حد تک محفوظ اور ان کی خصوصیات صدیوں تک نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں۔

اس حقیقت کا اظہار بڑے واضح طریقہ پر خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اس وصیت نامہ میں ہوا ہے جو ”المقالة الوضیة فی النصیحة والوصیة“ کے نام سے انھوں نے قلم بند فرمایا، جس میں ان کے مخاطب سب سے پہلے ان کے خاندان کے لوگ ہیں، پھر تمام اہل تعلق اور ملت اسلامیہ ہندیہ، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

”ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم پر دیسی لوگ ہیں، ہمارے اجداد نے ہندوستان ہجرت کی، نسب اور زبان کی عربیت ہمارے لئے دو بڑی فخر کی باتیں ہیں، یہی ہم کو سید الاولین والآخرین، افضل الانبیاء والمرسلین، مفر کائنات و فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب کرتی ہیں، اس نعمتِ عظمیٰ کے شکر یہ کا تقاضا ہے کہ ہم امکانی حد تک

ان عربِ اولین کے عادات و روایات سے یکسر بے تعلق نہ ہوتے یا میں جن میں
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشوونما ہوا تھا، اور عجمیوں کے رسوم اور
 ہندوؤں کے طور طریق کو اپنے اندر پھیلنے نہ دیں۔
 آگے چل کر فرماتے ہیں:-

”ہم میں خوش نصیب وہ ہے جس کو عربی زبان میں کچھ درخور حاصل ہو، صرف
 نحو، ادب میں دخل ہو اور حدیث و قرآن سے واقفیت رکھتا ہو، یہیں
 حرمین شریفین میں بھی حاضری دیتے رہنا چاہئے، اور اس سے قلبی وابستگی
 رہنی چاہئے، اس میں ہماری سعادت کا راز ہے، اور اس سے اعراض و گردانی
 کرنے میں شقاوت و محرومی پنہاں ہے۔“

عربی النسل اور عالی نسب ہونے کے ماسوا اس خاندان کو فاروقیت کا شرف بھی
 حاصل تھا، دیارِ عجم میں اس خاندان سے اللہ تعالیٰ نے بارہا حفاظت دین، شمارِ اسلام
 کے اعلیٰ اور دشمن اسلام تحریکوں کے مقابلہ کا مجتہدانہ کام لیا، جس میں فاروقی غیرت
 کا بھی دخل تھا، اور فاروق اعظم سے نسبت و نسب تعلق کا احساس و افتخار بھی کام کرتا
 ہوگا، جو ایک طاقتور نفسیاتی محرک بھی ہے، دسویں صدی ہجری میں اسی خاندان کے ایک
 فرد فرید نے اکبری فتنہ کا استیصال کیا، اور ہندوستان کو کفر و احماد، وحدتِ ادیان کے
 فتنہ اور ”نیا دور نیا آئین“ ”نیا ہزارہ“ ”نئی امامت“ کی خطرناک سازش کا شکار بننے
 سے بچایا، حضرت شیخ احمد فاروقی (مجدد الف ثانی) کو اس نسبت پر فخر تھا، اور وہ

لے المقالة الوصیة فی النصیحة والوصیة“ فارسی، طبع دہلی ۱۲۶۷ھ

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”تاریخ دعوت و عزیمت“ حصہ چہارم ص ۶۱-۶۳ اور ص ۱۰۵-۱۰۸

دینی حمیت کو اس کا تقاضا اور قدرتی نتیجہ سمجھتے تھے، جمہور اہل سنت اور عقائد اسلامیہ کے خلاف ایک شہور عارف و شیخ کی ایک تحقیق سن کر ان کے قلم سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے ہیں۔

مخدوما! اس فقیر را تاب استماع اشال مخدومی! یہ فقیر اس طرح کی باتوں کے

اس سخنان نیست بے اختیار و رگ سننے کی تائید نہیں رکھتا، بے اختیار میری

فاروقیم در حرکت می آید! فاروقی رگ حرکت میں آجاتی ہے۔

اسی طرح یسین کر کہ قصہ سامانہ میں خطیب نے خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کا ذکر عمداً

ترک کر دیا، تحریر فرمایا:۔

بچوں استماع اس خبر وحشت انگیز جب اس خبر وحشت اثر سے

در شورش آورد و رگ فاروقیم را حرکت طبیعت میں اضطراب پیدا ہوا،

داد، بچند کلمات اقدام نمود! اور اس نے میری فاروقی رگ کو

حرکت دی! یہ چند لفظ میرے

قلم سے نکل گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید و احیاء دین کے وسیع اور کثیر الانواع کام

میں (جس میں اصلاح عقائد، رد شرک و بدعت، اشاعت کتاب و سنت، ترویج فن حدیث،

اثبات خلافت خلفاء راشدین، اور رفض و شیعت کی تردید شامل ہے) یقیناً

یہ نسبت اور اس کے شرف و ذمہ داری کے احساس کو بھی دخل ہوگا، جو نفسیات،

علم الحیاء، اور نسلی اصول و تجربات کے لحاظ سے (جس کے شواہد بکثرت نسلوں اور

۱۵ مکتوب مثلاً دفتر اول بنام ملاحسن کشمیری۔

۱۵ مکتوب ۱۵ حصہ ششم دفتر دوم۔

خاندانوں کی تاریخ میں پائے جاتے ہیں) ہر طرح قرین قیاس اور مطابق عقل ہے، حدیث میں بھی آتا ہے کہ الناس معادن کعادن الذهب والفضة خیارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی الاسلام اذا فقہوا^{لہ}۔



۱۔ لوگ اسی طرح سے (جواہرات کی) کانیں ہیں، جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، جو ان میں جاہلیت کے زمانہ میں بہتر تھے، وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، بشرطیکہ وہ (دین کی) سمجھ حاصل کریں۔
(روایت صحیح مسلم)

باب چہارم

مختصر حالات زندگی

ولادت

شاہ صاحب کی ولادت چہار شنبہ کے دن ۲۴ شوال ۱۱۱۲ھ طلع آفتاب کے وقت اپنے نانہاں قصبہ بھلت (حال ضلع مظفرنگر) میں ہوئی، تاریخ ولادت عظیم الدین سے نکلتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صفا کی عمر ساٹھ سال تھی، شاہ عبدالرحیم صفا کو اس مبارک فرزند کی ولادت سے پہلے بہت سے بشارات نظر آئے تھے، شاہ عبدالرحیم صاحب نے ساٹھ سال کی عمر میں پہلی اہلیہ کی موجودگی میں جو شیخ صلاح الدین کی والدہ تھیں، شادی کا ارادہ کیا، اس میں اشارات غیبی اور بشارات کو دخل تھا، جب شیخ محمد بھلتی کو معلوم ہوا تو لے خوش قسمتی سے حضرت شاہ صاحب کے قلم سے اختصار کے ساتھ اپنی زندگی کے ضروری حالات تعلیم و تعلیمی نصاب جو انھوں نے پڑھا، والد صاحب کی تعلیم و تربیت کے بعض خصوصی انداز، بیعت و اجازت، سفر حجاز اور وہاں کے شائع سے استفادہ، ان کا تعارف و تذکرہ اور زندگی کے بعض اہم واقعات محفوظ ہو گئے ہیں، ان مواد و معلومات کے دوڑے ماتخذ ہیں، البحرء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف اور سال انسان العین فی مشائخ البحرین، شاہ صفا کی زندگی کے مختصر حالات انھیں دونوں کتابوں البحرء اللطیف اور انسان العین سے ماخوذ اور مقتبس ہیں، کہیں کہیں انفار عاریتہ اور انقول الجلی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

لے البحرء اللطیف ص ۲ مطبوعہ لاہور۔

انھوں نے اپنی صاحبزادی کو نکاح میں دینے کا فیصلہ کیا، اور اوائل ۱۱۱۴ھ میں یہ مبارک عقد ہو گیا۔

”القول الجلی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسم گرامی فخر النساء تھا، اور وہ علوم دینیہ میں ایسا درک رکھتی تھیں جس کا خواتین کو بہت کم موقعہ اور شرف حاصل ہوتا ہے کتاب کے مصنف شیخ محمد عاشق پھلتی لکھتے ہیں، جو ان کے حقیقی بھائی کے فرزند تھے، و صاحب البيت أدری بما فيه۔

والدہ شریفہ شاہ کہ بعلم شریعت	آپ کی والدہ ماجدہ تفسیر و حدیث
از تفسیر و حدیث عالمہ و آداب طریقت	جیسے علوم شرعیہ کی عالم، آداب طریقت
متادبہ و باسرار حقیقت عارفہ	سے آراستہ پیراستہ، اسرار حقیقت کی
و بمصدق اسم خود فخر النساء بودند۔	مورث رکھنے والی، اور ان وجہ سے
	حقیقتاً طبقہ انات کے لئے باعث فخر

اور اسم باسٹی تھیں۔

ولادت سے پہلے شاہ عبدالرحیم صاحب نے خواجہ قطب الدین بختیار ککلیؒ کی خواب میں زیارت کی انھوں نے فرزند کی بشارت دی، اور فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر قطب الدین احمد رکھنا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میری ولادت ہوئی تو والد صاحب کے ذہن میں یہ بات نہیں رہی، اور انھوں نے ولی اللہ نام رکھا، کچھ مدت کے بعد یاد آیا تو میرا دوسرا نام قطب الدین احمد تجویز کیا۔ شاہ صاحب ساٹھ سال کے تھے کہ والدین کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے، اور دعا کرتے وقت ان دونوں کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دیئے، اور اس طرح وہ خواب پورا ہوا، جو ان کے والد ماجد نے ان کی ولادت سے قبل دیکھا تھا۔

فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ (کچھ حصہ چھوڑ کر) اصول فقہ میں حسامی اور توضیح وتلویح کا بڑا حصہ منطق میں شرح شمس کی مکمل، اور ایک حصہ شرح مطالع کا، علم کلام میں شرح عقائد مکمل، خیالی کے حاشیہ کے ایک حصہ کے ساتھ، کچھ حصہ شرح مواقف کا پڑھا، سلوک میں ایک حصہ عوار اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ کا، اختلافات میں شرح رباعیات مولانا جامی اور لوائح، مقدمہ شرح اللمعات، مقدمہ نقد النصوص، خواص اسماء و آیات میں وہ مجموعہ جو خاص اس موضوع پر ہے اور الفوائد المائۃ وغیرہ، والد صاحب نے کئی بار مجھے ان خواص و فوائد کی اجازت دی۔

طب میں موجز، فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمتہ وغیرہ، معانی میں مطول کا بڑا حصہ، مختصر المعانی کا اتنا حصہ جس میں ملا زادہ کا حاشیہ ہے، ہندسہ اور حساب میں بعض مختصر رسائل۔

شاہ صاحب کے اس نصاب میں ان کے والد ماجد اور استاد حقیقی شاہ عبدالرحیم صاحب کے اجتہاد و انتخاب کو بھی کچھ دخل تھا، ساتویں صدی ہجری سے ہندوستان میں جو نصاب درس رائج تھا، اور جس میں نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ کے ملتان سے دہلی آنے پر علم کلام و بلاغت و معقولات کی بعض کتابوں کا اضافہ ہوا، پھر دسویں صدی میں امیر فتح اللہ شیرازی کی آمد ہندوستان پر ایران کے علمائے متاخرین محقق دوانی، میر صدر الدین شیرازی، اور میر غیاث الدین منصور، اور مرزا جان کی تصنیفات داخل نصاب ہوئیں، غالباً شاہ عبدالرحیم صاحب کی حقیقت پسندی اور اپنے ہونہار فرزند کی ذکاوت پر اعتماد کر کے ان میں سے کئی کتابوں کو (جن میں اکثر مکرر مضامین تھے) حذف کر دیا گیا، مثلاً نحو میں مصباح، لب الالباب (مصنفہ قاضی ناصر الدین بیضاوی) ارشاد (مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی) کے بجائے صرف کافیہ، اور شرح جامی پڑھائی گئی، اصول فقہ میں منار اور اس کے شروح، اور اصول بزدوی کے بجائے حسامی، اور توضیح وتلویح کا کچھ حصہ، تفسیر میں کشاف ترک کر دی گئی،

حدیث میں "شارق الانوار" شامل نہیں ہے، ادب میں مقامات تحریری کا عام رواج تھا، اور بعض بزرگوں کے حفظ کرنے کا بھی ذکر آتا ہے، لیکن شاہ صاحب کے نصاب درس میں وہ نظر نہیں آتی، یہ ممکن ہے کہ ان میں سے بہت سی کتابیں بارہویں صدی کے اوائل تک بہت سے حلقہ ہائے درس میں متروک ہو گئی ہوں۔

واضح رہے کہ بارہویں صدی ہجری ہی میں اسناد العلماء ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی نے جو حضرت شاہ صاحب کے کبیر السن معاصر تھے، اور جنہوں نے شاہ صاحب کی وفات سے پندرہ سال پہلے ۱۰۶۱ھ میں رحلت کی، اس نصاب درس میں بہت عظیم اضافہ کیا، خاص طور پر صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و بلاغت، اور علم کلام میں کثیر التعداد کتابوں کا اضافہ کیا، جن میں مزید اضافہ کے بعد (جو ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کے دور میں بغیر کسی منصوبہ کے ہوا) اس نصاب نے درس نظامی کی وہ آخری شکل اختیار کی جو ابھی تک قدیم مدارس میں رائج ہے۔

شاہ صاحب کے بیان کئے ہوئے نصاب درس میں ادب عربی کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی، حالانکہ شاہ صاحب کی عربی تالیفات بالخصوص "حجة الشربالغہ" شہادت دیتی ہے کہ ان کو عربی زبان اور اس میں تحریر و انشاء پر نہ صرف قدرت تھی، بلکہ (جہاں تک حجة الشربالغہ کا تعلق ہے) وہ اس میں ایک ایسے طرز و اسلوب کے بانی ہیں، جو علمی مضامین و مقاصد کے شرح و بیان کے لئے موزوں ترین اسلوب ہے، اور جس میں علامہ ابن خلدون کے بعد ان کا کوئی

لے نصاب درس کی عہد بعد تبدیلیوں، معیار تفصیل کے بدلنے اور ایک ہی کتاب کے متعدد مشروح و حواشی کے اضافہ اور ان کے اسباب و محرکات سے واقف ہونے کے لئے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "انقاف الاسلامیۃ فی الہند مطبوعہ المجمع العلمی دہلی، اور اردو میں ان کا پرمغز اور محققانہ مضمون "ہندستان کا نظام درس اور اس کے تغیرات" مطبوعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء ملاحظہ ہو۔

ہم پایہ اور ہر نظر نہیں آتا، معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے بطور خود عربی ادب اور شرو نظم کی ان قدیم معیاری کتابوں کا مطالعہ کیا، جو سلاست و حلاوت کا نمونہ تھیں اور جو عجمی عربی کے اثرات سے بہت کچھ محفوظ تھیں، اور حجاز کے قیام میں خاص طور پر عربی میں اس عظیم تصنیفی کام کی تیاری کی جس کو تدبیر الہی نے شاہ صاحب کے لئے مخصوص کر رکھا تھا، اگر مقامات حریری کا ذکر ہو، انہیں پھوٹ گیا ہے، تو اس کے شاہ صاحب کے نصاب میں داخل نہ ہونے سے بجائے نقصان کے فائدہ ہوا ہوگا کہ متاخرین عام طور پر اس کے زخم خوردہ ہیں، اور اس کی وجہ سے سجع و قوافی کے ایسے پابند کہ بے تکلفی اور روانی کے ساتھ مطالب عالیہ کے ادا کرنے اور اظہار مافی الضمیر سے عام طور پر قاصر نظر آتے ہیں، حریری کے بعد جس نے بھی کسی مضمون پر قلم اٹھایا حریری ہی کے قلم سے لکھا جس کا قلم پرانا ہو گیا تھا، رسائل و خطوط اور کتابوں کی تقریطیں حتیٰ کہ فتاویٰ کی طویل عبارتیں بھی حریری کے اس اثر سے آزاد نہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں مضامین عالیہ ذہن میں آتے تھے، جن میں برابر ترقی محسوس ہوتی تھی، والد صاحب کی وفات کے بعد بارہ سال تک دینی کتب و عقلی علوم کی کتابیں پڑھانے کی پابندی کی، اور ہر علم میں غور و خوض اور اشتغال کا موقع ملا۔

والد ماجد کی شفقت و تربیت اور اجازت و خلافت

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب کی شفقت میرے حال پر ایسی تھی کہ کم کسی

لے صاحب "ایانہ الحقی" لکھتے ہیں "وقد اقام بالحجاز سنین و زاحم العرب و سمع من اهل البادية

وهم يومئذ احسن حالا منهم في زماننا" (حجاز میں کئی سال قیام فرمایا، عربوں سے اخلاط و صحبت

رہی اور اہل بادیر سے جو اس زمانہ کے مقابلہ میں بہتر تھے صحیح و فصیح زبان سن) ۳۵ ۳۶ الجزء اللطيف ص ۳۷

باپ کی بیٹے پر کسی استاد کی شاگرد پر اور کسی شیخ کی مرید پر ہوگی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی تربیت کا انداز بھی بڑا حکیمانہ تھا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز زمانہ طفولیت میں احباب و اعزہ کی ایک جماعت کے ساتھ ایک باغ کی سیر کو چلا گیا، جب آپس آیا تو والد صاحبؒ نے فرمایا، ولی اللہ! تم نے اس دن رات میں وہ کیا حاصل کیا جو باقی رہے؟ ہم نے اس مدت میں اتنا درود پڑھا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ سن کر میرا دل باغات کی سیر و تفریح سے بالکل سرد ہو گیا، اس کے بعد پھر اس کا شوق نہیں پیدا ہوا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ والد صاحبؒ مجھے حکمت علمی، آداب مجلس اور تہذیب و دانش مندی کی باتیں بہت سکھاتے تھے، اور اکثر یہ شعر پڑھتے تھے

آسائش دو گیتی تفسیر اس دو حرف است
باد و ستاں تلطف باد شمتاں مدارا^۱

فرماتے تھے کہ مجھے ہدایت فرمائی کہ جو لوگ مرتبہ میں کم ہوں ان سے ہمیشہ سلام میں سبقت کرنا، اور ان سے ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آنا، اور ان کی خیریت و احوال دریافت کرنا، اور اس کو معمولی بات نہ سمجھنا۔

صد ملک دل بہ نیم نگہ می توان خرید
خواباں در این معاملہ تقصیر می کنند

یہ بھی فرماتے تھے کہ بعض لوگ کسی خاص پوشاک یا عادت کے پابند ہو جاتے ہیں، کوئی نیکیہ کلام مقرر کر لیتے ہیں، بعض کھانوں سے ایسے متنفر ہو جاتے ہیں کہ ان کی وہ چڑھ مقرر ہو جاتی ہے، ان سب چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے، اپنی کسی خواہش کی تکمیل میں

صرف لذت جوئی مقصود نہ ہوا اس میں کسی ضرورت کی تکمیل کسی فضیلت کا حصول، یا ادائے سنت مقصود ہونی چاہئے، چال ڈھال، نشست و برخاست کسی سے صنعت یا کسل مندی کا اظہار نہیں ہونا چاہئے، شاہ عبدالرحیم صاحب شاہ صاحب کے بیان کے مطابق شجاعت، فراست، خوش انتظامی اور غیرت کے اوصاف عالیہ سے متصف تھے، عقل معاش بھی عقل معاد کی طرح کامل و وافر رکھتے تھے، ہر معاملہ میں اعتدال کو پسند کرتے تھے، شاہ صاحب کی سیرت و اخلاق میں انہیں چیزوں کا پرتو تھا۔^{۱۰}

والد صاحب ہی سے چودہ سال کی عمر میں بیعت کی اور اشغال صوفیہ بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے، توجہ اور تلقین حاصل کی، والد صاحب نے آداب طریقت کا ایک حصہ تعلیم کیا، اور خرقرہ پہنایا، شاہ صاحب کی عمر سترہ سال کی تھی، کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، آپ نے مرض موت میں بیعت و ارشاد کی اجازت دی، اور بار بار فرمایا کہ ید کیدی (اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح ہے)۔^{۱۱}

شادی

شاہ ولی اللہ صاحب کی عمر چودہ سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد نے آپ کی شادی آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ صدیقی پھلتی کی صاحبزادی سے کر دی، سسرال والوں نے جب مہلت کا تقاضا کیا تو شاہ عبدالرحیم صاحب نے معذرت کی اور کہا کہ اسی میں مصلحت ہے، بعد کے پے درپے خاندانی حوادث نے ثابت کر دیا کہ اگر اس زمانہ میں شادی نہ ہو جاتی تو اس کو

بہت دنوں کے لئے ملتوی کرنا پڑتا، ان زوجہ سے آپ کے بڑے صاحبزادہ شیخ محمد پیدا ہوئے، جنہوں نے آپ ہی سے تعلیم پائی، شاہ صاحب نے ان کے لئے ایک ابتدائی رسالہ بھی تصنیف فرمایا تھا، شامل ترمذی کے درس میں شاہ عبدالعزیز کے شریک اور قاری تھے، شاہ صاحب کی وفات کے بعد قصبہ بڑہانہ منتقل ہو گئے، اور مدۃ العمر وہیں رہ کر ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی اور قصبہ کی جامع مسجد کے صحن میں مدفون ہوئے، اسی بناء پر شاہ صاحب ابو محمد کنیت کرتے تھے، شیخ محمد کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ جو ان کے ساتھ ہی مدفون ہیں، مقالات طریقت میں آتا ہے، لیکن کتابوں میں ان کو منقطع العقب لکھا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ کے بڑے بریلوی کے نام تین خطوط میں برادر بزرگ شیخ محمد بن شاہ ولی اللہ صاحب کا سلام لکھا ہے، ان میں کہیں برادر صاحب بزرگ شیخ محمد صاحب اور کسی خط میں ”الشیخ الکبیر محمد“ کے نام سے سلام لکھا ہے، ان خطوط سے بھائیوں کی باہمی مودت و تعلق کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

دوسرا عقد

شاہ صاحب کا دوسرا عقد پہلی الہیہ کی وفات کے بعد سید ثناء اللہ سونی پتی کی

۱۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ چند ہی دنوں کے بعد میری ہونے والی خوشدامن نے انتقال کیا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کی نانی نے پھر میرے چچا زاد بھائی شاہ فخر العالم نے پھر میری پہلی والدہ (برادر صلاح الدین کی ماں) نے انتقال کیا۔ ۲۔ نزہۃ النوا طرہج ۶ ۳۔ ایضاً ۴۔ الارشاد فی مہمات الاسناد

صاحبزادی بی بی ارادت سے ہوا جو سونی پت کے رہنے والے تھے اور سید ناصر الدین شہید سونی پتی کی اولاد میں تھے، ان زوجہ محترمہ سے آپ کے چاروں نامور صاحبزادے (حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر و شاہ عبدالغنی) تولد ہوئے، جو ہندوستان میں

لے سید ناصر الدین شہید کا تذکرہ کتاب قصر عارفان تالیف مولوی احمد علی خیر آبادی میں (جو ڈاکٹر محمد باقر کے اہتمام میں ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی ہے) ۲۸۰-۲۹۰ میں ملتا ہے، مصنف نے ان کو امام باقر بن امام زین العابدینؑ کا فرزند اور امام جعفر صادقؑ کا بھائی لکھا ہے، مصنف نے ان کا سفر شہر واسطہ سے خراسان اور خراسان سے غزنی پھر غزنی سے چھٹا سٹھ سواروں کے ساتھ (جن کے مصنف نے نام بھی دیئے ہیں) قنوج کی طرف رخ کرنے کا حال لکھا ہے، مصنف کے بیان کے مطابق ۱۴۶ھ میں ان کا سونی پت میں ورود ہوا یہ سلطان شہاب الدین غوری کا زمانہ اور امیر الممالک نصیر الدین کی حکومت کا دور تھا، حاکم دیار ارجن دیو نے عربی گھوڑوں کی خریداری کی مہینہ کش کی جس کو امام نے قبول نہیں کیا، بعد میں گفتگو نے طول کھینچا اور جنگ کی نوبت آئی، امام کے رفقاء نے ارجن دیو کو شکست دی لیکن اس کے بھائی ہرہر دیو کے مقابلہ میں ۱۲ محرم ۴۷۰ھ میں امام عالی مقام نے اپنے رفقاء جاں نثار کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ بیان اور ۱۴۷ھ میں فائدان اہل بیت کے کسی فرد جلیل کا شمالی ہند کے مقام سونی پت تک پہنچنا اور شہادت حاصل کرنا درایت اور تاریخی مسلمات کے خلاف ہے کہ مسلمان جو صلہ مندوں اور غازیوں کی رسائی اس وقت تک سندھ و ملتان کے آگے نہیں لہتی، اس وقت تک اسلامی حکومت سندھ و ملتان سے آگے بڑھنے پائی تھی، منصورہ تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کی ابتدا میں اسلامی سلطنت کا مرکز بنا، خود محمود غزنوی ۳۸۰ھ میں اورنگ نشین ہوا، اس کا پہلا حملہ ہندوستان ۳۹۱ھ میں ہوا، جہاں تک شہاب الدین محمد غوری کا تعلق ہے جس کے عہد میں امام ناصر الدین کی مہم بتائی جاتی ہے، اس نے ۴۲۰ھ میں پہلی مرتبہ ہندوستان کا رخ کیا، اور ۴۸۰ھ میں پرتھوی راج کو مکمل شکست دے کر ہندوستان میں مستقل حکومت قائم کی، مزید یہ کہ امام محمد باقر کے صاحبزادوں میں کسی کا نام کتب انساب میں امام ناصر الدین نہیں ملتا، بعض مرتبین شجرہ نے ان کو امام کی بائیسویں پشت میں دکھایا ہے، اس لئے مصنف "قصر عارفان" کا بیان واقعات و مسلمات (باقی صفحہ پر)

دین کی نشاۃ ثانیہ کے "ارکان اربعہ" ہیں "رحمہم اللہ تعالیٰ" اور ایک صاحبزادی امۃ العزیز بھی پیدا ہوئیں، ان کا عقد مولوی محمد فائق ابن مولانا محمد عاشق پھلتی سے ہوا، وہ صاحب اولاد تھیں، ان کا سلسلہ جاری رہا۔

سفر حج

شاہ صاحب کی علمی، فکری اور دعوتی و تجدیدی زندگی میں حجاز مقدس کا سفر اور قیام ایک تاریخ ساز واقعہ اور ان کی کتاب زندگی کا ایک نیا باب اور حد فاصل ہے، حجاز کے اسی طویل قیام میں جو ایک سال سے زیادہ رہا، ان کے ملکات ذہنی و علمی نے ارتقاء کے وہ منازل طے کئے جو بظاہر ہندوستان میں ممکن نہ تھے، اور اس کے لئے حرمین ہی جیسی مرکزی و عالمی جگہ درکار تھی، اسی سفر میں انھوں نے علم حدیث کا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا، اور اس کے شیوخ کا ملین سے جو دیار و امصار سے وہاں جمع ہوئے تھے، اس فن شریف کی تکمیل کی، جو ان کی تجدید و اصلاح کے ایوان بلند میں حجاز الزاویہ (کوئٹہ کے پتھر) کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس سے وہ تحقیق و اجتہاد کے اس مقام پر پہنچے جس پر ان آخری صدیوں میں کم لوگ (اور جہاں تک مقاصد و اسرار شریعت اور تطبیق بین الفقہ و الحدیث کا تعلق ہے) کئی صدیوں سے کوئی نہیں پہنچا تھا۔

(باقی ص ۱۰۷ کا) کے خلاف اور مشہور تاریخ سے کھلا تعناد رکھتا ہے، اور قابل اعتبار نہیں، البتہ امام ناصر الدین کی شہادت (جس کے سنہ کا تعین مشکل ہے) ایک تاریخی حقیقت ہے، جو تو اتر کے ساتھ اس جواریں چلی رہی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کی اس خاندان والا شان سے قرابتیں قدیم سے چلی آرہی تھیں اور آپ کی دوسری شادی جیسا کہ اوپر گذرا اسی خاندان میں ہوئی۔

سفر حج کے وقت شاہ صاحبؒ کی عمر تیس سال تھی، اس وقت کے سیاسی حالات راستوں کے امن و امان کی کیفیت، بعض غیر ملکی طاقتوں کے تسلط، برسی اور بحری خطرات اور قزاقی کے پیش نظر یہ سفر ان کی عالی ہمتی، شوق علم اور حرمین شریفین سے قلبی وابستگی کی روشن دلیل ہے، نیز ان کی حمیت اسلامی، دور بینی و بلند نگاہی پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہندوستان میں حفاظت دین اور ملت اسلامیہ ہندوستان کے عروج و استقلال کے لئے ان کی نگاہ ہندوستان ہی کے حالات کے مطالعہ اور وہیں اس کی تدبیر و علاج کی تلاش میں محدود نہیں تھی، وہ قرآن مجید کے اشارہ مبیع "لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ" پر عمل کر کے عالم اسلام کے اس قلب و مرکز اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے و فود الاسلام و ضیوف الرحمن کے علوم و معارف، عقول و اذہان اور تجربات و مساعی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

اس وقت سورت ہندوستان کی بندرگاہ اور باب مکہ تھا، راستہ کے مقامات بالخصوص مالوہ و گجرات مرہٹوں کی غارت گری اور استحصال کی آماج گاہ بنے ہوئے تھے، شمالی ہند سے جنوبی ہند تک کے اس طویل راستہ کو اس وقت کی سواریوں، پہیلیوں اور اونٹ گاڑیوں سے طے کرنا آسان نہ تھا، بحر ہند اور بحر احمر کے تمام سواحل، پرتگیزی و ہندی (ڈچ) قزاقوں اور

لے القول الجلی سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ اس سفر حج سے پہلے جو مکمل ہوا، ایک مرتبہ بیس سال کی عمر میں اچانک سفر کا ارادہ اور ہجرت کا عزم فرمایا تھا، اور مخفی طور پر بے زاد و راحلہ کوچ فرمایا، جب ساحل سمندر پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ جہاز روانہ ہو چکے ہیں، اب کوئی جہاز باقی نہیں، مجبوراً شہر کھبات میں قیام فرمایا، ایک مرتبہ مراقبہ میں ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ دل سفر سے سرد ہو گیا، اور واپسی کا فیصلہ فرمایا، اس میں کچھ بار گاہ رسالت پناہ کا اشارہ بھی شامل تھا۔ (القول الجلی نسخہ مخطوطہ خانقاہ کاظمیہ قلندر، کاکوری) ۲۸- الحج

۳ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ سفر میں راجپوتانہ سے بھی گزرے تھے۔

فرنج و انگریز، ملک گیروں کے بحری حملوں کے خطرہ سے محفوظ نہ تھے، حجاج کی ان مصیبتوں اور حوادث کی تفصیل اس وقت کے سفرناموں میں (جو بہت کم مرتب و محفوظ رہ سکے ہیں) دیکھی جاسکتی ہے، خود ہندوستان کے راستہ کا حال یہ تھا کہ رات کو اگر کوئی ساکنی کسی گاؤں یا آبادی میں چھوٹ جاتا تھا تو شاہ صاحب یا بدیع العجائب یا بدیع العجائب کا وظیفہ شروع کر دیتے تھے۔

سورت سے جدہ پینتالیس روز میں پہنچنا ہوا، ۱۵ ذیقعدہ کو داخل مکہ معظمہ ہوئے، علماء اور طلبہ کی درخواست پر مسجد حرام میں مصلے حنفی کے پاس درس شروع کیا، جس میں بہت ہیوم^۱ ہوا۔ شاہ صاحب "الجزء اللطیف" میں لکھتے ہیں کہ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے شوق کا غلبہ ہوا، ۱۱۴۳ھ کے آخر (ذی الحجہ) میں حج سے مشرف ہوا، ۱۱۴۴ھ تک بیت اللہ کی مجاورت کی، اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوا، شیخ ابوطاہر مدنی اور دوسرے مشائخ حرمین سے حدیث کی روایت کی، علماء حرمین سے مجالس رہیں، شیخ ابوطاہر مدنی نے خرقہ پہنایا، جو غالباً صوفیہ کے تمام خرقوں کا جامع ہے، اس سال ۱۱۴۴ھ کے اختتام پر دوبارہ مناسک حج ادا کئے، اور ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان روانہ ہوا، اور ۱۱ رجب ۱۱۴۵ھ کو جمعہ کے دن صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے مستقر (دہلی) پر پہنچا۔

شاہ صاحب کے مشائخ و اساتذہ حرمین

شاہ صاحب نے مشائخ و اساتذہ حرمین کے تعارف اور تذکرہ میں مستقل رسالہ "الانسان العین فی مشائخ الحرمین" تصنیف فرمایا، اس رسالہ میں اپنے شیخ خاص اور اپنے محسن و محبوب استاد شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی کا قدرے تفصیل سے تعارف کرایا، چونکہ

خصوصی اساتذہ و مشائخ کی عالی استعداد تلامذہ پر گہری چھاپ ہوتی ہے اور ان کے رجحانات و تحقیقات کا ان شاگردانِ رشید پر انقلاب انگیز اثر ہوتا ہے اس لئے ان کا قدرے تفصیل ہی کے ساتھ تذکرہ مناسب ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم نے اپنے والد شیخ ابراہیم الکروبی سے علمِ احادیث کی تحصیل کی اس کے بعد شیخ حسن عجمی[ؒ] سے زیادہ تر استفادہ کیا، اس کے بعد احمد نخلی، شیخ عبداللہ بصری سے شائعِ نبوی، اور مسند امام احمد دو مہینے سے کم میں پڑھی، حرمین میں آنے والے علماء سے استفادہ کرتے رہے، شیخ عبداللہ لاہوری سے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتابوں کی روایت کی اجازت پائی، شیخ سعید کوکبی سے بعض کتب عربیہ اور فتح الباری کا ایک ربع پڑھا۔

”ایمانِ ابجدی“ میں علامہ محسن بن یحییٰ ترمذی نے لکھا ہے کہ شیخ ابوطاہر کہا کرتے تھے کہ شیخ ولی اللہ مجھ سے لفظ کی سند لیتے ہیں، اور میں ان سے حدیث کے مطالب میں استفادہ کرتا ہوں اپنی اجازت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

شیخ ابوطاہر (محدث کبیر ہونے کے باوجود) صوفیہ کے بڑے معتقد اور ان پر تنقید کرنے سے محترز تھے، شاہ صفا فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابوطاہر سے رخصت ہونے گیا تو انھوں نے یہ شعر پڑھا۔

لستُ كل طريق كنت أعرف إلا طريقاً يؤدِّي لربِّه

(میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوائے اس راستہ کے جو آپ کے گھر تک پہنچاتا ہے)

۱۔ شاہ صاحب نے ”انسان العین“ میں ان کا لقب عجیب لکھا ہے جو غالباً طباعت کی غلطی ہے، تذکرہ کی عام کتابوں میں ان کو العجمی (تصغیر کے ساتھ) یاد کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو زر کلی کی الاعلام جلد ۲ ص ۲۲۳) ۲۔ انسان العین ص ۲۱

۳۔ ایمانِ ابجدی فی اسانید الشیخ عبد الغنی، مجموعہ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، بجاثر مطبوعہ دارالاشیاء والتدریس، دیوبند

یہی جواب شاہ صاحب کا بھی تھا، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے لگے تو استاد محترم سے عرض کیا اور وہ یسین کر خوش ہوئے کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا، سوائے علم دین و حدیث کے۔

شاہ صاحب کی بعد کی زندگی اور مشاغل نے جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئیگی اس کی تصدیق کر دی کہ انھوں نے جو کچھ کہا تھا اس کو کر کے دکھا دیا۔ *مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ* (سورۃ الاحزاب - ۲۳)

رمضان ۱۱۲۵ھ میں شیخ ابوطاہر نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، گویا شاہ صاحب کی مدینہ طیبہ سے روانگی کے کچھ عرصہ اور ان کے دہلی پہنچنے کے ڈیڑھ دو مہینے بعد ان کی وفات ہوئی، اور شاہ صاحب کی آمد ہندوستان کے بعد ان کو افادہ و تربیت کا بہت مختصر وقت ملا۔ *وَذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ*

ان کے تذکرہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے والد شیخ ابراہیم کو رانی امام ابن تیمیہ کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے، علامہ سید نعمان خیر الدین آلوسی بغدادی اپنی مشہور کتاب *جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین* میں لکھتے ہیں :-

وكان سلفي العقيدة ذاباً عن	وہ سلفی العقیدہ تھے، شیخ اسلام ابن تیمیہ
شیخ الاسلام ابن تیمیہ وکذا	کی طرف سے مدافعت کرتے تھے،
یذب عما وقع فی کلمات	اسی طرح سے ان صوفیہ کے ان الفاظ
الصوفیة مما ظاہرة الحلول	کی تاویل کرتے تھے، جن سے ظاہر طور پر

۱۔ ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز ص ۹۳ ۲۔ انسان العین ص ۱۲۱

۳۔ ولادت ۱۱۲۵ھ و وفات ۱۱۲۵ھ شیخ ابراہیم انسی سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔

ہوتا تھا۔

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی کتابوں سے تعارف ان کی حمایت و مدافعت کا جو اظہار شاہ صاحب کی تحریروں سے ہوا، نیز اس تطبیقی رجحان میں جو شاہ صاحب کی خاندانی روایت و وراثت تھی، شیخ ابوطاہر کی گفتگو کا بھی اثر اور حصہ ہوگا، جس کا رجحان انھوں نے اپنے والد ماجد شیخ ابراہیم کورانی سے وراثتاً پایا ہوگا۔

شاہ صاحب کے دوسرے شیخ جن سے شاہ صاحب کو اجازت حاصل ہوئی، شیخ تاج الدین قلمی حنفی مفتی مکہ تھے، حدیث میں ان کی اکثر تعلیم شیخ عبداللہ بن سالم مصری سے ہوئی، صحیحین شیخ عجمی سے پڑھی، اور ان سے اجازت مطلقہ حاصل ہوئی، ان کو شیخ احمد نخعی وغیرہ سے بھی اجازت ہے، شاہ صاحب نے تین روزانہ کے درس بخاری میں شرکت کی، کتب ستہ کے اطراف اور مؤطا کا ایک حصہ، مسند دارمی، امام محمد کی کتاب الآثار اور مؤطا ان سے سنی، شیخ نے ان سب کتابوں کی اہل مجلس کو اجازت دی، شاہ صاحب بھی شریک تھے، شاہ صاحب نے حدیث مسلسل بالاولیۃ بھی ان سے سنی ہے۔

شاہ صاحب نے حافظ حدیث اور جامع کمالات شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کے (جو نسخہ بتونیمہ کے مالک تھے) اور اس کو استنبول سے حرین میں لائے تھے، اور جمہور اہل حرین کے استاد تھے) صاحبزادہ شیخ محمد وفدا اللہ سے بھی اپنے والد کی تمام مرویات کی اجازت حاصل کی، اس کے علاوہ مؤطا یحییٰ بن یحییٰ کا ملا ان سے پڑھی اور اس کی اجازت لی۔

شاہ صاحب زمانہ تعلیم ہندوستان میں اپنے زمانہ کے امام حدیث شیخ محمد فضل سیالکوٹی کے درس میں بھی شریک ہوئے تھے، جنہوں نے حدیث کی سند شیخ سالم بن عبد اللہ بصری سے حاصل کی تھی اور ان سے حدیث پڑھی تھی وہ شیخ عبد الاحد ابن خواجہ محمد سعید سرہندی کے بھی شاگرد تھے، غازی الدین خاں کے مدرسہ میں دہلی میں حدیث کا درس دیتے تھے، حضرت مرزا منظر جان جاناں نے حدیث دسکونوں میں ان سے استفادہ کیا۔
اس سفر میں آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ بامہوی اور ماموں زاد بھائی شیخ محمد عاشق پھلتی (مصنف القول الجلی) بھی ساتھ تھے، شاہ صاحب نے اپنی والدہ ماجدہ کی خبر و فاقہ اسی سفر میں واپسی پر مکہ معظمہ میں سنی۔

شاہ صاحب کے لئے فن حدیث کے خصوصی ذوق، حرمین میں اس کی تدریس و اشاعت کے آسان مواقع اور وہاں بیٹھ کر مختلف ممالک سے آنے والے طالبین علم اور علماء کو استفادہ کرنے کا امکان، پھر مجاورت بیت اور جوار نبوی کی برکت و سعادت اور ہندوستان کے غیر یقینی حالات، سلطنت اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدم، اور غیر ملکی طاقتوں کے روز افزوں تسلط کا علم، حجاز میں مستقل قیام و ہجرت کی نیت کے قوی اسباب و محرکات تھے اور نہ صرف اس کے جواز کے دلائل بلکہ دینی و علمی مصالح کی تائید بھی فراہم کرتے تھے، لیکن آپ نے ہندوستان کی واپسی کا وہ فیصلہ کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے وہ خیر بقدر فرما رکھی تھی، جس کا آپ کے تجدیدی و اجتہادی کارنامہ میں ظہور ہوا، اور اس بشارت نبوی کا تحقق جو آپ کو مدینہ طیبہ کے قیام میں حاصل ہوئی تھی۔

إِنَّ مَرَادَ الْحَقِّ فِينَا أَنْ نَجْمَعُ خَدَاكَ ارَادَهُ هُوَ چکا ہے کہ تمہارے

لے ترمیم الخواطر ج ۶ ص ۱۱۳ ایضاً ۳ القول الجلی (قلی)

شملہ من شملی الأمتہ المرحومۃ ذریعہ امت مرحومہ کی ایک خاص
بدلہ۔
شیرازہ بندی ہو۔

شاہ صاحب کے نہ صرف اپنے بارے میں، بلکہ اپنے خواص اصحاب کے بارے میں بھی
رجحان ہی تھا کہ وہ ہندوستان کو اپنی سرگرمیوں اور علمی و دینی خدمات کا مرکز بنائیں،
جس ملک پر ان کے اسلاف نے اپنی بہترین علمی و دینی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کیں
اور جس نے ہر دور میں محقق و عارف پیدا کئے، اور اس کو مستقبل میں علم حدیث، اور دوسرے
علوم دینیہ کا مرکز بنانا تھا، آپ کے ایک تلمیذ خاص مخدوم معین الدین سندھی نے حجاز
جا کر جب وہیں رہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا، تو شاہ صاحب نے ان کو اس سے منع کیا
اور لکھا:-

أما عزم ترك الرجوع إلى جہان تک طن کی طرف مراجعت
الوطن فلا تستبدّ وابهتتی نہ کرنے کے ارادہ کا تعلق ہے تو ابھی
بیشرح اللہ صدر کم اوصدر اس بارے میں قطعی فیصلہ اور اس پر
رجل لأجلکم۔ اصرار نہ کیجئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
آپ کا یا آپ کے کسی خاص تعلق
والے کا مشرح صدر نہ فرما دے۔

شاہ صاحب کا درس حدیث

شاہ صاحب نے حجاز سے واپس آنے کے بعد اپنے والد صاحب کے مدرسہ رحیمہ میں

۱۰ فیوض الحرمین، مطبعہ احمدی، دہلی ۶۲ ۱۰۰ حیات دہلی (مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب)

المکتوب العاشر ۵۳۶ طبع مطبعہ مطبعہ لاہور۔

جو اس وقت پرانی دہلی میں اس محلہ میں جواب منہدیاں کہلاتا ہے، واقع تھا، درس شروع کر دیا لیکن چند ہی دنوں میں اطراف و اکناف سے طلباء کھنچ کھنچ کر پہنچنے لگے، اس وقت یہ جگہ ناکافی ثابت ہوئی، الشرفعلی نے یہ سعادت (بہت سی بے توفیقیوں اور کمزوریوں کے ساتھ) محمد شاہ بادشاہ کے مقدس رکھی تھی، اس نے شاہ صاحب کو شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر شہر میں بلایا، اور آپ نے وہاں درس شروع کر دیا، مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں:-

”یہ مدرسہ کہلاتے ہیں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم
بجھا جاتا تھا، قدر تک وہ اپنی اصلی حالت پر قائم تھا، غدر میں مکانات لوٹ
لئے گئے، کڑی تخته تک لوگ اٹھالے گئے،“

مولوی صاحب مزید لکھتے ہیں:-

”اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب
کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ایک جگہ اس مدرسہ کی مسجد کا تذکرہ ہے،
شاہ صاحب نے فرمایا:-

درآں ہنگام بزرگان بسیار و اولیاء	(میری ولادت کے وقت) بہت سے
بسیار از یاران والد ماجد شہ شاہ	بزرگان و اولیاء جو والد ماجد کے احباب
محمد عاشق و مولوی نور محمد وغیرہ متکلف	و خواص میں سے تھے، مثلاً شاہ محمد عاشق
مسجد ہذا می بودند۔ ^{۵۲}	و مولوی نور محمد وغیرہ اس مسجد میں متکلف ہوا کرتے تھے۔

۵۲ دارالحکومت دہلی، جلد ۲ ص ۲۸۶ مؤلف مولوی بشیر الدین۔

۵۳ ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحب (فارسی) ص ۱۰۹ مطبع مجتبیٰ، میرٹھ

مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مصنف "نزہۃ الخواطر" نے ۱۳۱۲ھ میں دہلی اور اس کے اطراف کا سفر کیا تھا، ۲۶ رجب کے روز نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"میاں سید نذیر حسین صاحب کے درس سے آنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ حضرت مولانا مولوی النکل، مقتداۓ ارباب تمیز شاہ عبدالعزیز صاحب ریح الشریعہ کے مدرسہ کی زیارت کروں جس میں ہمارے بزرگوں نے یکے بعد دیگرے استفادہ کیا ہے اور جس کی خاکروبی کو فخر و سعادت سمجھا ہے، یہاں سے جامع مسجد اور اس کے آگے چلی قبر تک گیا، چلی قبر سے دور راستے ہیں، ایک داہنے ہاتھ کو وہ سیدھا خانقاہ کو گیا ہے، دوسرا بائیں ہاتھ کو اس راستہ پر بہت دور تک چلا گیا، آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ کو کوچہ فولاد خاں کو سڑک گئی ہے، وہ سیدھی کلاں محل تک چلی گئی ہے، کلاں محل میں ہمارے شیخ المشائخ مولانا و مقتدا نارحمہ اللہ تعالیٰ کا مدرسہ ہے اس کی حالت کو دیکھ کر "خَاوِیۃٌ عَلٰی عُرْوۃِ شَہَاہ" قَالَ اَلٰی یُحْسٰی ہٰذِیۃُ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِہَا" کی آیت یاد آئی، اللہ اللہ کیا کارخانہ قدرت کی نیرنگیاں ہیں، ایک وہ دن تھا کہ عرب و عجم کے لوگ اس مدرسہ میں رہتے تھے اور فائدہ حاصل کرتے تھے اور آج اس کی یہ حالت ہے کہ ویران اور خراب پڑا ہے، کوئی رہنے والا نہیں ہے۔"

پھر اسی خاندان کی ایک یادگار مولوی سید ظہیر الدین احمد صاحب کی روایت نقل کی جاے۔

۱۔ اس جگہ مولانا نے اپنے خاندان حسنی قطبی کے متعدد بزرگوں کے نام لکھے ہیں، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے وقت سے حضرت شاہ عبدالعزیز کے وقت تک یہاں آتے اور استفادہ کرتے رہے۔

۲۔ اس سے مراد حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ ہے، اس محلہ کو اب شاہ ابوالخیر مارگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

منہدیوں میں جہاں ان حضرات کے مزار ہیں، وہاں مدرسہ بھی تھا، شاہ عبدالرحیم صاحب کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے شہر میں تشریف لائے یہ مدرسہ ان کو دیا گیا اور وہ یہیں رہ پڑے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صفا کی زبانی حضرت شاہ صفا کے بعض خصائص و معمولات

افسوس ہے کہ کوئی معاصر تذکرہ، سفرنامہ یا روزنامہ ایسا سامنے نہیں ہے جس سے شاہ صفا کے خصائص و معمولات، نظام الاوقات اور نشست و برخاست کے حالات تفصیل سے معلوم ہوں۔ ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (فارسی) میں کہیں کہیں کچھ اشارے آئے ہیں۔ فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد کا جیسا قوی الحفظ نہیں دیکھا، سنے کا انکار تو نہیں کر سکتا، لیکن مشاہدہ میں نہیں آیا، علوم و کمالات کے اسوا ضبط اوقات میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، اشراق کے بعد جو نشست رکھتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجائے نہ تھوکتے، ہر فن میں ایک آدمی کو تیار کر دیا تھا، اس فن کے طالب کو اسی کے سپرد فرماتے، اور خود بیان حقائق و معارف اور ان کی تدوین و تحریر میں مصروف رہتے، حدیث کا مطالعہ اور درس فرماتے تھے، جس چیز کا کشف ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بہت کم ہوتے تھے، جلد بزرگوار اور عم محترم (جو طبیب بھی تھے) لوگوں کا علاج کرتے تھے والد صفا نے اس شغل کو موقوف کیا، البتہ طب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، طبیعت میں بچپن سے لطافت و لطافت تھی، اشعار صوفیانہ کم پڑھتے، کبھی کبھی ضرور کوئی شعر پڑھتے۔

۱۔ دہلی اور اس کے اطراف "مطبوعہ النجمن ترقی اردو ص ۶۷" ۲۔ کتاب کے طابع و ناشر محمد بشیر الدین صدیقی صاحب

کو جامع ملفوظات کا مسودہ کی بوسیدگی و کرم خوردگی کی وجہ سے نام نہیں معلوم ہو سکا، لیکن کتاب میں ایسی داخلی

شہادتیں موجود ہیں کہ ان ملفوظات کی نسبت میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ۳۔ ملفوظات ص ۱۱

۴۔ ایضاً ص ۲۳ ۵۔ ایضاً ص ۲۴ ۶۔ ایضاً ص ۲۵

وفات

بالآخر اس بیش قیمت و بابرکت مدت حیات کے جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید اور احیاء سنت، قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت، تعلیم و تربیت، یاد الہی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی فکر میں مصروف تھا، خاتمہ بالخیر کا دن آ گیا جس سے ”کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ کے اعلان و وعدہ کے مطابق نہ کوئی فی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی نہ مجدد نہ مجاہد، اللہ شروع ہوا تھا، محرم کی آخری تاریخ تھی کہ یوم موعود آپہونچا، اور حضرت شاہ صاحب نے مختصر علالت کے بعد بائیس سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہا، اور جان جان آفریں کے سپرد کی۔

چیت ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار

دوست رسد نزد دوست یار بہ نزدیک یار

کسی تذکرہ میں علالت اور واقعہ وفات کی تفصیلات نہیں ملتی، ناچیز مصنف کے لئے یہ بات قابل فخر و شکر ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ معلومات و تفصیلات ملتی ہیں ان کا واحد ذریعہ رائے بریلی کے سادات حسنی قطبی اور خاندان علم اللہی کے ایک ممتاز فرد سید محمد نعمان حسنی کا مکتوب ہے، جو انھوں نے اسی خاندان کے دوسرے بزرگ و نامور فرد حضرت شاہ سید ابوسعید کے نام شاہ صفا کی وفات کے عین بعد وہلی سے لکھا تھا، کاتب حضرت سید محمد نعمان مجاہد کبیر

لے آل عمران ۱۸۵ھ مفوظ شاہ عبدالعزیز اردو میں شاہ صفا کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ عمر شریف اکٹھ برس چار ماہ کی ہوئی، جو تھی سوال ۱۸۳ھ کو پیدا ہوئے اور اتیسویں محرم ۱۸۳ھ کو وفات پائی، وفاق کی تاریخ امام اعظم دین ہے (مفوظات ص ۱۵ مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ) سید محمد نعمان حضرت شاہ علم اللہ کے پوتے ہیں ان کا شجرہ اس طرح ہے، نعمان بن نور بن ہدی بن علم اللہ حسنی حسینی خاندان کے وطن قدیم نصیر آباد ضلع رائے بریلی میں ولادت ہوئی، کچھ عرصہ مقامی علماء سے تعلیم حاصل کی پھر لکھنؤ جا کر مولانا عبداللہ ایچوٹی دریا کی تکمیل کی پہلے حضرت شاہ علم اللہ کے عالی نسبت صاحبزادہ حضرت سید محمد سے بیعت تربیت حاصل کی (باقی صفحہ ۱۱۹ پر)

حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی چچا اور مکتوب الیہ (حضرت شاہ سید ابوسعیدؒ) حضرت سید رضاؒ کے حقیقی نانا تھے، حضرت شاہ ابوسعیدؒ شاہ صاحب کے مریدین اور اصحاب باختصاص ہیں تھے، جن کے نام شاہ صاحب کے خود متعدد مکاتیب موجود ہیں، یہ خط بحسنہ فاندانی مجموعہ مکاتیب مکتوب المعارف (قلمی) سے نقل کیا جاتا ہے۔

الحمد لله على النعماء والرضاء	باسمہ سبحانہ تعالیٰ شانہ۔ اللہ تعالیٰ
على القضاء والصبر على المصيبة	کا شکر ہے اس کی نعمتوں اور تقدیر
والبلاء والملاحة والسلام على	پر راضی رہنے اور بلاؤں و مصیبت میں
سيد الشاكرين ونيداة الراضين	صبر کی توفیق پر صلوة و سلام ہو سید
وقدوة الصابرين شفيح المذنبين	اشاكرين وزبدة الراضين قدوة
ورحمة للعالمين محمد وآله وصحبه	الصابرين، شفيح المذنبين اور رحمة للعالمين
الطيبين الطاهرين وعلى ورثته	محمد رسول اللہ اور ان کی آل و اصحاب
العلماء الراغبين والاولياء	پر جو طیب طاہر تھے اور آپ کے وارث
المُرشدین إلى يوم الدين	علمائے راسخین اور اولیائے مرشدین پر
بعد هذا اگر شرح سوگواری و بیان	قیامت تک اس کے بعد عرض ہے کہ

باقی ص ۱۱۸ کا) ان کے انتقال کے بعد ان کے عالی مرتبت صاحبزادہ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ اہل حق سے استفادہ اور اخذ فیض کیا ان کے انتقال کے بعد رخت سفر باندھا اور حضرت شاہ علم اللہ کے خلفا نامدار اور حضرت شاہ ولی اللہ سے فیوض و برکت حاصل کئے، خوش قسمتی سے حضرت شاہ صاحب کی وفات کے وقت موجود دوران کی توہپتا خاصہ سے محفوظ تھے شاہ صاحب کی وفات کے بعد فرج اختیار کیا حج و زیار کے بعد بیت المقدس اور مدینہ انجیل (حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مسکن و مدفن) کا رخ کیا راستہ میں وقت موجود آپہنچا، اور سرزمین انبیاء بیت المقدس میں مدفون ہوئے، یہ واقعہ ۱۱۹۳ھ کا ہے (زبدۃ الخواطر ص ۶۵)

عزای و ماتم داری واقعہ ارتحال امام
 سنت و جماعت و مقتدای ارباب کرامت
 پیشوای عرفاء زمان سرآمد اولیاء جہان
 قطب عالمی محبوب سبحانی سیدنا و مرشدنا
 ولی الشرفاروقی مجدد مائۃ دوم الف ثانی
 رضی اللہ عنہ ازین عالم پر لال بصوب
 دارالافصال بوصول ذوالجلال بر صفحہ
 روزگار ثبت یا بدہر آئینہ مانند حال ما غریبا
 غمزدگان سزدہ

امام اہل سنت و جماعت مقتدائے
 ارباب کرامت، پیشوائے عرفائے
 زمان، سرآمد اولیائے جہاں
 قطب زمانی، محبوب سبحانی سیدنا
 و مرشدنا شاہ ولی الشرفاروقی
 مجدد قرن دوازدهم رضی اللہ عنہ
 کے واقعہ ارتحال کی تفصیل اگر
 صفحہ روزگار پر ثبت ہو تو ہم مسکینوں
 کے حسب حال ہے

چہ بخاطر رسید یا مرا
 کہ بہجراں کشید کار مرا
 دامصیبتاہ! اللہ تعالیٰ کی عجیب
 شان بے نیازی ہے کہ ایسے مقتدی کی
 روح کو صرف ۶۲ سال کی مختصر عمر میں
 "ارْجِعْنِي اِلٰی رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً"

(الفجر - ۲۸) دادند و اصحاب بدع
 ضلال راعشرت آگین نمودند و اصحاب
 دین را اندوہ گیس کردند یعنی بتاریخ
 سلخ محرم الحرام ۱۱۶۷ھ یک ہزار

چہ بخاطر رسید یا مرا
 کہ بہجراں کشید کار مرا
 دامصیبتاہ! اللہ تعالیٰ کی عجیب
 شان بے نیازی ہے کہ ایسے مقتدی کی
 روح کو صرف ۶۲ سال کی مختصر عمر میں
 "ارْجِعْنِي اِلٰی رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً"

(الفجر - ۲۸) کی پکار سادی گئی اور اہل
 بدعت و ضلالت کو خوش اور دیندار
 کو اندوہ گیس کر دیا گیا یعنی محرم کی آخری
 تاریخ ۱۱۶۷ھ شنبہ کے دن ظہر کے

و یکصد و ہفتاد و شش یوم السبت
 وقت الظہر یا مردائی برحق روح مظهر
 آنحضرت از قالب عنصری مفارقت
 نمودہ با روح علییین نشین ساختہ
 و بمقتضائی "وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِیْنَ
 مِنَ الْأُولٰٓئِہٖ وَلَسَوْفَ يُعْطٰیكَ
 رَبُّكَ فَتَرْضٰی" (الضحیٰ - ۵۱، ۵۲)
 امی لقاء رفیق اعلیٰ دران پروا ختم
 اما حالت تمام اصحاب و اصحاب
 از مفارقت آنجناب چنان تباہ و
 خراب بود کہ از حیز تحریر سیر و نست
 یقینیکہ استیلاء و کاشمیش آلام
 برشتبان مہجوران مستہما یافتہ
 باشند رضینا بقضاء اللہ اناللہ
 وانا الیہ راجعون رحمۃ اللہ
 علیہ و علی من یجنابہ یتوسلون
 آمیم براینکہ از فضل الہی و تصدیق
 جناب حضرت رسالت پناہی
 صلے اللہ علیہ و علی آلہ جاد بہ
 وقت حق تعالیٰ کے حکم سے حضرت
 کی روح پاک نے قالب عنصری کو
 چھوڑ کر روح علییین پر اپنا نشین
 بنایا۔۔۔۔۔ تمام اصحاب و اصحاب
 کی حالت آنجناب کی فرقت سے
 ایسی تباہ و خراب تھی جو احاطہ
 تحریر سے باہر ہے اناللہ وانا
 الیہ راجعون اللہ کی رحمت
 آپ پر اور آپ کے متوسلین پر
 نازل ہو، مقصد تحریر یہ ہے کہ
 فضل الہی اور حضرت رسالت
 پناہی صلے اللہ علیہ و علی آلہ وسلم
 کے صدقے میں حضرت کی کشش
 نے اپنی ماکھینیا، ذی قعدہ کے
 مہینے میں بڑھانہ جا کر آتاں پوسی
 کی سعادت حاصل کی اور جناب
 قدسی القاب کی صحبت کے مشرف ہوا
 اور اپنے حال پر حضرت کی بلند توجہ
 میں بہت اضافہ دیکھا، وہاں سے

حضرت ایٹان علیہ الرحمۃ ابن عاصی
 رابوئی خود کشید بشہر ولقہ در بدھا
 رفتہ بتقبیل آتاشہ متبرکہ استسعاد
 یافتہ و بملازمت جناب قدسے
 القاب مشرف گردید و بر حالات خود
 توجہات عالیات پیش از پیش یافتہ
 از آنجا حضرت ایٹان بہت تداوی
 و تدابیر در ماہ ذی الحجہ تا یخ ہنم بشہر
 دہلی بمکان بابا افضل اللہ در مسجد روشن
 الدولہ بچوک سعد اللہ خاں نزول
 فرمودند از فرزندان گرامی میاں محمد صبا
 و میاں عبدالعزیز و میاں رفیع الدین
 ظلمہم العالی و میاں محمد عاشق صاحب
 و میاں اہل اللہ صاحب و میاں محمد فائق
 و میاں محمد جواد و محمد امین وغیرہ بار
 حاضر خدمت بودند و اس غلام
 و میر محمد عتیق و میر قاسم علی کہ در وقت
 آخرین شرف انتساب بیعت یافتہ
 ہر روز بشرف حضور پر نور و خدمت گاہی

حضرت دوا علیج کے سلسلے میں
 ۹۰۰ ذی الحجہ کو دہلی میں بابا افضل اللہ
 کے مکان پر مسجد روشن الدولہ کے
 احاطے میں (جو چوک سعد اللہ خاں
 میں ہے) مقیم ہوئے، فرزندان گرامی
 میں سے میاں محمد صبا، میاں عبدالعزیز
 و میاں رفیع الدین ظلمہم العالی (اور
 مریدین متعلقین میں سے) میاں
 محمد عاشق صاحب، میاں محمد فائق،
 میاں محمد جواد، اور خواجہ محمد امین وغیرہ
 احباب حاضر خدمت تھے، یہ غلام
 اور میر محمد عتیق، اور میر قاسم علی
 (جنہوں نے حضرت سے ان کے
 آخری ایام میں شرف بیعت
 حاصل کیا تھا) ہر روز حاضری
 و خدمت گزاری کی سعادت حاصل
 کرتے تھے، مشفق من ایہ آخری
 مجلسیں، عجب پر فیض مجلسیں تھیں،
 ملائکہ وار و ارح طیبہ کا برابر نزول

وسیلہ حضور در حضور سعادت اندوز
می شنیدیم مشتقا این مجلس آخری عجب
بجلیے بود فیض دلائل مہبط لاء ملکوت
و نزول ارواح طیبہ ارکان عالم ناسوت
میگردید و نفحات انس و رحمت رشتا
قدس و برکت بشال نزول غیث
می بارید اکثر یاران اہل نسبت بویگان
صحیحہ خود می دریا فتند و احسرا اہل اللہ
و عرفاء لازال در ہر زمان می باشد
اما این چنین مرد با جمعیت او صاحب حمید
اعلم کتاب سنت با جہت مطلق و در
حقائق و معارف بحر مواج و در علوم
و دیگر محض فیاض پس از صد ہا سال
بوجود می آید

محسوس ہوتا تھا، نفحات انس و رحمت
اور رشتات قدس و برکت بارش
کی طرح بہتے تھے، اکثر اہل نسبت
اجباب اپنے وجدان صحیح سے
اس کو محسوس کرتے تھے، و احسرا
اہل اللہ اور عارفین ہر زمانے
میں ہوتے ہیں، مگر ایسا مرد حقانی
جو ایک طرف او صاف حمیدہ کا
جاثم ہو دوسری طرف کتاب
و سنت کے علم میں مجتہد مطلق کا
درجہ رکھتا ہو، حقائق و معارف
کا بحر مواج اور دیگر علوم کا
دریائے فیاض ہو، کہیں صدیوں
میں پیدا ہوتا ہے

دور ہا باید کہ تا یک مرد متادل شود
بازیداند خراساں یا ہسل اندمین
یاراں را می باید کہ مصابرت و شکیبائی
ورزیدہ نسبت رابطہ حضرت شیخ را
بجای ہمت در تصور نہادہ بمراقبات
دور ہا باید کہ تا یک مرد متادل شود
بازیداند خراساں یا ہسل اندمین
یاراں را می باید کہ مصابرت و شکیبائی
ورزیدہ نسبت رابطہ حضرت شیخ را
بجای ہمت در تصور نہادہ بمراقبات

دور ہا باید کہ تا یک مرد متادل شود
بازیداند خراساں یا ہسل اندمین
یاراں را می باید کہ مصابرت و شکیبائی
ورزیدہ نسبت رابطہ حضرت شیخ را
بجای ہمت در تصور نہادہ بمراقبات

معلومہ مشغول باشند انشاء اللہ تعالیٰ
فیض صحبت و رابطہ برابر خواہد بود
مکاتیف من بعض رسائلہ
رحمۃ اللہ علیہ۔
معلومہ میں مشغول ہوں، انشاء اللہ
فیض صحبت و رابطہ برابر جاری
رہے گا جیسا کہ حضرت کے بعض
رسائل سے معلوم ہوتا ہے۔

والحمد للہ رضامندی حضرت صاحب
قدس سرہ ازاں صاحب و تو بہت عایت
بر حال ایشان زیادہ از حد بیان یافتہ
اکثر اوقات استفسار احوال سامی
میفرمود و اجرای غارتگری ایہ لیا
و درین انصاف و عین رخصت و انطفاء
یا فتن التہاب نہیب سبب قدم گرای
از زبان درفشای مودی ساختند و
تالیذ منظوم تقای آخر میں بغیر منیر بودہ
باشند مرۃ فرمودند کہ میر ابو سعید لدنہ
آمدن دارند اگر زود برسند بہتر
باشد۔
صاحب من ظاہر صحبت ایشان
ربا ستار کشیدہ تصنیفات آنحضرت
صاحب من! حضرت کی ظاہری
صحبت سے تو اب محرومی ہے،
بہتر ہو۔

لے اس میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

قریب نبود بل زیادہ در ہر علوم دین
 از تفسیر و اصول و فقہ و کلام و حدیث
 مثل حجۃ اللہ البالغہ و اسرار فقہ و منہج
 و ازالۃ الخفاء عن خلافتہ الخفاء
 و ترجمہ قرآن کہ ہر واحد قریب بہ شاد
 و نود و جز کلام مجسم خواہد بود و دیگر رسائل
 در حقائق و معارف مثل لطائف القدس
 و معات و فیوض الحرمین و انفاس
 العارفین و غیر ہم کہ نشان از صحبت
 و برکت خدمت مبد ہندی باید کہ
 عزیمت یریں آزند کہ ہر سہ را
 نویساندہ رائج نمایند باندک
 توہیات سرانجام خواہد یافت
 و مثل این چنین تصنیفات و الشر
 اعلم در اسلام تصنیف شدہ
 باشد یا نہ چنانچہ ارباب بصیرت
 عبرت یافتہ اعتراف دارند و کلام
 ایشان در ہر باب کہ نوشتہ اند
 البتہ حضرت کی تصنیفات کی تعداد
 نوشتے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے
 علوم دین یعنی تفسیر و اصول و فقہ و
 کلام اور حدیث میں حجۃ اللہ البالغہ
 اسرار فقہ منہج و ازالۃ الخفاء عن
 خلافتہ الخفاء اور ترجمہ قرآن کہ
 ان میں سے ہر ایک کی ضخامت انہی
 نوشتے جز کی ہوگی حقائق و معارف
 دیگر رسالے جیسے الطاف القدس، ہمت
 فیوض الحرمین اور انفاس العارفین
 وغیرہ جو حضرت کی صحبت و برکت کی
 نشاندہی کرتی ہیں ان کے بارے میں آپ
 ہمت کریں کہ ان سب کو لکھوا کر رائج
 کریں یہ کام تھوڑی سی توجہ سے انجام
 پا جائے گا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ
 تاریخ اسلام میں ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں
 یا نہیں جیسا کہ ارباب بصیرت ان کا
 اعتراف کرتے ہیں، حضرت نے

اصول است "اللهم ارزقنا
حلاوة منهم"

ولیقین اس فقیر و دیگر صاحبزادہا
و یاران حضرت بلا خط فرط محبت
سامی بجناب حضرت اینست کہ بجز
شدن اس حادثہ عظیمہ جہت
فاتحہ روحانیت و زیارت مرقد
مطہر را ہی این صوبہ خواہند شد
لہذا منتظر قدم ہستم اگر زود تشریف
بیارند باری بلاقات سامی سرور
الوقت شوم و اگر توقف در آمدن
باشد اعلام نمایند کہ فقیر ہم عزم
مراجعت وطن دارد۔

و دیگر آنکہ میاں محمد عاشق صاحب
بعد سلام فرمودہ اند کہ میر ابو سعید
جیورابنویںد کہ ہر مکاتیب کہ حضرت
ایشان بجانب آن صاحب شرف
صدور یافتہ باشند نقل آنہا البتہ
بفریاد کہ داخل مکاتیب نمودہ شود

جس مضمون پر بھی لکھا ہے وہ اصولی
حیثیت رکھتا ہے۔

اس فقیر اور صاحبزادگان اور حضرت
کے اجاب کو (حضرت آپ کی غایت
تعلق کو دیکھتے ہوئے) یقین ہے کہ
آپ اس حادثہ عظیمہ کی خبر سنتے ہی
فاتحہ خوانی اور مرقد مطہر کی زیارت
کے لئے دہلی کے لئے روانہ ہو جائیں گے
اسی میں منتظر قدم ہوں اگر جلد تشریف لائیں
تو ملاقات سامی میں بھی خوش وقت
ہو جاؤں گا اگر آنے میں دیر ہو تو اطلاع
فرمائیں کہ فقیر بھی وطن واپسی کا ارادہ
رکھتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ میاں محمد عاشق
صاحب نے بعد سلام کے فرمایا ہے کہ
میر ابو سعید کو لکھ دیجئے کہ آپ کے
نام حضرت کے جتنے بھی مکتوبات ہوں
ان کی نقل ضرور بھیج دین تاکہ انھیں
مکاتیب کے مجموعے میں داخل کیا جائے

از حضرت میاں اہل اللہ صاحب	حضرت میاں اہل اللہ صاحب
ودیکر یاران و صاحبزادہ اسلام اسم	دوسرے اجباب اور صاحبزادگان
باسم مطالعہ فرمائید و کیفیت ارتحال	کی طرف سے نام بہ نام سلام پہنچے
و وصال مرحومی مغفوری غفران پناہ	بھائی محمد معین کی کیفیت
بھائی محمد معین ^{رحمۃ اللہ علیہ} صاحب	ارتحال و وصال کو میں نے حضرت
رحمۃ واسعۃ بجناب عالی حضرت	سے بڑھانہ میں عرض کر دیا تھا
صاحب قبلہ در مقام بڑھانہ عرض	حضرت نے ان کی روح کو
کردم فاتحہ بروحانیت خواندند	ثواب بخشا تھا اور افسوس کا
و تاسفہا نمودند	انہار کیا تھا۔

شاہ صاحب کی وفات ۲۹ محرم ۱۱۶۶ھ بروز شنبہ (۲۱ اگست ۱۷۵۲ء) بوقت ظہر ہوئی، جیسا کہ مکتوب مذکور الصدر سے معلوم ہوا، شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظ میں ہے۔

کہ درست نہم محرم وفات یافت	۲۹ محرم کو وفات پائی، آپ کی تاریخ
..... تاریخ و قات اولو د امام اعظم	وفات اولو د امام اعظم دین اور

۱۔ یہ محمد معین بن سید محمد ضیاء بن آیت اللہ بن شاہ علم اللہ، حضرت شاہ ابوسعید صاحب کے علاقائی بھائی اور عمر میں بڑے تھے، ۱۱۶۶ھ کی کسی تاریخ میں انتقال ہوا، ان کا سلسلہ اولاد خاندان میں چل رہا ہے۔

۲۔ مکتوب المعارف (فارسی) ص ۱۹-۲۰ (ظہری)

۳۔ ترجمہ از فارسی بقلم مولوی شمس تبریز خاں صاحب۔

دیگر ہائے دل روزگار رفت“ ”ہائے دل روزگار رفت“ سے
 بست نہم محرم وقت ظہر نکلتی ہے ۲۹ محرم وقت ظہر
 وفات کا دن اور وقت تھا۔

مدفن

تدفین دلی دروازہ کے بائیں جانب اس مقام پر ہوئی، جو منہدیاں کہلاتا ہے،
 جس جگہ یہ قبرستان واقع ہے، یہاں کبھی حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے جد مادری شیخ عبدالعزیز
 شکر بار کی خاتقاہ تھی، اب بھی ان کا مزار اس سے کچھ فاصلہ پر ہے، بعد میں شیخ رفیع الدین
 صاحب نے یہیں قیام اختیار کیا، خاندان ولی اللہی کے مکانات بھی اسی جگہ تھے، شاہ ولی اللہ
 صاحب نے اس جگہ قیام ترک کر کے اندرون شاہجہان آباد قیام اختیار کیا، یہیں منہدیوں
 ۱۵ صبح ہائے ولی روزگار رفت ہے جس سے صحیح سنہ وفات نکلتا ہے (مقالہ مولوی نور الحسن راشد
 کا ندھلوی، برہان جولائی ۱۹۸۳ء) ۱۶ ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز، ص ۵۴ (مطبع مجتبیٰ
 میرٹھ ۱۳۱۲ھ) ۱۷ سرسید احمد خاں ”آثار الصنادید“ میں لکھتے ہیں۔

”یہ ایک عمارت تھی، نیچے تو مکانات اور در سے بنے ہوئے تھے اور اوپر چاروں کونوں
 پر چار برجیاں تھیں، کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ عمارت کیا چیز بنی اور کب بنی تھی اور کس بنائی
 تھی، مگر عوام الناس میں مشہور ہے کہ کوئی نواب تھے کہ جناب حضرت غوث الاعظمؒ کی منہدیاں بھرا
 کرتے ہیں یعنی کھجیوں کی ایک برجی اونچی سی بنا کر اور کاغذ سے منڈھ کر اس کو روشن کرتے ہیں۔
 ان نواب حنا کے یہاں ہی ہندی روشن ہونے کی رسم تھی جیسے اس عمار کا نام ہندیہ کے
 مشہور ہو گیا مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ نواب کون تھے جنہوں نے ہندی بنائی تھی“ (آثار الصنادید ص ۵۵)
 طبع کھنڈہ

کے قبرستان میں شاہ صاحبؒ کے چاروں صاحبزادگان خود شاہ صاحبؒ کے والد محترم
 حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی قبور میں جن پر کتبے نصب ہیں جن میں ان کے سین و وفات
 ہیں ان حضرات کے علاوہ خاندان کے دوسرے افراد ذکور و انات کی قبریں ہیں،
 متصل مسجد ہے جس کے قرب و جوار میں بہت سے علماء و صاحبین اور خاندان
 ولی اللہی کے عقیدت مندوں کی کثیر التعداد قبریں ہیں جن میں اضافہ ہی
 ہوتا جا رہا ہے۔



بایںم

شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی کارنامے
اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن

شاہ صاحب کے دائرہ تجدیدی کی وسعت اور تنوع

شاہ صاحب سے اللہ تعالیٰ نے تجدید و اصلاح امت، دین کے فہم صحیح کے احیاء، علوم نبوت کی نشر و اشاعت اور اپنے عہد و ملت کے فکر و عمل میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا جو عظیم الشان کام لیا، اس کا دائرہ ایسا وسیع اور اس کے شعبوں میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے جس کی مثال معاصر ہی نہیں، دور ماضی کے علماء و مصنفین میں بھی کم نظر آتی ہے، اس کی وجہ (توفیق اور تقدیر الہی کے ماسوا) اس عہد کے حالات کا تقاضا بھی ہو سکتا ہے، جو شاہ صاحب کے حصہ میں آیا، اور وہ جامعیت، علوئے ہمت اور مخصوص تعلیم و تربیت بھی جو شاہ صاحب کے خصائص میں سے ہے، اس سب کا نتیجہ تھا کہ شاہ صاحب نے علم و عمل کے اتنے میدانوں میں تجدید و اصلاحی کارنامے انجام دیے کہ ان کے سوانح نگار اور اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت پر قلم اٹھانے والے کے لئے، ان کا احتواء اور ان سب کا تفصیلی و تحلیلی جائزہ لینا دشوار ہو گیا ہے، اور جو اس کا ارادہ کرے اس کی زبان بے اختیار فارسی کے اس مشہور شعر کے ساتھ

شکوہ سنج ہو جاتی ہے۔

دامان نگہ تنگ و گل حُسن تو بسیار

گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

ہم ان کو اگر علیحدہ علیحدہ بیان کریں تو ان کے حسب ذیل عنوانات ہوں گے۔

۱۔ اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن۔

۲۔ حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج، اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی

۳۔ شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث و سنت کی

نقاب کشائی۔

۴۔ اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا

اثبات اور رد ورفض۔

۵۔ سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ و قائدانہ کردار۔

۶۔ امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوت اصلاح و انقلاب۔

۷۔ علمائے راسخین اور مردانِ کار کی تعلیم و تربیت جو ان کے بعد اصلاح امت اور

اشاعت دین کا کام جاری رکھیں۔

ہم سب سے پہلے اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن کے عنوان کو لیتے ہیں کہ تجدید دین

و اصلاح امت کا کام کسی دور اور کسی ملک میں بھی شروع کیا جائے تو اس کو اولیت حاصل ہوگی اور

اس کے بغیر احیائے دین و ملت کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ نقشِ بر آب اور عمارت

بے اساس ہوگی، قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات و مکالمات سے اور مستند تاریخ

نے نامیینِ انبیاء اور علماء ربانین کے طرز عمل اور ترتیب کار سے اسی حقیقت کو ثابت کیا

اور قیامت تک یہ ہر اس اصلاح و تجدید کا دستور العمل رہے گا، جس کا مزاج نبوی اور جس کا نظام قرآنی ہوگا۔

عقائد کی اہمیت

مُصنّف یہاں پر اپنی ایک سابقہ تحریر کا اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہے:-

”اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار عقیدہ پر زور اور اصرار اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء کے کرام ایک معین عقیدہ کی (جوان کو وحی کے ذریعہ ملا تھا) دعوت دیتے، اور اس کا مطالبہ کرتے رہے، اور اس کے مقابلہ میں کسی مفاہمت یا دست برداری پر تیار نہ ہوئے، ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی، اور اعلیٰ سے اعلیٰ اسلامی کردار کا حامل، نیکی و صلاح، سلامت روی اور مقبولیت کا زندہ پیکر اور مثالی مجسمہ، خواہ اس سے کسی بہتر حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود، اور کس مفید انقلاب کا ظہور ہو، اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا جب تک وہ اس عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو جس کو وہ لے کر آئے، اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے، اور جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں، یہی وہ حد فاصل، واضح اور روشن خط ہے جو انبیاء کے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت، اور قومی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں، انقلابیوں اور ہر شخص کے

لے آرجھ اس میں بڑا شبہ ہے کہ صحیح عقیدہ کی اساس کے بغیر ایسا ممکن بھی ہے۔

دریان کھینچ دیا گیا ہے جس کا سر حشرۂ فکر و نظر انبیاء کرام کی تعلیمات اور ان کی سیرتوں کے بجائے کوئی اور ہو۔

”حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ جو علمی و معارفی انسانوں تک پہنچے ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ اور ضروری و اہم علم خدا تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کا علم اور اس مخصوص تعلق کا تعین ہے، جو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان ہونا چاہئے، یہ علم سب سے برتر و افضل علم ہے، اس لئے کہ اس پر انسانوں کی سعادت و فلاح دنیوی اور نجات اخروی موقوف ہے اور یہی عقائد و اعمال اور اخلاق و تمدن کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ انسان اپنی حقیقت سے واقف ہوتا، کائنات کی پیمائی بوجھتا اور زندگی کا راز معلوم کرتا ہے، اسی سے اس عالم میں اپنی حیثیت کا تعین کرتا، اور اس کی بنیاد پر اپنے ہم جنسوں کے اپنے تعلقات استوار کرتا ہے، اور اپنے مسلک زندگی کے بارے میں فیصلہ اور پورے اعتماد و بصیرت اور وضاحت کے ساتھ اپنے مقاصد کا تعین کرتا ہے۔“

خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اس امت کے ساتھ جو خصوصی رابطہ اور تائید و نصرت، رضا و محبت اور غلبہ و عزت کا جو مؤکد وعدہ ہے، وہ محض عقائد صحیحہ، ایمانی صفات و خصوصیات اور خاص طور پر خالص اور بے آمیز عقیدہ توحید کی بناء پر ہے ارشاد ہے:-

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ

الْعٰلَمُونَ اِنْ كُنْتُمْ

نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق)

لے دستور حیات ص ۲۱-۲۲ کتاب میں آیات قرآنی اور انبیاء علیہم السلام کے اسوہ کی مدد سے اس کے شواہد

و دلائل پیش کئے گئے ہیں، اور حدیث و سیرت کے واقعات سے اس کو مدلل کیا گیا ہے۔ ص ۲۱۵ ایضاً ص ۶

مُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران - ۱۳۹) ہو تو تم ہی غالب ہو گے۔

نیز کھلے لفظوں میں فرمایا گیا ہے:-

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
فِي الْأَرْضِ مِمَّا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ
دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ
أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ
بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝
(النور - ۵۵)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور
نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا
وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دیا
جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا
تھا، اور ان کے دین کو جسے اس نے
ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائدار
کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن
بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے
(اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک
نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے

تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

انبیاء کے نائبین برحق، اور علمائے ربانی جو دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے
واقف ہوتے ہیں، وہ اس کو کسی جگہ پر قائم کرنے کے لئے پہلے زمین کو پورے طور پر چھاؤں
کرتے ہیں، وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اور رگیں (خواہ وہ وثنیت قدیمہ کی یادگار ہوں
یا قومی و مقامی اثرات کا نتیجہ) چن چن کر نکالتے اور ان کا ایک ایک بیج بن کر پھینکتے ہیں
اور مٹی کو بالکل الٹ پلٹ دیتے ہیں، چاہے ان کو اس کام میں کتنی ہی دیر لگے، اور یہی ہی زحمت
اٹھانی پڑے، وہ نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لیتے۔

”شُرک (مختلف شکلوں میں) نوع انسانی کی سب سے خطرناک اور پرانی بیماری ہے“ وہ اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکانے کے ماسوا، بندوں کے روحانی، اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہے“ وہ انسان کی قوتوں کا گلا گھونٹ دیتا ہے، ان کی صلاحیتوں کا خون کرتا ہے، قادر مطلق پر اس کے یقین، اس کی خود اعتمادی اور خود شناسی کا خاتمہ کر دیتا ہے، اور سمیع و بصیر اور صاحب قدرت و علم، صاحب جود و عطا اور مغفرت و محبت والے خدا کی محفوظ و مستحکم پناہ سے نکال کر اور اس کے لامحدود صفات، اور نہ ختم ہونے والے خزانوں کے فوائد سے محروم کر کے کمزور و عاجز، فقیر و حقیر مخلوقات کے زیر سایہ پناہ لینے پر مجبور کر دیتا ہے، جن کی جھولی میں کچھ نہیں ہے۔“

عقیدہ توحید کی از سر نو تبلیغ و تشریح کی ضرورت

مصنف نے ”تاریخ دعوت و عزیمت“ کے حصہ دوم میں جو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے ساتھ مخصوص ہے، امام ابن تیمیہ کے زمانہ میں مشرکانہ عقائد و رسوم کے عنوان کے ذیل میں لکھا تھا:-

”غیر مسلم و عجمی اقوام کے اختلاط، اسماعیلی و باطنی حکومت کے نفوذ و اثر، نیز جاہل و گمراہ صوفیوں کی تعلیم و عمل سے عام مسلمانوں میں مشرکانہ عقائد و رسوم کا رواج ہو چلا تھا، بہت سے مسلمان اپنے دینی پیشواؤں، مشائخ طریقت اور اولیاء و صالحین کے بارے میں اسی طرح کے غالیانہ اور مشرکانہ خیالات اور عقیدے رکھنے لگے تھے، جو یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و مسیح اور اپنے اجار و ربان کے

متعلق رکھتے تھے، بزرگان دین کے مزارات پر جو کچھ ہونے لگا تھا، وہ ان سب اعمال و رسوم کی ایک کامیاب نقل تھی، جو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور مقدس شخصیتوں کی قبروں پر ہوتے تھے، اہل قبور سے صاف صاف استغاثہ واستغاثہ کا معاملہ ہونے لگا تھا، ان سے فریاد اور ان کی دوہائی دینے، سوال اور دعا کرنے کا رواج ہو گیا تھا، ان کی قبور پر بڑی بڑی مسجدیں تعمیر کرنے اور خود قبور کو سجدہ گاہ بنانے، ان پر سال بہ سال میلہ لگانے اور دور دور سے سفر کر کے وہاں آنے کا عام دستور تھا، کھلی قبر پرستی، خدا سے بے خوفی، اور صاحب مزار سے خوف و خشیت، اللہ اور شعائر اللہ سے استہزاء و استحقاق، بے باکی اور شوخ چٹمی، بزرگوں کے ساتھ اعتقاد الوہیت کے درجہ تک مشاہد و مزارات کا حج، اور بعض اوقات حج بیت اللہ پر اس کی ترجیح، کہیں کہیں مساجد کی ویرانی اور کس مہر سی اور مشاہد کے رونق و اہتمام، اس زمانہ کی جاہلانہ زندگی کے وہ خط و خال تھے، جن کے دیکھنے کے لئے بہت دور جانے اور بہت غور سے کام لینے کی ضرورت نہ تھی!

یہ مصر و شام و عراق جیسے ممالک کا حال تھا جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے فتح کیا تھا، جو مرکز اسلام، مہبط وحی، اور مسکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت قریب اور مربوط تھے، جہاں کی زبان عربی تھی، جس میں قرآن مجید نازل ہوا، جہاں قرآن و حدیث کے درس کا سلسلہ ایک دن کے لئے موقوف نہیں ہوا، اور جہاں علوم حدیث اور شرح حدیث پر عظیم ترین کتابیں لکھی گئیں۔

س کے مقابلہ میں ہندوستان (وہ بھی بارہویں صدی کے ہندوستان) کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، جہاں اسلام ترکستان، ایران اور افغانستان کا چکر کاٹ کر اور اپنی بہت کچھ تازگی اور توانائی کھو کر ان لوگوں کے ذریعہ پہونچا جو براہ راست فیضان نبوت سے مستفیض نہیں ہوئے تھے، اور جن میں سے بہت اپنے نسلی اور قومی اثرات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکے تھے، پھر ہندوستان میں ہزاروں برس سے ایک ایسا مذہب، فلسفہ اور تہذیب حکمرانی کر رہے تھے، جن کے رگڑے میں وثنیت اور شرک جاری و ساری تھا، اور جو ان آخری صدیوں میں وثنیت کا سب سے بڑا نمائندہ، اور جاہلیت قدیم کا امین و محافظ رہ گیا تھا، یہاں پر ہنویت و دوسرے مشرکانہ ماحول سے منتقل ہو کر ہندوستان کی مسلمان آبادی کا ایک بڑا حصہ آغوش اسلام میں آیا تھا، پھر یہ بھی ذہن میں تازہ رہے کہ اس ملک کا (طویل تر مدت میں) قرآن و حدیث سے براہ راست وہ رابطہ نہیں رہا تھا، جو ایران کے اثر سے علوم حکمت اور فلسفہ یونان سے رہا، علوم دینیہ میں اگر اس کا علمی و درسی طور پر رابطہ رہا تو فقہ، اصول فقہ و علم کلام سے جن کا موضوع اور میدان بحث، مسائل و جزئیات اور اصول استنباط مسائل اور عقائد پر فلسفیانہ بحث سے ہے، عقائد کی اصلاح اور توحید کی ابتدائی دعوت نہیں۔

ہندوستان کے مذاہب فلسفوں اور یہاں کے رسوم و عادات کا دسویں صدی میں مسلم معاشرہ پر جو اثر پڑ چکا تھا، اس کا اندازہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکتوب سے لگایا جاسکتا ہے، جو انھوں نے اپنی ایک ارادت مند نیک خاتون کے نام لکھا ہے، جس سے مراسم شرک کی تعظیم، غیر اللہ سے استمداد اور طلب حوائج کے مشرکانہ عقیدہ

لے ملاحظہ ہو مکتوب ۱۴ بصلحہ از اہل ارادت۔

اہل کفر کے تہواروں کی تعظیم، اور ان کے رسوم و عادات کی تقلید بزرگوں کے لئے حیوانا کو نذر و ذبح کرنے، پیروں اور سیٹیوں کی نیت سے روزے رکھنے، اور سیٹلا سے خون اوڑھنا اس کی تعظیم (جس کو چھپک کی بیماری کی ذمہ دار دیسی سمجھا جاتا تھا) تک کی ہندوانہ ذہنیت اور توہم پرستی کا اندازہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو چکی تھی، اس عہد پر اور سو برس گزر جانے کے بعد اور قرآن و حدیث سے براہ راست قوی اور عام رابطہ نہ پیدا ہونے کی وجہ سے عقائد میں جو خلل غیر اسلامی بلکہ منافی اسلام، عقائد و اعمال کا جو اثر اچھے اچھے گھرانوں پر پڑا ہو، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں غیر مسلموں کے اثرات قرآن و حدیث سے ناواقفیت اور دوری اور نتائج و خطرات اور عوام کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی سے آنکھیں بند کر کے موثر کوشش کے طویل خلا نے ہندوستان میں جو صورت حال پیدا کر دی تھی، اور دین حنیفی کے (جس میں شرک کی کسی پرچھائیں کی گنجائش نہ تھی) متوازی جو نظام عقائد اور مسلم معاشرہ کی زندگی کے میدان میں جاہلیت کا جو سبزہ خود رو پیدا ہو گیا تھا اس کا کچھ اندازہ خود شاہ صاحب کی کتابوں کے بعض اقتباسات سے ہو سکتا ہے۔

”تفہیمات“ میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ تم مسلمان بھی آخر کار اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقہ اختیار کر لو گے، اور جہاں جہاں انھوں نے قدم رکھا ہے، وہاں تم بھی قدم رکھو گے حتیٰ کہ وہ اگر کسی گاوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی ان کے پیچھے جاؤ گے، صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی امتوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور کون؟ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

سچ فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں جنہوں نے صلیا کو ارباب من دون اللہ بنالیا ہے، اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے، ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کلام شائع میں تحریف کرتے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لئے ہیں، اور گنہگار میرے لئے، یہ اسی قسم کی بات ہے جیسی یہودی کہتے تھے کہ "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً" (البقرہ - ۸۰) (ہم دوزخ میں نہ جائیں گے اور گئے بھی تو بس چند روز کے لئے) سچ پوچھو تو آج ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے، صوفیہ کو دیکھو تو ان میں ایسے اقوال زبان زد ہیں جو کتاب و سنت سے مطابقت نہیں رکھتے، خصوصاً مسئلہ توحید میں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شرع کی انہیں بالکل پرواہ نہیں ہے^۱ اپنے شہرہ آفاق رسالہ "الفور الکبیر" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اگر تم کو (عہد جاہلیت کے) مشرکین کے عقائد و اعمال کے اس بیان کے صحیح تسلیم کرنے میں کچھ توقف ہو، تو چاہئے کہ اس زمانہ کے تحریف کرنے والوں کو علی الخصوص جو دارالاسلام کے نواح میں رہتے ہیں، دیکھو کہ انہوں نے

^۱ التفہیمات الالہیہ جلد دوم ۱۳۳-۱۳۵ ۲ شاہ صاحب نے اس سے پہلے مشرکین جاہلیت

کے شرک کی حقیقت و نوعیت اور اس کے مظاہر کا تذکرہ کیا ہے۔

ولایت کی نسبت کیا خیال باندھ رکھا ہے، وہ لوگ باوجودیکہ اولیٰا متقدمین کی ولایت کے معترف ہیں، مگر اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار کرتے ہیں اور قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں اور تحریف و تشبیہ نے ان کے اندر کس قدر رولج پکڑا ہے، موافق حدیث صحیح "لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" (تم اپنے پیشرو لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے) ان آفات میں سے کوئی آفت بھی نہیں رہی جس پر آج مسلمانوں کی کوئی نہ کوئی جماعت کاربند اور اس کے مانند دیگر امور کی معتقد نہ ہو، عافانا اللہ سبحانہ عن ذلک^۱

مرض کا علاج اور اصلاح حال کا مؤثر طریقہ اشاعتِ قرآن

شاہ صاحب نے اس مرض بلکہ وبائے عام کے علاج کے لئے قرآن مجید کے مطالعہ و تدبر اور اس کے فہم کو سب سے مؤثر علاج سمجھا، اور یہ بات محض ذہانت، قوتِ مطالعہ اور قیاس پر مبنی نہیں تھی، بلکہ ایک ایسی بدیہی حقیقت تھی جس پر قرآن مجید خود شاہد اور نہ صرف عہد بعثت کی تاریخ بلکہ اسلام کی پوری تاریخ دعوت اور سرگزشتِ اصلاح و تجدید گواہ ہے، خاص طور پر حقیقتِ توحید اور حقیقتِ شرک کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ واضح، اس سے زیادہ طاقتور اور دل نشین ذریعہ کا تصور نہیں ہو سکتا، ترجمانِ قرآن شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے مقدمہ موضع القرآن میں جتنے سادہ اور دل نشین انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے، اس سے زیادہ مشکل ہے، فرماتے ہیں:-

• بتلنے والے بہتیرا بتائیں جیسا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے، ویسا کوئی نہیں بتا سکتا، اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے کسی کے کلام میں نہیں ہے۔

حجاز مقدس کے قیام میں شاہ صاحب کو ہندوستان کی اس دینی صورت حال اور اس کے تعلیمات قرآن، اور تعلیمات اسلام سے بعد اور مناقات کا احساس اور شدت سے پیدا ہوا ہوگا، اور وہاں کی نورانی، روحانی اور قرآنی فضا میں جہاں سے توحید کا زمزمہ سب سے پہلے بلند ہوا، شاہ صاحب کے قلب بیدار میں اس کا داعیہ کہ وہ ہندوستان میں قرآن مجید کی دولت کو عام کریں ایسی وضاحت اور شدت سے پیدا ہوا ہوگا، جس کو اس الہام اور اشارۂ غیبی سے تعبیر کر سکتے ہیں، جو نفوس زکیہ پر ہر عہد میں کسی ضروری دینی کام کی تکمیل کے لئے وارد ہوا کرتا ہے، اور جس کی مقاومت اور جس پر غلبہ پانا ناممکن ہو جاتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے فارسی ترجمہ کا کام جس نے ”فتح الرحمن“ کے نام سے تکمیل پائی، حجاز سے واپسی پر شروع فرمایا۔

۱۔ مقدمہ ”موضح القرآن“ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ، ۲۔ مصنف ”حیات ولی“ نے ایک معاصر کے حوالہ سے ترجمہ قرآن کے قصور میں علماء کی شورش اور مفسدوں کے شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ کی پُر اثر کہانی بیان کی ہے، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاہ صاحب نے اس شورش سے بچنے کے لئے حجاز کا سفر اختیار کیا، (ص ۴۲۳-۴۲۴) لیکن کسی اور تاریخی ماخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی، خود ”فتح الرحمن“ کے مقدمہ میں اس کی تصریح ہے کہ شاہ صاحب نے ترجمہ کا کام ۱۰ رذی الحجہ ۱۱۵۵ھ کو شروع کیا اور ۱۱۵۷ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، جس سے صفا طریقہ پر ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا یہ مبارک اقدام سفر حجاز سے واپسی کے بھی چار پانچ سال بعد کا ہے، ہمارے خاندانی ذخیرہ و کتب میں فتح الرحمن کا ایک قلمی نسخہ دو جلدوں میں محفوظ ہے، یہ نسخہ خود شاہ صاحب نے ہمارے خاندان کے (باقی ص ۱۴۲ پر)

علم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا ہو، اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِنْهُمْ بَيِّنَاتٍ لِّهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ“ (المجموعہ - ۲) (خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا انھیں ان پڑھوں میں سے پڑھتا ہے وہ پیغمبران ان پڑھوں پر خدا کی آیتیں، اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا، اور کتاب اور اس کی تدبیر سکھاتا ہے) یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان پڑھ اور آپ کے اصحاب بزرگوار بھی ان پڑھ تھے، مگر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں تو وہ ان کو سن کر ہر قسم کی بُرائی اور بگاڑ سے پاک تھا ہو گئے پس اگر ناتوانانہ آدمی قرآن و حدیث نہیں سمجھ سکتا، اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہ بُرائی اور عیبوں سے کیونکر پاک صاف ہو گئے؟ اس قوم پر سخت افسوس ہے جو صدرہً سمجھنے اور قیاموس جاننے کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر قرآن و حدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو محض نادان ظاہر کرتے ہیں اور بعض یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کی برکت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دل کی سلامت کہاں سے لائیں جو قرآن و حدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں، ان کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے ”وَالْآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“ (المجموعہ - ۳) یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں یا ان پڑھ مگر جبکہ وہ مسلمان ہوں اور اصحاب کے طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں اور قرآن و حدیث کو سنیں تو انھیں بھی پاک کرنے کے لئے یہی قرآن و حدیث کافی ہو سکتی ہیں اور فرماتا ہے ”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ

لِّلَّذِي كُفِّلَ مِنْ مَّذَكُّوهُ (المزمل ۲۲) اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کر دیا، پس کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟ یہ کیونکر آسانی ہو سکتی ہے کہ کافہ پڑھنے والے اور شافیہ جاننے والے تو اس کے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کرتے اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرمایا ہے: «أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ» (محد ۲۴) کہ (قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے) پس اگر قرآن مجید آسان نہ ہو تو اس میں فکر کیونکر کیا جائے؟ «أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا» (محد ۲۴) (یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں) یعنی باوجودیکہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے!

لیکن بقول شاعر

نوار تلخ ترمی زن چوں ذوق نغمہ کیابی

صدی رایتز ترمی خواں چوں محل راگراں مینی

شاہ صاحب نے اس بد مذاقی بے توفیقی اور غلط اندیشی کو دیکھ کر جس کے حادّ و یسّوّن

حکّی سبیل اللہ (الاعراف ۱۴۵) سے مل جاتے تھے فیصلہ کیا کہ قرآن مجید کا اس سلیس فارسی

زبان میں ضرور ترجمہ کرنا چاہئے، جو ہندوستان میں قیام حکومت اسلامیہ کے بعد سے ملک کی

دقتی، علمی، تصنیفی اور خط و کتابت کی زبان تھی اور تقریباً ہر پڑھا لکھا مسلمان اگر اس میں

بول لکھ نہیں سکتا تھا، تو اس کو سمجھنا ضرور تھا، ہندوستان میں فارسی زبان کی اس طویل

عملداری میں جس کی مدت سات صدیوں سے کم نہ تھی، قرآن مجید کے فارسی میں ایک درجن بھی

ترجمے ہوتے تو تعجب کی بات نہ تھی، لیکن حسن بن محمد علقمی المشہر بنظام نیشاپوری ثم دولت آبادی کے ترجمہ سے پہلے جو آٹھویں صدی ہجری کے علماء میں تھے، کسی فارسی ترجمہ کا سراغ نہیں لگتا۔ نیشاپوری کا یہ فارسی ترجمہ ان کی عربی تفسیر "غرائب القرآن" میں شامل ہے۔

ہندوستان میں شیخ سعدیؒ کے ترجمہ کے نام سے ایک ترجمہ مشہور تھا، اور اگرچہ وہ بھی شیخ کی مقبول، "تصنیفات گلستان" اور "بوستان" کی طرح رائج اور منداول نہیں تھا، لیکن پھر بھی کہیں کہیں پایا جاتا تھا، مگر اس کا انتساب شیخ سعدیؒ کی طرف صحیح نہیں ہے، تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ علامہ سید شریف علی الجرجانی (م ۸۱۶ھ) کا کیا ہوا ہے، تفسیر حقانی کے مؤلف مولانا عبدالحق حقانی کا چشم دید بیان ہے کہ:-

”جس کو آج کل جہلاء سعدیؒ کا ترجمہ کہتے ہیں، وہ دراصل سید شریف کا ترجمہ ہے، صاحب مطبع نے میرے سامنے رواج دینے کے لئے سعدیؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔“

الغرض شاہ صاحب نے سفر حجاز سے واپسی کے پانچ سال بعد (غالباً اصلاح عقائد کی ان کوششوں کا نتیجہ دیکھنے کے بعد جو خصوصی درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کے ذریعہ ہو رہی تھیں) یہ فیصلہ کیا کہ ہدایت عام، اصلاح عقائد اور اللہ تعالیٰ سے طاقتور رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کی ہدایت و تعلیمات کی براہ راست اشاعت و تبلیغ سے زیادہ مؤثر نہیں ہو سکتا، اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ اور اس کی اشاعت، خود شاہ صاحب کی زبان سے اس کے محرکات و اسباب

۱۔ ”جائزہ تراجم قرآنی“ شائع کردہ مجلس معارف القرآن، دارالعلوم دیوبند، ص ۱۳-۱۴

۲۔ اسی بیان فی علوم القرآن مقدمہ تفسیر حقانی از مولانا عبدالحق صاحب حقانی ص ۵۰

اور اس اقدام کی تاریخ سنئے تفسیر فتح الرحمن کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:-

”یہ زمانہ جس میں کہ ہم لوگ موجود ہیں اور یہ ملک جس کے ہم باشندہ ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ (ترجمہ قرآن سلیس اور با محاورہ فارسی میں بغیر اظہار فضیلت اور عبارت آرائی کے اور متعلق قصوں اور توجیہات کے ذکر کئے ہوئے بغیر) کیا جائے تاکہ عوام و خواص یکساں طور پر سمجھ سکیں، اور چھوٹے بڑے بھی معانی قرآن کا ادراک کر سکیں، اس لئے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا، اور اس کے لئے مجبور کیا گیا۔

پہلے ترجموں پر غور کیا گیا تاکہ جس ترجمہ کو معیار کے مطابق پایا جائے اس کی ترویج کی جائے اور یہ ترجمہ حتی الامکان اہل زمانہ کے ذوق کے مناسب ہو، مگر ان ترجموں میں یا تو بے کیف طوالت ہے یا ضلل انداز تفسیر و اجمال ہے، اس عرصہ میں زہرا وین (سورہ بقرہ و نساء) کا ترجمہ ہو گیا، اس کے بعد سفر حرمین کا اتفاق ہو گیا، اور وہ سلسلہ ختم ہو گیا، کئی سال بعد ایک عربی ترجمہ قرآن پڑھنے لگے اور یہ کام اس گزشتہ عزم کا محرک بن گیا، اور یہ فیصلہ ہوا کہ سبق کے بقدر ترجمہ لکھ لیا جائے، جب ثلث قرآن مجید تک ترجمہ ہو گیا، تو ان عربی کو سفر پیش آ گیا اور ترجمہ پھر موقوف ہو گیا، ایک مدت کے بعد پھر ایک تقریب پیدا ہوئی اور وہ پرانا خیال تازہ ہوا اور دو ثلث تک ترجمہ ہو گیا۔

بعض دوستوں کو مسودہ صاف کرنے کے لئے کہا گیا اور یہ کہ اس کے ساتھ متن قرآن بھی لکھ دیں تاکہ مستقل نسخہ تیار ہو جائے، ان سعادت مند دوست ے عید الاضحیٰ ۱۴۵۸ھ سے تبیض شروع کی اس کے بعد پھر اس عزم کو تحریک ہوئی،

اور اخیر تک ترجمہ مکمل ہو گیا، اور اوائل شعبان میں تسوید ختم ہوئی، اور ۱۱۵۱ھ میں مسودہ صاف ہو گیا، اور ۱۱۵۶ھ میں برادر دینی عزیز القدر خواجہ محمد امین اکرمہ اللہ تعالیٰ بشہودہ کے اہتمام سے اس کتاب کی ترویج ہوئی اور اس کا درس شرف ہوا، اور اس کے متعدد نسخے تیار ہو گئے، اور معاصرین اس طر متوجہ ہوئے۔

للہ الحمد کہ آن نقش کہ خاطر می بست

آمد آخز پس پردہ تقدیر پدید

شاہ صاحب نے ترجمہ اور تفسیر فتح الرحمن کے علاوہ اصول ترجمہ پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے ابتدا میں لکھتے ہیں:-

”يقول الفقير الى رحمة الله الكريم ولي الله بن عبد الرحيم

اين رساله ايت در قواعد ترجمه مسماة بالمقدمة في قوانين الترجمة

کہ در وقت تسوید ترجمہ قرآن قلم بہ ضبط آں جاری شد“

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ اور قرآن مجید کی تبلیغ عام کے راستہ میں جو چٹان حائل ہو گئی تھی، شاہ صاحب جیسی عظیم المرتبت ہستی کے (جس کے علمی تجر، جامعیت، باطنی مرتبہ اور خلاص پر تقریباً اس عہد کے صحیح انجیال اور صاحب علم طبقہ کا اتفاق تھا) اقدام سے یہ چٹان ہٹ گئی، اور راستہ صاف ہو گیا، اسلام کی تاریخ میں سلسل ایسا ہوتا رہا ہے کہ کسی مسلم الثبوت اور بلند شخصیت کے کسی کام کے آغاز کر دینے سے غلط فہمیوں اور

۱۵ دیباچہ فتح الرحمن مطبوعہ دہلی ۱۲۹۲ھ۔ ۱۶ مخطوطہ محفوظہ کتب خانہ ندوۃ العلماء

مشتمل بر شش صفحات تقطیع کلاں۔

بدگمانیوں کا بادل چھنٹ گیا ہے اور شاہ راہ عام کھل گئی ہے امام ابو الحسن اشعری کا
 متکلمانہ مباحث میں حصہ لینا اور عقلی استدلال سے کام لینا، حجت الاسلام امام غزالیؒ کا
 فلسفہ کا مطالعہ اور اس کی تنقیح و تردید اور ایسے بہت سے اقدامات جو اپنے عہد کی
 ضرورت کے مطابق اسلام کی حفاظت یا مدافعت میں کئے گئے، اس کی روشن مثالیں ہیں۔

شاہ صاحب کے بعد کے اردو تراجم

شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ کے بعد بہت جلد اردو میں ترجمہ قرآن کی ضرورت
 محسوس ہوئی کہ بارہویں صدی کے آخری ہی حصہ میں اردو نے فارسی کی جگہ اپنی شروع
 کردی تھی اور اردو میں تحریر و تصنیف کا کام شروع ہو گیا تھا، اس ضرورت اور انقلاب
 حال کو سب سے پہلے خود شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب
 دہلوی (م ۱۲۳۳ھ) نے محسوس کیا، اور ۱۲۰۴ھ میں گویا شاہ صاحب کے ترجمہ کے
 پچاس برس بعد انھوں نے بامحاورہ اردو میں اس کا ایسا ترجمہ کیا جس کے متعلق یہ کہا
 جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں ایسا کامیاب اور شگفتہ ترجمہ جس میں زیادہ
 سے زیادہ قرآنی الفاظ کی روح آئی ہو ابھی تک علم میں نہیں، شاہ صاحب اپنے ترجمہ کی
 تہدید میں لکھتے ہیں:-

”اس بندہ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت
 بڑے حضرت شاہ ولی اللہ عبدالرحیم کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان
 کے رہنے والے تھے، اسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے، الحمد للہ کہ

یہ آرزو ۱۲۰۵ھ میں حاصل ہوئی ۱۶۹۰ھ

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے بعد انھیں کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین (م ۱۲۳۳ھ) نے قرآن مجید کا تحت اللفظ ترجمہ کیا، جو اپنی احتیاطوں اور مصنف کے علمی تبصرہ و اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا، اور بعض حلقوں میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا با محاورہ ترجمہ اور بعض حلقوں میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا تحت اللفظ ترجمہ رائج اور قابل ترجیح قرار پایا۔

یہ دونوں ترجمے مسلمانوں کے گھروں میں ایسے عام ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ اس کے پڑھنے کا ایسا رواج ہوا جس کی مثال کسی دوسری دینی کتاب کے بائے میں نہیں مل سکتی، جہاں تک اصلاح عقائد اور عقیدہ توحید کی اشاعت کا تعلق ہے، ان دونوں ترجموں سے فائدہ اٹھانے والوں کی کوئی تعداد نہیں بیان کی جاسکتی کہ وہ لاکھوں سے متجاوز ہوگی، حقیقت میں کوئی اسلامی حکومت بھی اپنے وسائل کے ساتھ دعوت و اصلاح کا اتنا بڑا کام انجام نہیں دے سکتی تھی جو ان تین ترجموں نے انجام دیا جو ایک ہی شجرہ طوبیٰ کی شاخیں ہیں، ”وَذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ“

اس کے بعد اردو ترجموں کا ایک سیلاب رواں ہو گیا، جس کی تعداد کا استقصاء ایک دشوار کام اور مستقل تحقیقی بحثوں کا طالب ہے۔

۱۔ موضح القرآن جلد اول ص ۲

۲۔ اس وقت ہمارے سامنے ”جائزہ تراجم قرآنی“ کے نام کی کتاب ہے، اس میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ترجموں کے بعد کے جن ترجموں کا جائزہ لیا گیا اور مختصر تعارف کرایا گیا ہے، ان کی تعداد پچیس ۵۵ ہے۔

درس قرآن

قرآن مجید کے ان اردو تراجم کے علاوہ جو اسی خاندان والا شان کے دو برگزیدہ افراد حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی نے کئے، اور ہندوستان میں جہاں جہاں اردو بولی جاتی تھی گھر گھر پڑھے جانے لگے، قرآن مجید کے ذریعہ تطہیر عقائد اور اصلاح اعمال و اخلاق کی سب سے طویل سنجیدہ و عمیق اور مؤثر و وسیع کوشش خاندان ولی اللہی کے سب سے بڑے فرد اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے کاموں کی تکمیل و توسیع کی سعادت حاصل کرنے والے بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) کے ذریعہ انجام پائی، جنہوں نے تقریباً ۶۲-۶۳ سال تک دہلی جیسے مرکزی شہر اور تیرہویں صدی ہجری جیسے اہم زمانہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اس کو خواص و عوام میں جو مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس سے اصلاح عقائد کا جو عظیم الشان کام انجام پایا ہمارے علم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

”الفوز الکبیر“

دعوت الی القرآن اور خواص و اہل علم کے حلقہ میں تدبر قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے امت کی اصلاح کا جذبہ بیدار کرنے کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی ایک تجدیدی و انقلابی خدمت اور کارنامہ ”الفوز الکبیر“ کی تصنیف ہے، جو اپنے موضوع پر (ہمارے علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں) منفرد کتاب ہے۔

اصول تفسیر پر کوئی چیز عام طور پر نہیں ملتی صرف چند اصول و قواعد تفاسیر کے

مقدمہ میں یا اپنا طرز تصنیف بیان کرنے کے لئے بعض مصنفین چند سطروں میں لکھ دیتے ہیں، شاہ صاحب کی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" بھی اگرچہ مختصر ہے لیکن پوری کتاب سراسر نکات و کلیات ہے اور درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا علمی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے۔

اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں، جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق و وجدان اور فہم قرآن کی بنا پر لکھ دیئے ہیں دوسری کتابوں کے سیکڑوں صفحات کے مطالعہ سے نہیں حاصل ہو سکتے، اسی رسالہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب کا یہ فرمانا حروف بحرف صحیح ہے کہ :-

میگوید فقیر ولی الشرب عبد الرحیم	فقیر ولی الشرب عبد الرحیم (الشراک ساتھ
عالمہا اللہ تعالیٰ بلطفہ العظیم چوں	اپنے لطفت عظیم کا معاملہ فرمائے) کہتا ہے کہ
بریں فقیر درے از فہم کتاب اللہ	جب اللہ نے اس فقیر پر کتاب اللہ کے
کشادہ خواست کہ بعضے نکات	فہم کا دروازہ کھولا تو اس کی خواہش
نافعہ کہ در تذکر کلام الشریار را	ہوئی کہ بعض مفید نکات (جن سے
بکار آید در رسالہ مختصرے مضبوط	لوگوں کو تذکر قرآن میں مدد ملے گی)
نماید امید واری از عنایت حضرت	ایک مختصر رسالے میں لکھ دیئے جائیں
باری آن است کہ طالب علمان را	عنایت خداوندی سے امید ہے کہ
بہ مجرد فہم ایں قواعد را بہ واسع	طالب علموں کے لئے ان قواعد کے
در فہم معانی کتاب اللہ کشادہ گردد کہ	فہم کے بعد فہم مطالب قرآن کی
اگر عمرے در مطالعہ تفاسیر یا گزرائید	ایسی کشادہ راہ مل جائے گی کہ اگر

آنها بر مفسران علی انهم اقلی قلیل مطالعہ تفاسیر اور مفسرین (جن کی
 فی هذا الزمان بسر برزند بان ضبط تعداد آجکل بہت ہی کم ہے) سے
 وربط بدست نیازند رجوع کرنے میں ایک عمر بھی گزاریں گے
 تب بھی فہم قرآن سے ایسا ربط
 وضبط نہ پیدا کر سکیں گے۔

قرآن کے مضامین و مقاصد اس کے طرز و اسلوب کی خصوصیت اور انسانی تالیفات
 خصوصاً متاخرین کی کتب درسیہ سے اس کے اختلاف و امتیاز اور شان نزول کے متعلق
 چند لفظوں میں جو کچھ لکھا ہے آج اس میں ممکن ہے کوئی ندرت نہ معلوم ہو، لیکن بارہویں صدی
 میں یہ قطعاً نئے خیالات تھے اور آج بھی کتنے حلقوں میں یہ خیالات نامانوس ہیں شان نزول
 کی روایتوں کی کثرت اور ان کی اہمیت پر زیادہ زور دینے سے (جو قرون متاخرہ کا شعار بن گیا
 تھا) قرآن کریم کے مضامین و قصص اور مواعظ و عبرت ہر زمانہ میں جو فائدہ اٹھایا جانا چاہئے
 اور اپنے اپنے زمانہ اور حالات پر ان کا جس طرح انطباق ہونا چاہئے، اس میں بڑا فرق ہو گیا تھا
 شاہ صاحب کی اس تحقیق و تنقیح سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے اور قرآن مجید کا جمال جہاں آرا سامنے
 آجاتا ہے، الفوز الکبیر کے باب اول میں شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

”عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو خواہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی ایک قصے کے ساتھ
 ربط دیا ہے اور اس قصے کو اس آیت کے لئے سبب نزول مانا ہے لیکن حق یہ ہے کہ
 نزول قرآنی سے مقصود اصلی نفوس بشریہ کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد و
 فاسد اعمال کی تردید ہے اس لئے آیات مناظرہ کے نزول کے لئے متکلمین میں

عقائد باطلہ کا وجود اور آیات احکام کے لئے ان میں اعمال فاسدہ اور مظالم کا شیوع اور آیات تذکیر کے نزول کے لئے ان کا بغیر ذکر آلاء اللہ وایام اللہ اور موت وواقعات بعد الموت کے بیدار نہ ہونا، اصلی سبب ہوا، خاص واقعات کو جن کے بیان کرنے کی عام مفسرین نے زحمت اٹھائی ہے، اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے، مگر سوائے چند آیات کے جن میں کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے، جو رسول اللہ کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا ہو۔

قرآن مجید نے جن فرقوں کی تردید کی ہے ان کے اصلی اور صحیح خیالات و عقائد اور کمزوریوں کا بیان ان کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کے حقیقی اسباب اور ان کی تالیخ، نفاق کی تشریح اور مسلمانوں کی بعض جماعتوں پر ان کی تطبیق، فہم قرآن کی اساس ہے، جو اختصار کے باوجود اس وضاحت کے ساتھ کسی بڑی سے بڑی تفسیر میں نہیں ملے گی۔

نسخ میں متقدمین و متاخرین کے اصطلاحی فرق کی توضیح اور نسخ و ناسخ آیات میں تطبیق، صحابہ و تابعین کے تفسیری اختلافات کا حل شاہ صاحب کی عمدہ تحقیقات میں ہے۔ نحو کے مشہور اور ظاہری قواعد کی بعض آیات سے بظاہر عدم مطابقت کی جو توجہ شاہ صاحب نے کی ہے، اس کی قدر وہ لوگ کر سکتے ہیں جو نحو کی تدوین کی تالیخ سے واقف اور بصیرہ و کوفہ کے دبستان کے اختلافات پر نظر رکھتے ہیں، رسالہ کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر ادیان سابقہ، فرق ضالہ اور اقوام و ملل کی پرانی بیماریوں اور کمزوریوں کی نشاندہی ہوتی ہے اور اس کی توفیق ملتی ہے کہ قرآن کے آئینہ میں مسلمانوں کی نسلیں اور اپنے اپنے عہد کا مسلم معاشرہ اور طبقات امت اپنا چہرہ دیکھیں اور اس کی فکر کریں کہ مذاہب و فرق کی سابقہ بیماریاں اور کمزوریاں دے پاؤں ان میں تو

داخل نہیں ہو گئی ہیں :-

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ
ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝
ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل
کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم
(سورہ انبیاء - ۱۰) نہیں سمجھتے۔

مسئلہ توحید کی علمی تنقیح و تحقیق

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اصلاح عقائد اور توحید خالص کی دعوت کے سلسلہ میں قرآن مجید کے ترجمہ اور درس قرآن ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایک عالم و محقق کے انداز سے اس کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا، عقیدہ توحید ملت ابراہیمیؑ کا سب سے بڑا شعار اور حضرت ابراہیمؑ کی دعوت اور جدوجہد کا سب سے بڑا مقصد خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی بنیاد اور ابتدا اور انتہا تھی، سارا قرآن اور احادیث کا دفتر اور سیرت نبویؐ اس پر شاہد ہے آپؐ نے توحید و شرک کے درمیان ایسا خط امتیاز کھینچا، توحید کی حقیقت کو اس طرح عیاں کیا، شرک کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ اور اس کی ہلکی سے ہلکی پرچھائیں کے خلاف ایسا جہاد کیا، امت کے عقائد میں شرک کے داخل ہو جانے اور عقائد میں فتور واقع ہونے کے ذرائع کا ایسا سد باب کیا جس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں، یہ سب حقائق ایسے متواتر اور بدیہی ہیں جن کے لئے دلائل اور مثالوں کی ضرورت نہیں جس کی قرآن و حدیث پر ذرا بھی نظر ہے،

لے قبور کی تشیید ان پر اجتماعات اور عبادت کے اہتمام، سجدہ تعظیمی، حلف بغیر اللہ کی ممانعت کے احکام، ایک بدو کے اِنْ شَاءَ اللہ وُشِئْتُ (اگر اللہ چاہے اور آپ چاہیں) کہنے پر سخت ناگواری اور یہ فرمانا کہ تو نے مجھے خدا کا، سر بنادیا؟ ہمیں تنہا جو اللہ چاہے اور ایسی ہی بیسیوں مثالیں اس بات کی شاہد ہیں۔

وہ اس کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پھر اس امت میں قرون مشہود لہا با بخیر کے گزرنے انئے نئے ملکوں کے فتح ہونے، وہاں کی آبادی کے قبول اسلام، غیر مسلم اقوام کی مخالفت و مجاورت اور مروجہ زمانہ کے اثر سے عوام کے ایک بڑے طبقہ میں یہ شرکانہ عقائد و اعمال کہاں سے داخل ہو گئے، اور ان کو توحید کے بہت سے شعائر و علامات کے ساتھ مسلم معاشرہ میں اپنی جگہ بنالینے کا کیسے موقع مل گیا اور بہت سے مدعیان علم کو ان کی تاویل اور توجیہ کی اور ان کو گوارہ کرنے اور جائز قرار دینے کی جرأت کیسے ہوئی، اور بہت سے پڑھے لکھے مسلمان کیسے اس مغالطہ کے شکار ہو گئے؟

شاہ صاحب کے نزدیک اس کی وجہ توحید کی حقیقت اور شرکین جاہلیت اور اہل عرب کے خدا کے خالق کائنات اور مدبر امور عظام ہونے کے بارے میں عقیدہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنا ہے، عوام کے ایک بڑے طبقہ نے شرک کی حقیقت یہ سمجھی کہ کسی ہستی کو (خواہ وہ زندہ ہو یا فوت شدہ) خدا کا بالکل ہمسر اور ہم پایہ بنایا جائے، خدا کی تمام صفات اور افعال اس کی طرف منسوب کئے جائیں، اسی کو خالق، رازق، اور مہی و ممیت (زندہ کرنے والا اور مارنے والا) حقیقتاً و اصلاً سمجھ لیا جائے، باقی اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا اس کے کسی مقبول بندہ کی طرف منسوب کرنا اور بعض افعال کا (جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں) ان سے صدور ماننا، قدرت کے بعض کارخانوں کا ان سے متعلق ہو جانا، اور اللہ کا اپنی مرضی سے اپنے بعض اختیار ان کے سپرد کر دینا، یہ توحید کے منافی اور شرک کے مرادف نہیں، اسی طرح کسی کی محض تقرب الی اللہ اور شفاعت عند اللہ کے لئے ایسی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم کرنا اور ان کے ساتھ ایسے اعمال و حرکات سے پیش آنا جو عبادت کے حدود میں داخل ہیں، داخل شرک نہیں کہ یہ محض رضائے خداوندی کے حصول کا ایک ذریعہ اور اس بارگاہ بے چون و بے چگون تک

پہونچنے کا (جس کے یہاں معمولی بشر کی رسائی نہیں) ایک مفید اور مؤثر طریقہ ہے کفار عرب کہتے تھے:-

مَا نَعْبُدُ هُمْ إِلَّا لِيَقَرُّ بُونَا إِلَى
اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر-۳) ہم ان کو اس لئے پوجتے
ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

یہ وہ مغالطہ اور التباس تھا، جس کی وجہ سے اس امت کے بھی کثیر التعداد افراد شرک کی ارض ممنوعہ میں جا پڑے تھے، اور اس سرحد می لکیر کو پار کر گئے تھے، جو توحید شرک کی حد فاصل (LINE OF DEMARCATION) ہے اس لئے سب سے پہلی اور اہم ضرورت یہ تھی کہ معلوم کیا جائے کہ اہل جاہلیت اور مشرکین عرب کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا تھا، وہ اس کی ذات و صفات کے بارے میں کن کن چیزوں کے قائل تھے اللہ تعالیٰ کو فاطر کائنات، خالق ارض و سماوات، اور قادر مطلق سمجھنے کے باوجود اللہ کے رسول نے ان کو کیوں شرک گردانا، اور قرآن نے ان کے مشرک ہونے کا کیوں اعلان کیا؟

شاہ صاحب اپنی بے نظیر کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں:-

”شُرک یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے لئے ان صفات کو ثابت مانا جائے جو خدا تعالیٰ

کے ساتھ مختص ہوں، مثلاً عالم کے اندر تصرفات ارادی جس کو کُن فیکون سے

تعبیر کرتے ہیں، یا علم ذاتی جس کا اکتساب نہ ہو اس کے ذریعہ سے ہونہ عقل کی

رہنمائی سے اور نہ خواب اور الہام وغیرہ کے واسطہ سے، یا مریضوں کو شفا دینا

یا کسی شخص پر لعنت کرنا اور اس سے ناراض ہونا، جس کے باعث اس کو

تنگ دستی اور بیماری اور ثقاوت گھیر لیں، یا رحمت بھیجنا جس سے اس کو

فراخ دستی، تندرستی اور سعادت حاصل ہو۔

مشترکین بھی جواہر (اجسام) اور عظیم الشان امور کے پیدا کرنے میں کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک نہیں جانتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ جب خدا تعالیٰ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کسی میں اس کے روکنے کی قدرت نہیں ہے، ان کا شرک فقط ایسے امور کی نسبت تھا، جو کہ بعض بندوں کے ساتھ مخصوص تھے، ان لوگوں کا گمان تھا کہ جیسے شاہان عظیم القدر اپنے مقربان خاص کو ملک کے مختلف حصوں کا فرماں روا مقرر کرتے ہیں، اور بعض امور خاصہ کے فیصل کرنے میں (جب تک کوئی شاہی حکم صریح موجود نہ ہو) ان کو مختار بنا دیتے ہیں، اور اپنی رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام نہیں کرتے، اور اپنی کل رعایا کو محکام کے سپرد کر دیتے ہیں، اور حکام کی سفارش ان کے ماتحت ملازمین اور سلاطین کے حق میں قبول کی جاتی ہے، ایسے ہی بادشاہ علی الاطلاق جل مجدہ نے بھی اپنے خاص بندوں کو رتبۃ الوہدیت کے خلعت سے سرفراز کیا ہے، اور ایسے لوگوں کی رضامندی و ناراضی دوسرے بندوں کے حق میں مؤثر ہے، اس لئے وہ ان بندگان خاص کے تقرب کو ضروری خیال کرتے تھے، تاکہ بادشاہ حقیقی کی درگاہ میں قبولیت کی صلاحیت پیدا ہو جائے، اور جزائے اعمال کے وقت ان کے حق میں شفاعت درجۂ قبولیت حاصل کرے، اور ان خیالی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ ان کو سجدہ کرنا اور ان کے لئے قربانی کرنا اور ان کے نام کی قسم کھانا، اور ضروری امور میں ان کی قدرت کُن فیکون سے مدد لینا جائز سمجھتے تھے، انھوں نے پتھر، پتیل اور سیسہ وغیرہ کی مورتیں بنا کر ان (بندگان خاص) کی روحوں کی طرف متوجہ ہونے کا ایک وسیلہ قرار دیا تھا،

لیکن رفتہ رفتہ جہلاء نے ان پتھروں ہی کو اپنا اصلی معبود سمجھنا شروع کر دیا
اور خلطِ عظیم واقع ہوا۔

نیز حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں :-

”شُرک کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی ایسے شخص کے بارے میں جو قابلِ تعظیم سمجھا جاتا ہے، یہ عقیدہ رکھے کہ اس سے جو غیر معمولی افعال و واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں، وہ اس بناء پر ہیں کہ وہ شخص صفات کمال میں سے کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف ہے جس کا مشاہدہ نوع انسانی کے افراد میں نہیں ہوا، وہ صفت واجب الوجود جل مجدہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی اس کی چند ہی شکلیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ وہ واجب الوجود اپنے کسی مخلوق کو خلعت الوہیت سے سرفراز کرے، یا وہ مخلوق ذات الہی میں فنا ہو کر باقی باللہ بن کر رہ جائے، یا اسی طرح کی کوئی شکل جو اس عقیدہ کے حامل نے اپنی طرف سے گڑھ لی ہو، حدیث میں مشرکین کے جس تلبیہ (حج میں بٹیک بٹیک کہنا) کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ اسی عقیدہ کا ایک نمونہ اور اس کی مثال ہے، حدیث میں آتا ہے کہ مشرکین عرب (جاہلیت میں اور اسلام قبول کرنے سے پہلے) ان لفظوں میں لبیک کہتے تھے:

لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، خدایا! حاضر ہوں، حاضر ہوں!

إِلَّا شَرِيكَاهُ وَلَكَ، نَمْلِكُ، نیز کوئی شریک نہیں، سوائے اس

وَمَمْلِكُ۔ شریک کے جو تیرا بندہ خاص ہے تو

اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملکوت
کا بھی مالک۔

اسی بناء پر یہ عقیدہ اس سہتی کے لئے (جس کو وہ خدا کے بعض صفات کا حامل اور خلعت الوہیت سے سرفراز سمجھتا ہے) اپنے انتہائی تذلل اور فروتنی کا اظہار کرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو بندوں کو خدا کے ساتھ کرنا چاہئے۔
حجۃ الشربالغہ میں ایک دوسری جگہ مشرکین کے شرک کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اور اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان (جو صحیح عقیدہ کے حامل ہیں) کئی باتوں پر اتفاق تھا، مشرکین عرب وجود باری اور اس کی یگانہ شان اور قدرت مطلقہ کے منکر نہیں تھے، صرف بعض صفات اور اختیارات میں وہ (خدا ہی کی مرضی اور نشانے) اس کے بعض مقربین و محبوبین کو شریک اور صاحب اختیار سمجھتے تھے اور اس لئے ان کے ساتھ عبودیت اور بندگی کا معاملہ کرتے تھے، باب التوحید کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:-

”مشرکین اس بارے میں مسلمانوں ہی کے ہم خیال اور ہم عقیدہ تھے کہ امور عظام کے سرانجام اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمالیں اور اس کا ارادہ قطعی ہو جائے تو اس میں کسی غیر کا اختیار باقی نہیں رہتا، باقی دوسرے امور میں انھوں نے مسلمانوں سے الگ راستہ اختیار کیا تھا، ان کا خیال تھا کہ زمانہ ماضی کے صلحاء نے عبادت کی کثرت کی اور خدا کا قرب حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت کا خلعت عطا فرمایا، اس بناء پر وہ خدا کے دوسرے بندوں کی عبادت کے

مستحق بن گئے، جیسے شہنشاہ کا کوئی (مزاج داں) غلام بادشاہ کی خدمت کا حق ادا کر دے تو شہنشاہ اس کو بادشاہی کا خلعت عطا فرماتا ہے اور اپنے ملک کے کسی شہر کا انتظام اس کے سپرد کر دیتا ہے تو اس طرح وہ شہر کے باشندوں کی سنے اور بات ماننے کا مستحق ہو جاتا ہے، وہ اس بات کے قائل تھے کہ خدا کی بندگی جب ہی قبول ہو سکتی ہے، جب ایسے مقبول اور برگزیدہ بندوں کی غلامی بھی اس میں شامل ہو، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے اس قدر بالا و برتر ہے کہ براہ راست اس کی عبادت کچھ کارگر اور اس کی وہاں رسائی نہیں ہے، ضروری ہے کہ ان مقربین (مقربین) سنے، دیکھتے اور اپنے بندوں کی سفارش کرتے ہیں اور ان کے معاملات کا انتظام کرتے اور ان کی مدد کرتے ہیں، انھوں نے ان کے ناموں پر پتھر تراشے اور ان کو اپنا قبیلہ توجہ بنایا، بعد میں وہ لوگ آئے جو ان بتوں اور جن کے نام پر یہ بت تھے ان کے درمیان فرق کو نہیں سمجھ سکے اور انھوں نے ان کو بذات خود معبود سمجھ لیا۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”مشرکین عرب اس کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں اسی طرح ان دونوں کے درمیان جو اجسام و اشیاء ہیں ان کی خلقت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں، نیز اہم امور کے سرانجام میں بھی کسی کی شرکت نہیں، اس کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا، اور اس کے حکم قطع کو کوئی

روکنے والا نہیں، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

وَلَيْنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ
اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ آسمان
وزمین کس نے پیدا کیا تو وہ یقیناً کہیں گے

(نقص - ۲۵) کہ اللہ نے۔

قرآن خود شہادت دیتا ہے کہ یہ مشرکین خدا کو مانتے تھے، اور اس سے دعا بھی کرتے تھے۔

بَلْ آيَاتُ تَذَعُونَ (الانعام - ۴۱) بلکہ اسی سے مانگتے ہو۔

نیز فرماتا ہے:-

صَلِّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا آيَاتُ ۚ
اسی سے دعا کرنا کام بناتا ہے

(الاسراء - ۶۷) دوسروں سے دعا بیکار جاتی ہے۔

حقیقت میں ان مشرکین کی گمراہی اور بے دینی یہ تھی کہ ان کا اعتقاد تھا کہ کچھ فرشتے
اور ارواح ہیں جو (بڑے امور کو چھوڑ کر) اپنے پرستار کے ان جزئی و ضمنی معاملات
کو سنبھال لیتے ہیں، اور ان کا کام کر دیتے ہیں جن کا تعلق اس کی ذات، اولاد، اموال
و املاک سے ہے، ان کے نزدیک ان کا خدا کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسے کسی
ناز پروردہ غلام کا شہنشاہ سے، اور سفارشوں اور مصاحبوں کا باجبروت
بادشاہ سے ہوتا ہے، شرائع الہی میں جو کہیں اس بات کا تذکرہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے بعض کام بعض فرشتوں کے سپرد کر دیئے ہیں، یا یہ کہ مقربین کی دعائیں قبول
ہوتی ہیں، ان جاہلوں نے اسی کو بنیاد بنا کر ان کو ایسا صاحب اختیار اور
صاحب تصرف مان لیا، جیسے خود بادشاہ بنفس نفیس ہوتے ہیں،
حالانکہ یہ قیاس الغائب علی الشاہد تھا، اور اسی سے ساری خرابی

اسی طرح شاہ صاحب نے عوام اور خواص مشابہ عوام کے بہت سے مشرکانہ عقائد و اعمال کی جڑ پکڑ لی اور اس مغالطہ کا پردہ چاک کیا جس کی وجہ سے بہت سے جہلاء اور مدعیان علم ان اعمال و رسوم، شعائر شرک، نذر و ذبح بغیر اللہ بزرگوں کے نام پر روزے رکھنے، اولیاء و صالحین سے دعا و التجا، خوف ورجا، استمداد و استعانت، ان کے مقامات دفن اور ان سے نسبت رکھنے والی چیزوں کی حرم شریف اور بیت اللہ کی طرح تعظیم کرنے اور ان کے لئے انھیں آداب کو موعی رکھنے، ان کے جزئی تصرف فی الکائنات، انسان کی شقاوت و سعادت، مرض و صحت، فراخی رزق و تنگی میں مؤثر ہونے کے عقیدہ مشرکانہ میں گرفتار اور قَاعْبِدِ اللہَ مُخْلِصًا لِّهِ الدِّینَ پر عمل کرنے اور انابت و اجابت، تَوَكَّلْ عَلَى اللہِ اور انقطاع الی اللہ کی جیسی بیش بہا دولت سے محروم تھے اور جن کے بعض احوال سن کر اور اعمال دیکھ کر بے اختیار قرآن مجید کی آیت یاد آتی تھی:-

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ

إِلَّا قَوْمٌ مِّنْ أَكْثَرِهِمْ يَسْتُرُونَ (یوسف ۱۰۶) (اس کے ساتھ) مشرک کرتے ہیں۔

شاہ صاحب اور ان کے اخلاف کا اگر اس عقیدہ توحید کی تجدید اس کی تنقیح و توضیح اس کی اشاعت و ترویج اور اس کے سلسلہ کی غلط فہمیوں کے رفع کرنے کے سوا کوئی کارنامہ نہ ہوتا تو تنہا یہی کارنامہ ان کو مجددین امت میں شمار کرنے کے لئے کافی تھا، چہ جائیکہ ان کے اور متعدد کارنامے ہیں جن کی آئندہ صفحات میں وضاحت کی جائیگی۔

عقائد کی تفہیم و تشریح کتاب سنت کی روشنی میں اور صحابہ و سلف کے مسلک کے مطابق

شاہ صاحب کے اس بنیادی تجدیدی کارنامہ کے ماسوا جس کا تعلق عامۃ المسلمین اور پورے مسلم معاشرہ سے تھا، اور جس کے بغیر ہدایت و نجات مشتبہ اور نصرت و تائید الہی محال تھی، ایک ضمنی علمی و اصلاحی کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے عقائد کی تشریح و تفہیم کا کام کتاب و سنت کی روشنی میں انجام دیا اور اس بارے میں صحابہ و سلف کے مسلک و ذوق کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دی، اور خود اس کا آغاز کر کے اس کا علمی نمونہ پیش کیا، عالم اسلام کے علمی حلقوں کو عرصہ سے ایسے نابغہ روزگار مفکرین اور پابند نصوص مجتہدین کی ضرورت تھی جو فلسفہ اور فلسفیوں کے آراء و نظریات سے (جن کا خود علم کلام پر پورا اثر پڑ چکا تھا) آنکھیں ملا کر بات کریں، قرآن پر اس طرح ان کا ایمان ہو، جس طرح وہ نازل ہوا خدا تعالیٰ کے صفات و افعال کو وہ بغیر کسی تحریف و تاویل کے ویسا ہی مانتے ہوں جیسا وہ خود ان کے بارے میں فرماتا ہے، اور ان حقائق کی ایسی تفسیر کرتے ہوں جن کا ایک طرف علم و دلائل شرعی مؤید ہوں، دوسری طرف عقل و منطق بھی ان کو تسلیم کرتے ہوں، یہ دانش کدہ قرآنی، اور دبستان علوم بنوی سے فیض پانے والے علماء حق ہی ہو سکتے تھے، جو علوم حکمت اور تکلمانہ مؤثر گافیوں سے پوری طرح واقف ہونے کے ساتھ عقائد میں کتاب اللہ اور سنت متواترہ کے پابند تھے، اور خدا تعالیٰ پر انھیں صفات کے ساتھ ایمان و عقیدہ رکھتے تھے، جو اس نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں، ایک حدیث میں علماء حق کی جو تعریف آئی ہے وہ ان پر پورے طور پر صادق تھی۔

ینفون عن هذا الدین تحریف وہ غالی لوگوں کی تحریف باطل پرستوں

الغالبین، وانتحال المبطلین کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویل

وتاویل المجاہلین^۱ سے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

ان علماء اسلام سے کوئی دور خالی نہیں رہا، ان نمایاں شخصیتوں میں آٹھویں صدی ہجری کے عالم جلیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرانی (م ۷۲۸ھ) ان کے بعد ان کے تلمیذ رشید علامہ ابن قیم جوزیہ صاحب زائد المعاد (م ۷۵۱ھ) اور اس مسلک پر چلنے والے بعض دوسرے جلیل القدر علماء ہیں جن کی فہرست زیادہ طویل نہیں۔

امام ابن تیمیہ کے بعد اگر اس سلسلہ میں کسی کا نام پورے اعتماد کے ساتھ لیا جاسکتا ہے اور اس کا کام اہل علم کے سامنے ہے تو وہ حضرت شاہ ولی اللہ^۲ ہیں، وہ عقائد کی تشریح و فہم اور اس کو سلف کے فہم و مسلک کے مطابق پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، اس لئے کہ انھوں نے ایک طرف یونانی فلسفہ کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا، اور علم کلام کا پورا سرمایہ ان کی نظر کے سامنے بلکہ ان کی دسترس میں تھا، دوسری طرف وہ قرآن کے دقیق النظر مفسر، علم حدیث کے ماہر خصوصی اور اسرار و مقاصد شریعت کے راز داں تھے، اس لئے وہ لفظیت اور تاویل کے درمیان راہ اعتدال پر قائم ہیں، ان کی کتاب "العقیدۃ الحسنۃ" مطالعہ کی گہرائی

۱۔ بروایت بیہقی، حدیث کے الفاظ یوں ہیں: "یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه

تحريف الغالبين^۲ ۲۔ یہ کتاب "العقیدۃ الحسنۃ" کے نام سے فارسی میں مطبع مفید عام آگرہ سے

طبع ہوئی، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فاضل استاد تفسیر مولانا محمد اویس ندوی نگرانی مرحوم نے اس کو

اپنی شرح اور مفید حواشی کے ساتھ (جو خود شاہ صاحب کی دوسری تصنیفات سے ماخوذ ہیں) اس کو

"العقیدۃ السنیۃ" کے نام سے مرتب کیا، اور راقم سطور کے مقدمہ کے ساتھ مطبع دارالعلوم ندوۃ العلماء

۱۳۸۲ھ میں شائع ہوئی، مصنف کی کتاب "العقیدۃ والعبادۃ والسلوک" اور اس کے (باقی صفحہ ۱۶۵ پر)

اور عبارت کی سلاست و روانی دونوں کی جامع ہے، یہ کتاب علم توحید (جس کو عام طور پر علم کلام سے موسوم کیا جاتا ہے) کا ایک ایسا متن ہے جس میں اہل سنت کے عقائد کا وہ بُتِ لباب آگیا ہے جس سے ہر اس تعلیم یافتہ مسلمان کو واقف ہونا چاہئے، جو اپنے تئیں اہل سنت میں شمار کرتا ہو، اور ان کے عقائد کو اپنا شعار بنانا چاہتا ہو۔

شاہ صاحبؒ اپنے رسالہ ”وصایا“ میں (جو فارسی زبان میں ہے) لکھتے ہیں :-

اول وصیت این فقیر خجک زدن	اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ
است بکتاب سنت در اعتقاد	اعتقاد و عمل میں کتاب و سنت کو
و عمل پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول	مضبوط ہاتھوں سے تھا، جائے
شدن و در عقائد مذہب	اور ہمیشہ ان پر عمل کیا جائے،
قداء اہل سنت اختیار کردن	عقائد میں تقدّمین اہل سنت کے
و آں را تفصیل و تفتیش انچہ سلف	مذہب کو اختیار کیا جائے اور
تفتیش نکردند اعراض نمودن	(صفات و آیات متشابہات)
و بہ تشکیکات خام معقولیان	کے سلسلہ میں سلف نے جہاں تفصیل
اتفات نکردند	و تفتیش سے کام نہیں لیا، ان سے
	اعراض کیا جائے، اور معقولیان خام

(باقی صفحہ ۱۶۶ کا) ترجمہ ”دستور حیات“ میں اس کا خلاصہ آگیا ہے، ”تفہیمات“ میں ”العقیدۃ الحسنیۃ“ کا مضمون پورا آگیا ہے، غالباً اسی سے لے کر اس کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا (ملاحظہ ہو ”التفہیمات الإلهیۃ“ ج ۱ ص ۱۲۴-۱۲۸)۔ شاہ صاحبؒ نے اس رسالہ کا نام جو فارسی میں ہے ”المرآة الوصیۃ فی النصیحة والوصیۃ“ رکھا تھا، یہ شاہ صاحبؒ کے بعض دوسرے رسائل کے مجموعہ میں بھی شامل ہے۔

کی تشکیکات کی طرف التفات نہ کیا جائے۔

شاہ صاحب کے اسماء و صفات کے بارے میں ذوق و مسلک کا کسی قدر اندازہ
اس اقتباس سے ہوگا جو یہاں پیش کیا جاتا ہے:-

”خدا اس سے بالا اور برتر ہے کہ وہ عقل یا حواس سے دریافت ہو سکے،
یا اس میں صفتیں اس طرح موجود ہوں کہ جس طرح عوارض جوہر میں ہو کر
پائے جاتے ہیں، یا وہ اس طرح ہوں جن کو عام عقلیں ادراک کر سکیں یا متعارف
الفاظ ان کو ادا کر سکیں، یا انہم یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو بتا بھی دیئے
جائیں، تاکہ جہاں تک انسانیت کی تکمیل ہو سکتی ہے ہو جائے، ایسی حالت
میں اس سے چارہ نہیں کہ ان صفتوں کا استعمال ان معنوں میں کیا جائے کہ
ان کے نتائج اور لوازم سمجھ لئے جائیں مثلاً ہم خدا کے لئے ”رحمت“ ثابت
کرتے ہیں، اس سے مقصود احسانات کا فیضان ہے، دل کی خاص کیفیت
نہیں (جس کو اصل میں رحمت کہتے ہیں) اسی طریقہ سے خدا کی وسعت
قدرت کے اظہار کے لئے مجبوراً ہم کو وہ الفاظ استعارۃً استعمال کرنے
پڑیں گے جو انسانوں کی قدرت و قوت کے لئے بولے جاتے ہیں، کیونکہ ان
معانی کے ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس اس سے بہتر الفاظ نہیں در اسی طرح
تشبیہا بہت سے الفاظ بولے جائیں گے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان سے
حقیقی معنی مراد نہ ہوں، بلکہ وہ معانی جو خدا کی ذات کے لائق اور مناسب
ہیں..... تمام آسمانی مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ صفات اسی طریقہ پر

بولے گئے ہیں، اور اس پر کہ یہ الفاظ اسی طرح بولے جائیں، اور اس کے علاوہ کوئی اور بحث و کاوش نہ کی جائے، اور یہی مذہب اس زمانہ کا تھا جس کے خیر و برکت کی شہادت دی گئی ہے (یعنی تبع تابعین کے عہد تک) اس کے بعد کچھ ایسے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہو گئے جنہوں نے بغیر کسی نقص قطعی اور دلیل مستحکم کے ان مسائل میں فکر و کاوش شروع کر دی۔^۱

صدیوں سے عالم اسلام میں بالخصوص ان ملکوں میں جو علمی عقلی اور درسی طور پر ایران کے زیر اثر تھے جن متکلمانہ مؤثر گافیوں، صفات کی دوراز کا رتا ویلات جن سے نتیجہ وہ معطل اور بے معنی بن کر رہ جاتی ہیں، اور فلسفہ یونان سے ذہنی غلامی کی حد تک مرعوبیت کا دور دورہ تھا، اور سلف کے متعلق ان کا خیال استخفاف تک پہنچا ہوا تھا، جو بہت احتیاط و انصاف سے کام لیتے تھے وہ کہتے تھے "مذہب السلف أسلم و مذهب الخلف اعلم" (سلف کے مسلک میں احتیاط اور خلف کی تحقیقات میں علم کی شان ہے) اس پس منظر میں شاہ صاحب کی یہ خدمت و جرأت ایک مجتہدانہ اور مجددانہ کارنامہ ہے۔ اسماء و صفات کے بارے میں سلف کے مسلک کی تائید، فلاسفہ متکلمین سے (جنہوں نے دوراز کا رتا ویلات سے کام لیا اور ان کے اقوال صفات کے بارے میں تعطیل و نفی صفات کے حدود کو چھوتے ہوئے بعض اوقات نظر آتے ہیں) عدم مناسبت اور حدیث و سنت کی محبت و تعظیم نے ان کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع اور ان کی جلال تثنائ کے اعتراف پر آمادہ کیا، جن کی ذات ان آخری صدیوں میں بڑی متنازع فیہ بلکہ

۱۔ حجة الله الباقية۔ جلد اول ص ۶۳ باب الايمان بصفات الشر۔ ترجمہ منقول از رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ

مطاعن اور شبہات کا ہدف بن گئی تھی، شاہ صاحب نے بڑے بلند الفاظ میں ان کی تعریف فرمائی اور ان کی طرف سے دفاع کیا، وہ ”تفہیمات الہیہ“ میں فرماتے ہیں :-

ولیس شیئ منها الا ومعه دلیله
من الکتاب والسنة واثار السلف
فمثل هذا الشیخ عزیز الوجود
فی العالم، ومن یطیق ان
یلحق شأوه فی تحریرہ وتقریرہ
والذین ضیقوا علیہ ما بلغوا
معشار ما اتاه الله تعالیٰ۔

شیخ الاسلام کے اقوال میں کوئی چیز
ایسی نہیں ہے جس کے لئے ان کے پاس
کتاب سنت اور آثار سلف میں سے
کوئی دلیل نہ ہو، ایسا عالم دنیا میں
عزیز الوجود ہے، کون ایسا شخص ہے
جو تحریر و تقریر میں ان کے مرتبہ کو
پہنچنے کی قابلیت رکھتا ہو، جن
لوگوں نے ان پر اعتراض کی بوجھار
کی ہے ان کو ان کے کمالات کا
دسواں حصہ بھی نصیب نہیں۔



باب ششم

حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی

حدیث کی اہمیت اور ہر ملک و ہر دور میں اس کی ضرورت
ہندوستان کے تختی براعظم، بلکہ حقیقتاً دور اخیر میں (جو بارہویں صدی ہجری کے
وسط سے شروع ہو کر اس وقت تک قائم ہے) شاہ صاحب نے حدیث کی ترویج و اشاعت
درس حدیث کے احیاء، فن حدیث کے ساتھ اعتناء، اور اس موضوع پر اپنی محققانہ
و مبصرانہ تصنیفات کے ذریعہ ایسا عظیم تجدیدی کارنامہ انجام دیا جو ان کے صحیفہ
تجدید اور کتاب زندگی کا ایک اہم اور روشن باب ہے اور جو ان کے دوسرے علمی کمالات
اور دینی خدمات پر ایسا غالب آیا کہ ”محدث دہلوی“ ان کے نام کا جزء اور ان کے
تعارف کا عنوان بن گیا، اور زبان و قلم پر ”حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی“ جاری
اور ساری ہو گیا۔

لیکن اس کارنامہ کی تاریخ اور تفصیل بیان کرنے سے پہلے اس کارنامہ کی عظمت
سمجھنے کے لئے، اس کی ضرورت ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ حدیث ’دین شریعت کے
نظام، اسلام کو اپنی صحیح شکل میں باقی رکھنے کی کوششوں‘ اور اسلامی مزاج و ماحول کی

تشکیل و حفاظت میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اس کی اشاعت و حفاظت ہر دور اور ہر ملک میں (جہاں مسلمان آباد ہوں) کیوں ضروری ہے اور اس سے تغافل، جہل یا انکار کن خطرات کا حامل اور کیسے عظیم نقصانات کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے، اس علم کا کسی عہد یا ملک سے ختم یا فراموش ہو جانا کون سا خلاء پیدا کرتا ہے، جو کسی اور چیز سے پُر نہیں ہو سکتا، اس کی وضاحت کے لئے مصنف اپنے ہی ایک رسالہ کا ایک اقتباس پیش کرے گا جس میں حقیقت کو پورے طور پر واضح اور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حدیث امت کے لئے صحیح میزان و معیار

”حدیث نبویؐ ایک ایسی صحیح میزان ہے جس میں ہر دور کے مصلحین و مجددین اس امت کے اعمال و عقائد، رجحانات و خیالات کو تولد کتے ہیں اور امت کے طویل تاریخی و عالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات و انحرافات سے واقف ہو سکتے ہیں، اخلاق و اعمال میں کامل اعتدال و توازن اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے، اگر

لے یہ رسالہ جس کا نام عربی میں ”دور الحدیث فی تکوین المناخ الاسلامی و حیاستہ“ ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ ”اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار“ کے نام سے شائع ہوا ہے، حقیقتاً وہ مضمون ہے جس سے مصنف نے ۱۴۰۱ھ کے رابطہ عالم اسلامی کے دورِ محاضرات کا مکہ معظمہ میں افتتاح کیا، اور وہ مضمون ۱۶ اردی قعدہ ۱۴۰۱ھ (۱۳ ستمبر ۱۹۸۱ء) کو مکہ معظمہ میں اہل علم کے ایک مجمع کے سامنے پڑھا گیا

انگریزی میں بھی یہ رسالہ — ROLE OF HADITH IN THE PROMOTION OF ISLAMIC —

— CLIMATE & ATTITUDES — کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے شائع ہو گیا ہے۔

حدیث نبوی کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو معتدل، کامل و متوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، اور وہ حکیمانہ نبوی تعلیمات نہ ہوتیں، اور یہ احکام نہ ہوتے جن کی پابندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرہ سے کرائی، تو یہ امت افراط و تفریط کا شکار ہو کر رہ جاتی، اور اس کا توازن برقرار نہ رہتا، اور وہ عملی مثال نہ موجود رہتی جس کی اقتداء کرنے کی خدا تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب-۲۱) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی ذات اسوۂ حسنہ ہے۔
اور یہ فرما کر آپ کے اتباع کی دعوت دی ہے:-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبُّكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
آل عمران-۳۱) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت
ہے تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے
محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف
کر دے گا۔

یہ ایک سیاسی نمونہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے، اور جس سے وہ زندگی اور
قوت و اعتماد حاصل کر سکتا ہے، اور یہ اطمینان کر سکتا ہے کہ دینی احکام کا زندگی
پر نفاذ نہ صرف آسان، بلکہ ایک امر واقعہ ہے۔

حدیث نبوی زندگی، قوت، اور اثر انگیزی سے بھرپور ہے، اور ہمیشہ اصلاح و تجدید
کے کام، فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آرا، اور برسرِ جنگ ہونے اور
معاشرہ کا احتساب کرنے پر ابھارتی رہی ہے، اور اس کے اثر سے ہر دور اور ہر ملک میں

ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اصلاح و تجدید کا جھنڈا بلند کیا کفن بردوش ہو کر میدان میں آئے اور بدعتوں و خرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی اور دین خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی، اسی لئے حدیث نبوی امت اسلامیہ کے لئے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے اس کی حفاظت ترتیب و تدوین، حفظ اور نشر و اشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی و ذہنی، علمی و اخلاقی دوام و تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکیں علم حدیث سے وابستہ ہیں

سنت نبوی اور حدیث نبوی کے مجموعے ہمیشہ اصلاح و تجدید اور امت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں انہیں سے اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں صحیح علم دین اور خالص فکر اسلامی اخذ کیا، انہیں احادیث سے انہوں نے استدلال کیا اور دین و اصلاح کی دعوت میں وہی ان کی سند اور ان کا ہتھیار اور سپر تھی، بدعتوں، فتنوں اور شر و فساد سے جنگ و مقابلہ کے معاملہ میں وہی قوت محرکہ و مدافعہ تھی، آج جو بھی مسلمانوں کو دین خالص اور اسلام کامل کی طرف آنے کی پھر دعوت دینا چاہتا ہے اور ان کے اور نبوی زندگی اور کامل اسوہ کے درمیان تعلق استوار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور جس کو بھی ضرورت اور زمانہ کے تغیرات نئے احکام کے استنباط کرنے پر مجبور کرتے ہیں وہ اس سرچشمہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت پر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی حدیث و سنت کی

کتابوں سے مسلمانوں کے تعلق اور واقفیت میں کمی آئی، اور طویل مدت تک یہ کمی باقی رہی تو داعیوں اور اخلاق کی تربیت، نفوس کا تزکیہ کرنے والے روحانی مربیوں کی کثرت، دنیا میں زہد اختیار کرنے اور کسی حد تک سنت پر عمل کرنے کے باوجود اس مسلم معاشرہ میں جو علوم اسلامیہ کے ماہرین، اور فلسفہ و حکمت کے اساتذہ فن اور ادباء و شعراء سے مالا مال تھا، اور اسلام کے قوت و غلبہ اور مسلمانوں کی حکمرانی میں زندگی گزار رہا تھا، نئی بدعتوں، عجیب رسم و رواج، اور اجنبی ماحول کے اثرات نے اپنا تسلط قائم کر لیا، یہاں تک کہ اندیشہ ہونے لگا کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس بن جائیگا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی اور حدیث حروف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔

لتتبعن سنن من کان قبلکم شیئاً تم پچھلی امتوں کے راستوں پر قدم بقدم
بشیر و ذرا عابذ راع (مستدرک حاکم) چلو گے۔

اس وقت اصلاح کی آواز خاموش اور علم کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔

دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے دینی حالات اور مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لیجئے جبکہ برصغیر ہند کے علمی و دینی حلقوں کا حدیث شریف اور سنت کے صحیح مآخذ و مراجع سے تعلق تقریباً منقطع ہو گیا تھا، علم دین کے مراکز، اور حجاز و یمن، مصر و شام کے ان مدارس سے جہاں حدیث شریف کا درس ہوتا تھا، کوئی رابطہ نہ تھا، اور کتب فقہ اصول اور ان کی شرح اور فقہی باریکیوں اور ٹونگانیوں اور حکمت و فلسفہ کی کتابوں کا عام چلن تھا، بآسانی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح بدعتوں کا دور دورہ تھا، منکرات عام ہو گئے تھے، اور عبادتوں اور تقرب الی اللہ

کی کتنی نئی شکلیں اور نئے طریقے ایجاد کر لئے گئے تھے۔

راقم الحروف نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کے حصہ چہارم میں دسویں صدی ہجری کے ایک مشہور و مقبول شیخ طریقت شیخ محمد غوث گویاریؒ کی کتاب "جواہر خمسہ" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"گجرات کو مستثنیٰ کر کے جہاں علمائے عرب کی تشریف آوری اور جرمن تشریفیں کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہو چکی تھی اور علامہ علی متقی برہان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہر مٹنی پیدا ہوئے تھے (دسویں صدی ہجری میں ہندوستان صحاح ستہ اور ان مصنفین کی کتابوں سے نا آشنا تھا جنہوں نے نقد حدیث اور ردیعت کا کام کیا، اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے ان مقامی روحانی فلسفوں و تجربوں کا اثر اپنے زمانہ کے مشہور و مقبول شطاری بزرگ شیخ محمد غوث گویاریؒ کی مقبول کتاب "جواہر خمسہ" میں دیکھا جاسکتا ہے جس کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث کے ثابِت موعنے یا معتبر کتب شامل و سیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا، اس میں نماز، احزاب، صلوة العاشقین، نماز تنویر القبر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

یہ صرف "جواہر خمسہ" کی خصوصیت نہیں، بزرگوں کے ملفوظات کے غیر مستند مجموعوں میں اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں، مشائخ کے لئے سجدہ تعظیمی کا

عام رواج تھا، قبروں کو کھلے طریقہ پر بجا گاہ بنایا گیا تھا، ان پر چراغ جلائے جاتے تھے، چادریں چڑھائی جاتی تھیں، ان کے گرد و پیش کا ادب حرم کی طرح کیا جاتا تھا، عرس و فاتحہ کے نام سے طرح طرح کے جشن منائے جاتے تھے، جن میں بہت بڑی تعداد عورتوں کی ہوتی تھی، صلوٰۃ غوثیہ، صلوٰۃ معکوس، نذر غیر اللہ، اولیاء و صلحاء کے نام پر، اور ان کی رضامندی کی نیت سے ذبح و قربانی، غیر اللہ کے نام پر روزہ، اور ایسی کتنی بدعات (جن کے حدود شرک سے مل جاتے تھے) مقبول عام و خاص تھیں، اولیاء و صالحین کے ایام پیدائش و وفات پر جلے کئے جاتے تھے، اور میلے لگتے تھے۔

اگر علمائے اسلام کی دسترس میں کتب حدیث نہ ہوتیں اور سنتوں و بدعتوں میں تفریق و امتیاز کا یہ معتبر و سہل ذریعہ نہ ہوتا تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے عہد سے حکیم الاسلام شاہ ولی صاحب (م ۱۱۷۱ھ) کے عہد تک مصلحین امت اور دین خالص کے مبلغین کا یہ سلسلہ وجود میں نہ آتا، اور مصلحین روزگار اور صحیح عقائد و اصلاح رسوم کے علمبردار نظر نہ آتے۔

دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں افغانستان (کابل و ہرات و غزنی) کے علماء کے حالات پڑھئے، اور ان کی تصنیفات دیکھے، حمایت سنت اور رد بدعت علمی تحقیق اور مسائل کی تنقیح کا رنگ بہت کم نظر آئیگا، دفعۃً علامہ ملا علی قاری (علی بن سلطان محمد ہروی م ۱۰۱۳ھ) کی شخصیت سامنے آتی ہے جنہوں نے حجاز جا کر وہاں کے محدثین عظام اور اساتذہ کبار سے کتب حدیث کا درس لیا، اور اس میں کمال پیدا کیا، کتب حدیث و فقہ کی شرح مسائل کی

برحیح، اور اپنے زمانہ کی بعض بدعات کی بلارور عایت تردید میں ان کا یہ مصلحانہ
 و محققانہ رنگ صاف جھلکتا ہے، ان کو ان کے مطالعہ و تحقیق، اور حق گوئی اور
 لصاف پسندی نے اس مقام تک پہنچا دیا کہ انھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ
 کی حمایت کی، اور اس کی شہادت دی کہ وہ اکابر اہل سنت و جماعت اور
 اولیائے امت میں سے تھے، یہی حال متعدد عرب ممالک عراق، شام، مصر،
 تونس، الجزائر، مراکش وغیرہ کا ہے۔

علم حدیث اور عرب

فلسفہ تاریخ اسلام کا یہ نکتہ ہے کہ جن ملکوں میں اسلام عربوں کے ذریعہ سے پہنچا،
 وہاں حدیث کا علم بھی اسلام کے ساتھ پھیلا اور پھیلا پھولا کہ اس کو عربوں کے مزاج، ان کی
 قوت حفظ، ان کی عملیت، حقیقت پسندی، اور ذات نبوی سے گہری وابستگی سے خاص نسبت
 تھی، وہ جہاں گئے اپنے ساتھ علم حدیث بھی لیتے گئے، اور ان کی قیادت کے دور اور اثر و نفوذ
 کے حلقہ میں اس کے ساتھ پورا اغنا کیا گیا، اور اس کے درس اور اس کے مختلف پہلوؤں پر
 تصنیف و تالیف کا سلسلہ پوری سرگرمی سے جاری رہا، یمن، حضرموت، مصر و شام، عراق
 شمالی افریقہ اور اندلس (اسپین) جیسے ملکوں کا یہی حال ہے، خود ہندوستان میں صوبہ گجرات
 اس کی ایک مثال ہے، جس نے شیخ علی متقی برہان پوری (صاحب کنز العمال) (م ۹۷۵ھ) اور
 شیخ محمد طاہر مٹنی (صاحب مجمع بحار الانوار) (م ۹۸۶ھ) جیسے بلند پایہ محدث پیدا کئے،
 اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ گجرات کا تعلق حجاز مقدس سے دوسرے صوبوں کے

مقابلہ میں زیادہ رہا، اور وہاں علماء عرب کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ لیکن جن ملکوں میں اہل عجم کے ذریعہ اسلام پہنچا وہاں کا یہ حال نہیں، ہندوستان میں ترکی النسل یا افغانی النسل خاندانوں نے حکومتیں قائم کیں، اور ان مشائخ اور داعیان اسلام کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت ہوئی جن میں بیشتر عجی نژاد اور ایران و ترکستان کے باشندے تھے، پھر جب ہندوستان میں درس و تدریس، مدارس کے قیام اور نصاب کی ترتیب کا زمانہ آیا، تو اس پر عجی فضلاء اور دانشمندان ایران کا پورا اثر پڑ چکا تھا، بابا اول میں بتایا جا چکا ہے کہ ایران میں صفوی حکومت کے قیام اور شیعیت کے سرکاری مذہب ہو جانے کے بعد سے (جو دسویں صدی ہجری کے ابتدا ہی کا واقعہ ہے) ایران کا (جس سے ایوان حدیث کے اہم ستون پیدا کئے تھے) حدیث سے رشتہ ٹوٹ چکا تھا، اس لئے اس کے ذریعہ سے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت اور اس کی اہمیت و عظمت قائم ہونے کا کوئی امکان نہ تھا، اس کے برعکس جس قدر اس کا اثر ہندوستان کے علمی حلقوں پر گہرا ہوتا جاتا تھا، حدیث سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی، بارہویں صدی ہجری جس میں شاہ ولی اللہ صاحب کا ظہور ہوا، اس کا نقطہ ارتقا تھا۔

ہندوستان میں علم حدیث کا عروج و زوال

ہندوستان میں علم حدیث کے عروج و زوال کا جائزہ لینے کے لئے ہم یہاں مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کی کتاب "الثقافة الاسلامیة فی الهند" کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس میں سیکڑوں صفحات کے مطالعہ کا بخور آگیا ہے :-

"جب ہند میں غریبوں کی حکومت ختم ہو گئی اور ان کے بجائے غزنوی اور

غوری سلاطین سندھ پر قابض ہوئے اور خراسان اور اہم النہر سے سندھ میں علم
 آئے تب علم حدیث اس علاقہ میں کم ہوتا گیا یہاں تک کہ معدوم ہو گیا، اور
 لوگوں میں شعر و شاعری، فن نجوم، فن ریاضی اور علوم دینیہ میں فقہ و اصول فقہ
 کا رواج زیادہ ہو گیا، یہ صورت حال عرصہ تک قائم رہی یہاں تک کہ
 علماء ہند کا خاص مشغلہ یونانی فلسفہ رہ گیا اور علم تفسیر و حدیث سے
 غفلت بڑھ گئی، مسائل فقہیہ کے سلسلہ سے جو تھوڑا سا تذکرہ کتاب سنت
 میں آجاتا تھا بس اسی مقدار پر قانع تھے، فن حدیث میں امام صفائی کی
 "شارق الانوار" کا رواج تھا، اگر کوئی شخص اس فن میں زیادہ ترقی کرتا تھا
 تو امام بغوی کی "مصابیح السنن" یا مشکوٰۃ پڑھ لیتا تھا، اور ایسے شخص کے بارے
 میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ محدث ہو گیا، اور یہ سب محض اس لئے تھا کہ لوگ
 عام طور پر ہندوستان میں اس فن کی اہمیت و مرتبت سے ناواقف تھے،
 وہ لوگ اس علم کی طرف سے بالکل غافل تھے، نہ اس علم کے ائمہ کے حال سے
 واقف تھے، اور نہ اس علم کا ان کے درمیان کوئی چرچا تھا، محض تبرکاً مشکوٰۃ
 شریف پڑھا کرتے تھے، ان کے لئے سب سے زیادہ سرمایہ علم فقہ کی تحصیل تھا،
 اور وہ بھی تقلید کے طور پر تحقیق کے طور پر نہیں اسی وجہ سے اس زمانہ میں فتاویٰ
 اور روایات فقہیہ کا رواج بڑھ گیا تھا، انصوص محکمات متروک ہو گئی تھیں،
 مسائل فقہیہ کی صحت کو کتاب سنت سے جانچنا اور فقہی اجتہادات کو احادیث نبویہ
 سے تطبیق دینے کا طریقہ متروک ہو گیا تھا۔

پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں اس علم کی اشاعت کا

انتظام فرمایا، دسویں صدی ہجری میں بعض علماء ہندوستان آئے اور ان کے

ذریعہ یہ علم ہندوستان میں رواج پذیر ہوا، مثلاً

شیخ عبدالمعطی مکی بن حسن بن عبداللہ باکشر متوفی باحد آباد ۹۸۹ھ۔

شہاب احمد مصری بن بدر الدین، متوفی باحد آباد ۹۹۲ھ۔

شیخ محمد فاکہ، حنا بن احمد بن علی متوفی باحد آباد ۹۹۲ھ۔

شیخ محمد مالکی مصری بن محمد عبدالرحمن متوفی باحد آباد ۹۱۹ھ۔

شیخ رفیع الدین چشتی شیرازی متوفی باکبر آباد ۹۵۴ھ۔

شیخ ابراہیم بغدادی بن احمد بن حسن۔

شیخ ضیاء الدین مدنی مدفون کاکوری ضلع لکھنؤ۔

شیخ بہلول بدخشی، خواجہ میرکلاں ہروی متوفی باکبر آباد ۹۸۱ھ۔

اور بہت سے علماء کرام۔

ہندوستان کے کچھ علماء کرام نے حرمین شریفین کا سفر اختیار فرمایا، اور

وہاں انھوں نے فن حدیث شریف حاصل کیا، اور اس فن کو لے کر ہندوستان

واپس تشریف لائے اور عرصہ دراز تک گجرات میں درس حدیث دیتے رہے، پھر

دوبارہ حجاز ہجرت کر گئے، شیخ یعقوب بن حسن کشمیری متوفی ۱۰۰۳ھ، شیخ

جوہر کشمیری متوفی ۱۰۲۶ھ، شیخ عبدالنبی گنگوہی بن احمد، شیخ عبداللہ سلطان پوری

بن شمس الدین، شیخ قطب الدین عباسی گجراتی، شیخ احمد بن اسماعیل مانڈوی

شیخ راج بن داؤد گجراتی، شیخ علیم الدین مانڈوی، شیخ معمر ابراہیم بن داؤد

مانڈپوری مدفون باکبر آباد، شیخ محمد بن طاہر بن علی مٹنی مصنف ”مجمع بحار الانوار“

سید عبدالاول حسینی بن علی بن العلماء الحسینی اور دوسرے علمائے کرام^۱۔
مصنف "الثقافة الإسلامية في الهند" آگے چل کر لکھتے ہیں:-

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کارنامہ

"اس کے بعد فن حدیث کی نشر و اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی بن سیف الدین بخاری متوفی ۱۰۵۲ھ کو منتخب فرمایا، ان کے ذریعہ علم حدیث کی اشاعت بہت عام ہوئی، انھوں نے دارالسلطنت دہلی میں مندرجہ آراستہ فرمائی، اور اپنی ساری کوشش و صلاحیت اس علم کی نشر و اشاعت پر صرف فرمائی، ان کی مجلس درس سے بہت سے علماء نے فن حدیث کی تکمیل کی اور بہت سی کتابیں بھی فن حدیث میں تصنیف فرمائیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس علم کی نشر و اشاعت میں بڑی جدوجہد کی، ان کی ذات اور ان کے علم سے اللہ کے بندوں کو بہت نفع پہونچا، فن حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کی جدوجہد اور کوششیں اپنے پیشرووں سے اس قدر نمایاں و ممتاز رہیں کہ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ فن حدیث کو ہندوستان میں سب سے پہلے لانے والے یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں، حالانکہ جیسا میں نے اوپر بتلایا تاریخی حقیقت سے یہ بات صحیح نہیں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد ان کے صاحبزادہ شیخ نورالحق متوفی ۱۰۷۳ھ نے اس علم کی خدمت اور نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا، اور ان کے بعض تلامذہ

اور اولاد نے بھی اس فن کی خدمت کی ہے، مثلاً شیخ الاسلام شارح بخاری اور
 شیخ نور الحق کے صاحبزادہ مولانا سلام اللہ مصنف "مُحَلِّی و کَمَالِیْن"۔
 پروفیسر خلیق احمد نظامی نے صحیح لکھا ہے کہ:-

”بہر حال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جس وقت سند درس پچھائی
 تھی، اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انھوں نے
 اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ
 پروانوں کی طرح کھینچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے، درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ
 شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا، علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات
 سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا۔“

ایک مُجدد کی ضرورت

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے صدق و اخلاص اور برکت انفاس سے حدیث
 کی طرف توجہ شروع ہوئی اور انھوں نے اس کے درس و مطالعہ تدریس اور شرح و تحشیہ کا
 ایک نیا ذوق اور ایک نئی تحریک پیدا کر دی، امید تھی کہ ان کے جانشین افراد خاندان جو اپنی
 اپنی جگہ پر محدث، مدرس اور صاحب تصنیف تھے، اس سلسلہ کو اس طرح جاری رکھیں گے کہ
 اس فن شریف کو ہندوستان کے نظام تعلیم انصاف درس اور علمی و تصنیفی سرگرمیوں میں
 نمایاں شان مقام حاصل ہوگا، خود ان کے صاحبزادہ گرامی قدر علامہ مفتی نور الحق دہلوی
 (م ۱۳۷۷ھ) جنھوں نے صحیح بخاری کی فارسی میں چھ جلدوں میں شرح لکھی اور شامل ترمذی

پر بھی ان کی شرح ہے اس سلسلہ میں ان کے شروع کئے ہوئے کام کی تکمیل فرما سکتے تھے، لیکن غالباً عہدہ قضا کی وجہ سے جس پر وہ اکبر آباد (آگرہ) جیسے مرکزی شہر میں فائز تھے، ان کو زیادہ درس و تدریس و اشاعت علم حدیث کا موقع نہیں مل سکا، ان کے نبیرہ مولانا شیخ الاسلام دہلویؒ بھی بڑے محدث تھے جن کی صحیح بخاری پر فارسی میں مبسوط شرح ہے۔

لیکن بعض معلوم اور بعض نامعلوم اسباب کی بناء پر ان حضرات کی انفرادی مساعی سے ہندوستان میں حدیث کی طرف وہ رجوع عام اور اس کی اشاعت و درس و تدریس میں وہ جوش و سرگرمی نہیں پیدا ہوئی جس کی توقع تھی، شاید اس وجہ سے بھی کہ ان حضرات پر حدیث کے ذریعہ مذہب حنفی کی تائید کا جذبہ و رجحان غالب تھا، دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ بارہویں صدی کے وسط ہی میں تعلیم و تعلم کا مرکز ثقل دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو رہا تھا، اور وہاں استاد العلماء ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ) کے بابرکت اور طاقتور ہاتھوں سے نئے نصاب کی تشکیل ہو رہی تھی، اس نصاب کے واضعین و مصنفین کا علمی رابطہ حرمین شریفین اور ان مقامات سے قائم نہیں ہو سکا تھا، جو حدیث کے درس و تدریس و خدمت و اشاعت کے مرکز تھے اور ان پر (جیسا کہ درس نظامی کی تاریخ اور کتب سوانح و تذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے) علوم حکمت اور علوم دینیہ میں سے اصول فقہ کا غلبہ تھا۔

بہر حال ہندوستان کا علمی و دینی حلقہ ایک ایسی شخصیت کا منتظر اور محتاج تھا، جو حدیث سے عشق و فریفتگی کا تعلق رکھتی ہو اور اس کے نشر و اشاعت کو اس نے اپنی زندگی کا مقصد اولیں قرار دیا ہو ہندوستان کو یہ شخصیت بارہویں صدی کے وسط میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی ذات میں حاصل ہوئی جنھوں نے صحیح معنی میں اس شعر پر عمل کیا۔ عی
ما انچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیث دوست کہ تکراری کنیم

مصنف "الثقافة الاسلامية في الهند" نے ان حضرات کا تذکرہ کرنے کے بعد جنہوں نے
 گیارہویں اور بارہویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت میں
 حصہ لیا، اور اپنے درس و تصنیف سے بڑے حلقہ کو فیض پہنچایا، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی
 خدمت حدیث کا ذکر کیا، جو اس ملک ہی میں نہیں اس دور آخر میں تجدیدی و اجتہادی شان
 اور احیاء کا رنگ رکھتی ہے اور جس سے اس ملک میں حدیث کا سکہ رائج الوقت کی طرح چلن ہو گیا
 وہ نصاب درس کا ضروری جزء اور معیار فضیلت قرار پائی، درس حدیث کے مستقل حلقے قائم ہوئے
 مدارس میں صحاح ستہ کے درس بالخصوص کتب اربعہ بخاری، مسلم، ابوداؤد و ترمذی کو تحقیق کے
 ساتھ پڑھنے کا رواج ہوا، (جواب عرب ممالک میں بھی مفقود ہے) شروح حدیث کا دور شروع ہوا
 اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر ایک وسیع و عظیم کتب خانہ تیار ہو گیا، جس کی مثال ممالک عربیہ
 میں بھی نظر نہیں آتی، کتب حدیث کے تراجم ہوئے، جن سے عامۃ المسلمین اور غیر عربی دالوں کو
 نیز مسلمان خواتین کو بیش بہا فائدہ پہنچا، اور عمل کی تحریک اور اتباع سنت کا شوق ہوا،
 اجازت حدیث اور سند کا شوق ہوا، اور ہندوستان اس فن شریف کا ایسا مرکز بن گیا کہ
 مصر کے جلیل القدر عالم علامہ سید رشید رضا مدیر المنار کے قلم سے حسب ذیل الفاظ نکلے:-
 ولولا عنايته إخواننا علماء الهند اگر ہم اے بھائیوں علمائے ہندوستان نے

اے شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت اور دعوت و تحریک کے اثر سے ہندوستان میں حدیث کے اساتذہ، شارحین
 و مصنفین کی جو جماعت کثیر پیدا ہوئی، اور اس کے نتیجے میں حدیث اور علوم حدیث پر عظیم کتب خانہ وجود پائی
 اس کی وسعت اور تنوع کا اندازہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کی کتاب "الثقافة
 الاسلامية في الهند" باب ثانی کی فصل رابع "مصنفات أهل الهند في الحديث" ص ۱۳۲-۱۶۰، یا اس کا اردو ترجمہ
 اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں "از مولانا ابوالعرفان ندوی شائع کردہ دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ۔

یعلوم الحدیث فی هذا العصر اس زمانہ میں علوم حدیث کے ساتھ
 لقضی علیہا بالزوال من امصار اعتناء نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں
 الشرق، فقد ضعف فی مصر مکمل طور پر ان کا زوال ہو چکا ہوتا،
 والشام والعراق والمجاز منذ القرن اس لئے کہ مصر، شام، عراق و حجاز
 العاشر للهجرة، حتی بلغت میں دسویں صدی ہجری ہی سے ان میں
 منتهی الضعف فی أوائل هذا ضعف پیدا ہو گیا تھا، جو اس چودھویں
 القرن الرابع عشر^{لہ} صدی ہجری کے اوائل میں اپنی انتہا کو
 پہنچ گیا۔

حدیث کے بارے میں شاہ صاحب کے خیالات و جذبات

شاہ صاحب کے لئے کون سا جذبہ اس علم کے ساتھ اشتغال، پھر اس کی نشر و اشاعت
 کی سرگرمی اور اس کے لئے اپنی زندگی اور صلاحیتیں وقف کر دینے کا محرک ہوا، اس کو
 معلوم کرنے کے لئے خود شاہ صاحب ہی کی تحریرات کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ یہ ان کے
 خیالات کا صحیح آئینہ ہے ”حجة الله بالحق“ کے مقدمہ کے پہلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں:-

إن عمدة العلوم اليقينية علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ و نتائج
 ورأسها، ومبنى الفنون الدينية اور فنون دینیہ کی اصل و اساس
 وأساسها، هو علم الحديث علم حدیث ہے جس میں فضل المرسلین
 الذي يذكرفيه ما صدر من صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل

أَفْضَلُ الْمُرْسَلِينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَالْهٖ وَسَلَّمَ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ
مَنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ، فَهِيَ
مَصَابِيحُ الدِّجَى وَمَعَالِمُ الْهُدَى
وَبِمَنْزِلَةِ الْبَدْرِ الْمُنِيرِ، مَنْ
انْقَادَ لَهَا وَوَعَى فَقَدْ رَشِدَ وَاهْتَدَى
وَأَوْتَى الْخَيْرَ الْكَثِيرَ، وَمَنْ أَعْرَضَ
وَتَوَلَّى فَقَدْ غَوَى وَهَوَى،
وَمَا زَادَ نَفْسَهُ إِلَّا التَّخْيِيرَ، فَانْهَ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَالْهٖ وَسَلَّمَ نَهَى
وَأَمْرًا، وَأَنْذَرَ وَبَشَّرَ، وَضَرَبَ
الْأَمْثَالَ وَذَكَرَ، وَإِنْهَا الْمَثَلُ
الْقُرْآنُ أَوْ أَكْثَرُ

یا کسی بات پر آپ کے سکوتِ رضائی
کا ذکرِ خیر ہوتا ہے، اس لئے یہ حدیثیں
تاریکی میں روشن چراغ، ارشادِ ہدایت
کا سنگِ میل، اور بدرِ کامل کا حکمِ رقی
ہیں، جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا اور
ان کی نگہداشت کرتا ہے تو وہ
ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب
ہوتا ہے اور جو بد بخت اس سے
اعراض و روگردانی کرتا ہے وہ گمراہ
اور ہلاک ہوتا ہے، اور اپنا ہی نقصان
کرتا ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی زندگی امر و نہی، انذار و بشار
اور نصیحت و تذکیر سے معمور ہے، اور
آپ کی حدیثوں میں یہ چیزیں قرآن ہی
کی طرح یا اس سے (مقدار میں) کچھ
زیادہ ہی ہیں۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

اول چیزے کے عقل آزار بخودش پہلی چیز جس کو عقل اپنے اوپر

واجب میگردد آنست که تتبع اخبار
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بیان
 احکام الہی و پیروی آن اخبار
 بدل و جوارح باید نمود، زیرا کہ کلام
 در شخصے است کہ تصدیق کردہ
 است بتکلیف اللہ تعالیٰ عباد خود
 را با احکام، و قصد خروج از عہدہ تکلیف
 مصمم ساختہ۔

واجب قرار دیتی ہے یہ ہے کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 حالات و ارشادات کا تتبع کیا
 جائے کہ آپ نے احکام الہی کے
 بارے میں کیا ارشاد فرمایا اور کس طرح
 ان پر عمل کیا، پھر قلب و جوارح سے
 ان اقوال و احوال کی پیروی کی جائے
 اس لئے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے
 بارے میں ہے جس نے حقیقت تسلیم
 کر لی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں
 کو اپنے احکام کا مکلف بنایا ہے
 اور اس شخص نے تکلیف شرعی کی
 اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا
 عزم مصمم کر لیا ہے۔

ہندوستان میں علم حدیث سے بے اعتنائی کا شکوہ

شاہ صاحب کے لئے ہندوستان میں علم حدیث کے احياء اور اشاعت و ترویج کا
 دوسرا محرک ہندوستان کی وہ صورت حال تھی جس کا ذکر کتاب کے باب دوم میں تفصیل سے

گز چکا ہے، دینی حلقوں پر بدعات، رسوم جاہلیت، غیر مسلموں کی تقلید اور غیر اسلامی شعائر اختیار کرنے کا دھواں چھایا ہوا تھا، جس کے اندر سے اصل اسلام کی صورت زیبا دیکھنی مشکل تھی، علمی و درسی حلقوں پر یونان سے آئے ہوئے یونانی علوم جن کو وہ فنون دانشمندی کہتے تھے، اور علوم آلیہ اور فنون بلاغت اور علم کلام کا غلبہ تھا، اور دونوں حلقوں میں علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث بار نہیں پانے پاتا تھا، اگر علوم دینیہ کی طرف توجہ بھی ہوتی تھی تو معاملہ فقہ اور اصول فقہ اور اس کی مونث گافیوں سے آگے نہیں بڑھنے پاتا تھا، اس صورت حال کو دیکھ کر شاہ صاحب فرطاً تاثر اور شدت تأسف میں لکھتے ہیں:-

”میں ان طالبان علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ اللہ کے بندو! تم یونانیوں کے علوم کے طلسم اور صرف و نحو و معانی کے دلدل میں پھنس کر رہ گئے، تم نے سمجھ لیا کہ علم اسی کا نام ہے، حالانکہ علم یا تو کتاب اللہ کی آیت حکیم ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ثابتہ، تمہیں چاہئے تھا کہ تمہیں یہ یاد رہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے نماز پڑھی، آپ کیسے وضو فرماتے تھے، قضاے حاجت کے لئے کس طرح جاتے تھے، کیسے روزہ رکھتے تھے، کیسے حج کرتے تھے، کیسے جہاد کرتے تھے، آپ کا انداز گفتگو کیا تھا، حفظِ لسان کا طریقہ کیا تھا، آپ کے اخلاق عالیہ کیا تھے؟ تم آپ کے اسوہ پر چلو اور آپ کی سنت پر عمل کرو، اس بناء پر کہ وہ آپ کا طریق زندگی اور سنت نبویؐ ہے، اس بناء پر نہیں کہ وہ فرض و واجب ہے، تمہیں چاہئے تھا کہ تم دین کے احکام و مسائل سیکھو، باقی سیر و سوانح اور صحابہؓ اور تابعین کی وہ حکایات جو آخرت کا شوق پیدا کریں تو وہ ایک کمیلی چیز اور امر زائد ہے، اس کے مقابلہ میں

تمہارے مشاغل اور جن باتوں پر تم پوری توجہ صرف کرتے ہو، وہ آخرت کے علوم نہیں ہیں، دنیاوی علوم ہیں۔

تم اپنے سے پہلے کے فقہاء کے استحضانات اور ان کی تفریعات میں غوطہ لگاتے ہو، اور یہ نہیں جانتے کہ حکم وہ ہے جو اللہ اور اس کا رسول دے، تم میں کتنے آدمی ہیں، جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث پہنچتی ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے حدیث پر نہیں ہے، پھر تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ کا ملین اور ماہرین کا کام ہے، حضرات ائمہ سے یہ حدیث مخفی نہیں ہو سکتی، پھر انہوں نے جو اس کو چھوڑا تو کسی وجہ سے جو ان پر منکشف ہوئی، مثلاً نسخ یا مرجوحیت۔

یاد رکھو کہ اس کا دین سے کچھ تعلق نہیں، اگر تمہارا اپنے نبی پر ایمان ہے تو اس کی پیروی کرو، وہ تمہارے مذہب کے موافق ہو یا مخالف، خدا کی مرضی تو یہ تھی کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ شروع سے اشتغال کرتے، اگر ان دونوں پر عمل کرنا تمہارے لئے آسان ہو تو کیا کہنا، اور اگر تمہارے فہم اس سے قاصر ہوں تو پھر کسی سابق عالم کے اجتہاد سے مدد لو، اور جس کو زیادہ صحیح، صریح اور سنت کے موافق پاؤ اس کو اختیار کرو، علوم آئیے سے اس ذہن کے ساتھ اشتغال کرو کہ وہ آلات و وسائل ہیں، ان کی مستقل حیثیت اور مقصود کا درجہ نہیں، کیا خدا نے تمہارے اوپر یہ واجب نہیں کیا کہ تم علم کی اشاعت کرو، یہاں تک کہ مسلمانوں کے ملک میں شعائر اسلام

ظاہر و غالب ہوں، تم نے شعائر کا تو اظہار نہیں کیا، اور لوگوں کو زوائد میں
مشغول کر دیا!

شاہ صاحب کو حدیث کے ذکر میں جو سرشاری کی کیفیت اور ائمہ حدیث کی ذات
کے ساتھ جو گہری عقیدت تھی اس کا کچھ نمونہ اس مکتوب میں دیکھا جاسکتا ہے، جو انھوں نے
امام بخاریؒ کے مناقب میں اپنے ایک مسترشد کو لکھا ہے۔

خدمت و اشاعت حدیث کی سرگرمی

اوپر گزر چکا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب جب اپنے اتاد و شیخ ابوطاہر مدنی سے
رخصت ہونے لگے تو انھوں نے یہ شعر پڑھا ہے

نسیتُ کل طریق کنت أَعْرِفُهُ إِلَّا طَرِيقًا يُوَدِّعُنِي لِرَبِّعَلَمِ
(میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوئے اس راستے کے جو آپ کے گھر تک پہنچاتا ہے)
شاہ صاحب نے بھی چلتے وقت فرمایا کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا، سب بھلا دیا سو آگے
علم دین حدیث کے۔

شاہ صاحب کی پوری زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ حدیث شریف
ہی کی تشریح و تفہیم، تدریس و تعلیم اور اشاعت و تعمیم میں مصروف رہے، بقول شاعر
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

۱۔ تفہیمات الہیہ مطبوعہ المجلس العلمی ڈابھیل ۱۹۳۶ء حصہ اول ص ۲۱۴-۲۱۵

۲۔ ملاحظہ ہو "کلمات طلیبات" ص ۱۶۸-۱۷۱

ہندوستان واپس آتے ہی انھوں نے حدیث کی نشر و شاعت کے لئے کیا مگر گسائی
 بہت جلد ان کا مدرسہ رحیمیہ ہندوستان کے طول و عرض میں حدیث کی سب سے بڑی درس گاہ
 بن گئی، جہاں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے تشنگانِ علم حدیث نے پروانہ وار ہجوم کیا،
 ان مقامات میں سندھ اور کشمیر جیسے دور دراز مقامات بھی تھے، دہلی اور اس کے اطراف
 اور شمالی ہند کا تو کچھ کہنا نہیں، مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز کے ماسوا کے وہ
 فرزند ارجمند اور شاہ صاحب کے کاموں کی توسیع و تکمیل کرنے والے تھے، اسی درس
 حدیث سے فائدہ اٹھانے والے فخر ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی مشہور بزرگ
 (۱۲۵۰ھ - ۱۳۰۵ھ) صاحب "تاج العروس" شرح قاموس اور "اتحاف السادة المتقين"
 شرح احیاء علوم الدین تھے جن کے تبحر و تدریس کی عالم عربی میں دھوم مچ گئی، اور جن کی
 مجلس قاہرہ میں سلاطین کے درباروں سے چشمک کرتی تھی، انھیں تلامذہ میں بہت سی وقت
 قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۳۲۵ھ) خلیفہ و ارشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں،
 و مصنف تفسیر مظہری و مالا بد بھی تھے۔

لے مدرسہ کے مولانا محمد معین دہلی آئے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے حدیث کا درس لیا اور استفادہ
 کیا، ان کی مشہور تصنیف "داسات اللیب فی الأسوة الحسنة بالمحبیب" ہے جس میں شاہ صاحب کی
 تحقیقات اور ذوق کا عکس صاف نظر آتا ہے، ۱۱۶۱ھ میں وفات ہوئی (ملاحظہ ہو نزہۃ النواظر ج ۶)
 ۱۱۷۵ھ شاہ ولی اللہ صاحب کے خاص تلامذہ اور ان کی تحقیقات و اذواق کے حامل و مبلغ خواجہ محمد امین کشمیری
 (م ۱۱۸۵ھ) تھے، جو محمد امین الہی کے نام سے مشہور ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ان کے
 شاگرد تھے، شاہ صاحب نے ان کے لئے اپنے بعض رسائل بھی تصنیف فرمائے (ملاحظہ ہو نزہۃ النواظر ج ۶)
 ۱۱۸۵ھ ملاحظہ ہو نزہۃ النواظر ج ۷۔

اس طرح ہندوستان میں صدیوں کے بعد (غالباً پہلی مرتبہ) علم حدیث کا ایسا پورا
اور اس کی طرف ایسا رجوع ہوا کہ ہندوستان، یمن کا ہمسایہ بن گیا، اور اس کے جانفزا جھوٹے
خود سرزمین حجاز تک پہنچنے لگے، نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم نے شاہ صاحب کی خدمت
و اشاعت حدیث کی سرگرمیوں کو ذکر کرتے ہوئے، عربی کے دو بلند شعر لکھے ہیں، جو حقیقت حال
کی صحیح تصویر ہیں۔

من زار بابك لم تبرح جوارحه تروى لأعاديث ما أوليت من من
فالعين عن قرّة، والكف عن صلّة والقلب عن جابر، والسمع عن حسن
(جو تہا سے دروازہ پر آیا اس کے اعضاء و جوارح تہا سے احسانات کی روایت
حدیث میں مشغول ہو گئے)

(آنکھ کہتی ہے کہ (قرّة) سے مجھے ٹھنڈک ملی، ہاتھ کہتے ہیں کہ ہم (صلہ) سے
مالا مال ہوئے، دل راوی ہے کہ اس کو (جابر کے ذریعہ) سکون کی دولت حاصل
ہوئی، کانوں کی روایت ہے کہ وہ (حسن کی بدولت) اچھی اچھی باتوں سے
معمور ہوئے۔)

لطف یہ ہے کہ ان اعضاء نے جن احسانات کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کے سلسلے میں جن مجتہدین
کے نام لئے ہیں، وہ سب راویان حدیث اور شیوخ کا ملین ہیں، مثلاً قرّة بن خالد السدوسی،
صلہ بن اشیم العدومی، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، اور امام حسن بصریؒ۔

لے اسی مدرسہ ولی اللہی کے فضلاء اور شاہ صاحب کے تلامذہ کے تلامذہ شاہ اسحق صاحب دہلوی، اور
شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نے حرمین شریفین میں خدمت و درس حدیث کی بساط بچھائی اور عرب و عجم کو
فیض پہنچایا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ النواظر ج ۷۔

شاہ صاحب کی تصنیفی خدمات

شاہ صاحب نے حدیث اور علوم حدیث پر جو تصنیفات کیں ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ مصنف (موطا امام مالک کی فارسی شرح)

۲۔ مسوٹی (موطا کی عربی شرح)

شاہ صاحب فقہ حدیث اور درس حدیث کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے، یہ دونوں کتابیں اس کا نمونہ ہیں اور ان سے شاہ صاحب کی علوم حدیث اور فقہ حدیث میں محققانہ اور مجتہدانہ شان کا اظہار ہوتا ہے، وہ موطا کو صحاح ستہ میں پہلے درجہ پر رکھتے تھے اور اس کو ان میں ابن ماجہ کی جگہ پر شمار کرتے تھے، وہ موطا کے بے حد قائل اور اس کے ساتھ اعتناء کرنے اور اس کو درس حدیث میں اولیت دینے کے پر جوش داعی اور مبلغ ہرگز شاہ صاحب اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

چوں قدرت بزبان عربی یافت	جب عربی زبان پر قدرت حاصل
موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی	ہو جائے موطا کے اس نسخہ کو جو
بخوانند و ہرگز آں را معطل	یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت
نگذارند کہ اصل علم حدیث	سے بے پڑھائیں، ہرگز اس سے
ہست و خواندن آن فیض ہاداد و مارا	پہلو تہی نہ کریں کہ وہ علم حدیث کی

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا عبید اللہ سندھی کا مقالہ "الفرقان" شاہ ولی اللہؒ نمبر ۲۹۲-۲۹۸

لے ملاحظہ ہو مقدمہ نمبر "الفائدة الثانية في درجة الموطا من بين كتب الحديث"

مقدمہ اوجز المسائل از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ۳۳-۳۴ مطبوعہ مطبعة السعادة مصر ۱۳۹۳ھ

سماع جمیع آن مسلسل است
اصل ہے اور اس کا پڑھنا بڑے
فیوض کا حامل ہے، ہم کو مکمل موطا
کی سماعت مسلسل طریقہ پر حاصل ہے۔

۳۔ شرح تراجم ابواب صحیح بخاری، صحیح بخاری کے تراجم و ابواب کی جو ہر زمانہ میں
درس بخاری کے سلسلہ کی دقیق ترین چیز سمجھی گئی ہے اور ہر زمانہ میں بخاری کے شراح اور
اساتذہ نے اس میں اپنی ذہانت اور دقیقہ سنجی کے نمونے پیش کئے ہیں، یہ رسالہ عربی میں ہے
پہلے ۱۳۲۳ھ میں دائرۃ المعارف، حیدرآباد سے شائع ہوا، پھر اصح المطابع، دہلی کے
صحیح بخاری کے نسخے کے شروع میں بطور مقدمہ شامل کیا گیا۔

۴۔ مجموعہ رسائل اربعہ چار مختصر رسائل کا مجموعہ ہے جن میں ”ارشاد الیٰ مهمات الاسناد“
اور تراجم البخاری (یہ شرح تراجم ابواب بخاری کے علاوہ ہے اور صرف ایک ورق پر ہے)
شاہ صاحب کی تصنیف ہیں۔

۵۔ ”الفصل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین“ النوادر من حدیث سید
الاول والاولیٰ والآخر“ اربعین شاہ صاحب نے اس فضیلت کے حصول کے لئے جو چالیس
احادیث جمع کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اور مختلف زمانوں میں علماء نے اس پر عمل
کیا ہے، یہ رسالہ تصنیف کیا، یہ احادیث عام طور پر بہت مختصر قلیلۃ المبنی کثیرۃ المعنی
ہیں اور رسالہ اس قابل ہے کہ زبانی یاد کیا جائے، اور نصاب میں داخل کیا جائے۔

۱۱ وصیت نامہ فارسی ص ۱۱

۱۲ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارن پوری (م ۱۴۲۵ھ) کے رسالہ ”تراجم ابواب بخاری“
میں بھی وہ شامل ہے۔

وہ کتابیں جو براہ راست فن حدیث پر نہیں ہیں، مگر ان کا بالواسطہ حدیث سے تعلق ہے اور وہ مقدمات علم حدیث کے طور پر پڑھی جانی چاہئیں، اور ان سے شاہ صاحب کی علم حدیث پر گہری نظر، فقہ و حدیث میں تطبیق اور مذاہب کے محاکمہ میں انصاف و وسعت قلب طبقات محدثین اور طبقات کتب حدیث کے بارے میں ان کی وسیع نظر اور عمومی طور پر ان کے اس توازن و اعتدال کا اندازہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا، یہ کتابیں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف"

"حجة الله بالانصاف" میں تتمہ ۲ کے عنوان سے چند عناوین و مضامین میں جو صفحہ ۱۴۰-۱۶۲ تک پھیلے ہوئے ہیں، یہ تتمہ چار ابواب پر منقسم ہے، ناشر کی تحقیق ہے کہ یہ تتمہ صرف ایک ہی نسخہ میں پایا گیا، اس باب کے آخر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"میں نے ایک مستقل کتاب کی تالیف کا غرض کیا جس کا نام "غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" رکھوں گا، اور اس میں تفصیل سے اسباب اختلاف پر بحث اور اس کے شواہد و امثال بھی پیش کروں گا، لیکن اس وقت تک اس کام کے لئے فرصت نہیں ملی، جب اس کتاب (حجة الله بالانصاف) میں اس مقام تک بحث پہنچی تو میں نے مناسب سمجھا کہ جو کچھ اس وقت ذہن میں ہے اور اس کا قلم بند کرنا آسان ہے، اس کو پیش کر دوں۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں شاہ صاحب کو اس کا موقع ملا اور حجة الله کے

اس مضمون کو لے کر کچھ اضافوں کے ساتھ علیحدہ رسالہ میں "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" کے نام سے مکمل کر دیا، اس لئے اس رسالہ اور حجة الله کے تتمہ دوم میں کہیں کہیں اختلاف اور خفیف حذف و اضافہ نظر آتا ہے۔

یہ رسالہ الانصاف (جو اپنے موضوع پر مفرد ہے) ہندوستان اور بیرون ہند میں کئی مرتبہ شائع ہوا، جن میں کہیں کہیں الفاظ کا اختلاف پایا جاتا تھا، ۱۳۲۷ھ میں "شرکتہ المطبوعات العلمیہ" مصر کی طرف سے پہلی مرتبہ اور "مکتبۃ المنصورة" مصر کی طرف سے دوسری مرتبہ رسالہ عربی ٹائپ میں شائع ہوا، اس وقت ہمارے سامنے "دار النقاہ" بیروت کا عمدہ ٹائپ کا چھپا ہوا نسخہ ہے، جو چھوٹے سائز کے ایک سو گیارہ صفحات میں آیا ہے، عصر حاضر کے محدث جلیل شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے اس کے مقابلہ اور تصحیح کی خدمت انجام دی اور اس پر حواشی کا اضافہ کیا۔

۲۔ عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید۔

۳۔ حجة الله البالغة کا المبحث السابع۔

در حقیقت حجة الله البالغة کے پہلے حصہ کے القسم الثانی فی بیان اسرار ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تفصیلاً سے لے کر دوسرے جز کے آخری حصہ "الفتن والمناقب" تک حدیث ہی کی حکیمانہ اور متکلمانہ شرح اور اس کے اسرار و حکم، اور اس کی عملی تطبیق کی وہ مجتہدانہ کوشش ہے جو شاہ صاحب ہی کا حصہ تھا، اور جس میں ان کو سبقت و اولیت حاصل ہے، افسوس ہے کہ حجة الله البالغة کا مطالعہ کرنے والے اور اس کا درس دینے والے بھی (علیٰ انہم اقل قلیل) اس حصہ کو غیر اہم سمجھ کر

تطبیق بین الفقہ والحدیث

عرصہ سے عالم اسلام کے بہت سے علمی، تدریسی اور تصنیفی حلقوں میں فقہ و حدیث کے دو متوازی سلسلے چلے آ رہے تھے، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر (جیسے اس کا اجرا ہوا تھا) دوسرے سے مستغنی و بے نیاز ہو کر اپنا سفر طے کر رہا تھا، اور اکثر اوقات ایک دوسرے سے جدا ہو کر پھر وہ کسی نقطہ پر جا کر ہکنا رہ نہیں پوتے تھے، بہت سے فقہی مسلکوں میں حدیث اسی وقت زیر بحث آتی، جب مسئلہ کی تائید اور دوسرے مذہب فقہی کے نمائندوں کے اس اعتراض کو دفع کرنا ہوتا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے، یا دوسرے مذہب پر اس کی ترجیح ثابت کرنی ہوتی، اصلاح کے درس میں یا تو ان احادیث کی تاویل کی جاتی جو اپنے مذہب کے خلاف پڑتیں یا دوسری کتابوں کی ان احادیث کو پیش کیا جاتا جو اپنے مذہب کی تائید میں ہیں، اگر کسی مذہب فقہی کی کسی مستند و میاری کتاب میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے تو بعض اوقات اس مذہب کے ان علماء نے جن کی فن حدیث پر وسیع نظر تھی اور محدثانہ ذوق رکھتے تھے، ان احادیث کی تخریج کی کوشش کی ہے اور ان پر محدثانہ کلام کیا ہے، جن سے اس کتاب میں استدلال کیا گیا ہے، تو یہ سعی محمود بھی اس مذہب فقہی کی تائید و نصرت اور اس کو مطابق حدیث ثابت کرنے کا ایک طریقہ اور اس مذہب کی ایک عالمانہ اور محققانہ خدمت تھی، جو قابل قدر اور مستحق شکر ہے، نفس مسائل پر نظر ثانی کرنے اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی کوشش نہیں تھی۔

لہٰذا اس کی ایک روشن مثال علامہ زلمی کی کتاب "نصب الایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ" ہے۔

مذہب فقہیہ کے کچھ ایسے آہنی سانچے بن گئے تھے جن کا ٹوٹ جانا تو ممکن تھا، پھیلنا ممکن نہیں تھا، ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے متعلق یہ خیال قائم کئے ہوئے تھے کہ ان کے مذہب کا سو فیصدی صحیح ہونا تو اصل حقیقت ہے باقی بشریت کی بناء پر غلطی کا امکان ضرور ہے کسی نے اس طرز فکر کو بڑے بلیغ انداز میں اس جملہ سے ادا کیا ہے "مذہبنا صوابٌ یحتمل الخطاء ومذہب غیرنا خطاءٌ یحتمل الصواب" (ہمارا مذہب اصل میں تو درست اور حق ہے خطا کا احتمال ہے، اور دوسرے کا مذہب (فقہی) اصلاً نا صواب ہے، صحت کا احتمال ہے) اس طرز فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے درمیان (جن کو امت نے عام طور پر سند قبول عطا کی اور جن کے متعلق اہل حق و اہل علم کے درمیان شروع سے یہ اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ حق ان میں دائر ہے، ان کے بانی اور مؤسس ائمۃ الہدیٰ اور امت کے پیشوا تھے اور یہ مذاہب حقانی ہیں) خلیج روز بروز عمیق اور وسیع ہوتی چلی جا رہی تھی ان پر عمل کرنے والوں کے درمیان اختلاف منافرت تک اور بحث و مناظرہ بعض اوقات مجادلہ اور مقابلہ تک پہنچ جاتا تھا، اس سے زیادہ سخت معاملہ ان اہل علم کے ساتھ ہوتا تھا، لہٰذا یعنی اس مذہب کو ترک کر کے دوسرے مذہب کو اختیار کر لینے حنفیت سے شافعیت یا بالعکس یا عمل یا حدیث کا مسلک اختیار کر لینے کی مثالیں ہر زمانہ میں ملیں گی، لیکن ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر بعض مسائل سے جزئی طور پر عدول اور کسی دوسرے مذہب کے مسئلہ کو اختیار کر لینے، یا کسی مسئلہ میں حدیث پر عمل کرنے کی مثالیں بہت کم ملیں گی، اس لئے کہ بہت سے حضرات کے نزدیک "تجزی تقلید" صحیح نہیں، یعنی کسی مذہب امام کا تقلید کسی مسئلہ میں بھی اگر دوسرے مذہب امام کی تقلید اور اس کے مسئلہ پر عمل کرے تو وہ اپنے امام کی تقلید کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

جو کئی یا جزئی طور پر عبادات میں حدیث پر عمل شروع کر دیتے تھے اس کی ایک مثال اسی بارہویں صدی کے ایک سلفی عالم و محدث مولانا شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی (۱۱۲۰ھ-۱۱۶۴ھ) ہیں، جو بعض مصنفین کی روایت کے مطابق اپنے اتباع حدیث و سلفیت کی وجہ سے عوام کی ناراضگی کا نشانہ بنے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مجددانہ کارناموں میں ایک کارنامہ اور خدمت حدیث اور انتصار للسنۃ ہی کے سلسلہ زریں کی ایک اہم کڑی ان کی فقہ و حدیث میں تطبیق کی اور پھر مذاہب اربعہ میں جمع و تالیف کی کوشش تھی، اس سے اس بشارت نبوی کی تصدیق ہوتی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ تم سے خدا اس امت کی شیرازہ بندی کے ایک خاص نوع کا کام لے گا۔

جہاں تک ہندوستان کے تحتی براعظم کا تعلق ہے اس میں اس طرز فکر اور جمع و تطبیق کی اس کوشش کا سراغ نہیں ملتا اور اس کے تاریخی و علمی اسباب ہیں یا تحتی براعظم شروع سے ان فاتحین اور بانیان سلطنت کے زیر نگین رہا جو یا ترکی النسل تھے یا افغانی النسل، اور یہ دونوں قومیں تقریباً اپنے اسلام قبول کرنے کے زمانہ سے مذہب حنفی کی حلقہ بگوش بلکہ اس کی حمایت اور نشر و اشاعت میں سرگرم اور پر جوش رہیں، یہاں اسلام کی تقریباً آٹھ سو سال کی تاریخ میں مذہب مالکی اور مذہب حنبلی کو تو قدم بھی رکھنے کا موقعہ نہیں ملا، شافعی مذہب سواصل تک محدود رہا، یا جنوبی ہند مدراس اور شمالی کنارے (موجودہ کرناٹک کے) بعض حصوں بھٹکل وغیرہ اور کیرالا میں محدود رہا، ان میں بھی مالابار (قدیم بلاد المعبر) کو مستثنیٰ کر کے جہاں زیادہ تر شافعی مسلک کے داعیان اسلام، تجارت، مشائخ اور فقیہ و عالم آئے، شیخ مخدوم لے شیخ فاخر الہ آبادی کے تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ النواظر" ج ۶ ص ۱۵ فیوض الحرمین ص ۱۲

فقیہ علی مہامی (م ۸۳۵ھ) صاحب تفسیر تبصیر الرحمن وتیسیر المنان، اور مالابار کے شیخ
مخدوم اسماعیل فقیہ السکری الصدیقی (م ۹۲۹ھ) نیز مخدوم شیخ زین الدین طیباری (م ۹۲۸ھ)
صاحب فتح المعین کے علاوہ ہمارے محدثوں میں اس پایہ کے شافعی فقیہ و محدث نہیں پیدا ہوئے
جو ہندوستان (بالخصوص شمالی ہند کے) علمی حلقوں پر گہرا اثر ڈالتے، اور علماء خفیہ کو فقہ شافعی
پر عمیق نظر ڈالتے اور اس سے استفادہ پر آمادہ کرتے، ہندوستان سے جو علماء اور طالبان علم حدیث
وفقہ حجاز جاتے (جو ترکی سلطنت کے زیر انتظام تھا، اور ترک ہر دور میں سو فیصدی سنی اور حنفی
سے ہیں) وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی مذہب کے علماء اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ہم وطن اساتذہ فقہ
و حدیث سے رابطہ رکھتے، جو وہاں ہندوستان یا افغانستان سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور
ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب پہلے شخص تھے، جن کا حرمین شریفین میں صل تلمذ اور استفادہ ایک
جلیل القدر شافعی محدث شیخ ابوطاہر کردی مدنی سے تھا، وہ ان کے علم، ان کی شخصیت اور ان کے
باطنی کمالات، وسعت نظر اور وسعت قلب سے بھی متاثر ہوئے، شاہ صاحب نے انسان العین میں
اپنے جن مشائخ حرمین کا تعارف کرایا، ان میں صرف ایک شیخ تاج الدین قلعی خفی عالم و محدث
تھے، ان مشائخ میں شیخ محمد وقد الشربین شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مالکی المذہب تھے، جس دور میں
شاہ صاحب نے حرمین میں قیام کیا ہے، اس دور میں حجاز کی علمی قیادت اور تعلیم و تدریس کے میدان
(بالخصوص فن حدیث کی تعلیم) میں سربراہی اور پیشوائی علماء و محدثین میں یا کردی النسل علماء
لہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "عرب و دیار ہند" تالیف مولانا خواجہ بہاء الدین اکرمی ندوی بھٹکی۔

علامہ شمس علامہ شیخ علی متقی برہانپوری، صاحب کنز العمال، علامہ قطب الدین نہروالی، ملا علی قاری ہروی کی،
شیخ عبد الوہاب متقی اور شیخ محمد حیاہ ندوی وغیرہ۔

کے ہاتھ میں تھی، اور وہ بالعموم شافعی تھے، ان تمام اسباب کی بناء پر شاہ صاحب کو فقہ شافعی کے اصول و قواعد اس کی خصوصیات اور بعض ماہ الاقتیاز چیزوں سے واقف ہونے کا پورا موقع ملا، اور اسی طرح فقہ مالکی اور فقہ حنبلی سے بھی باخبر ہونے کا وہ موقع ملا جو علمائے ہندوستان کو طویل عرصہ سے (تاریخی، جغرافیائی، سیاسی، اور تمدنی اسباب کی بناء پر) میسر نہیں آیا تھا، اور اس طرح مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ (الفقہ المقارن) ان کے لئے ممکن اور آسان ہوا، جو ان علماء کے لئے دشوار تھا، جن کو یہ مواقع حاصل نہیں ہوئے تھے۔

شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ میں تیس سال کی عمر میں جب وہ تقریباً بارہ سال ہندوستان میں درس دے چکے تھے عازم حجاز ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں فطری طور پر جو جامعیت نظر و قلب میں وسعت اور فطرتاً تطبیفی ذوق اور عارف روی کی اس وصیت پر عمل کرنے کا فطری رجحان پیدا کیا تھا کہ

تو برائے وصل کردن آدمی

نے برائے فصل کردن آدمی

اس کی بناء پر سفر حجاز سے پہلے ہی ان کے اندر تطبیق بین الفقہ والحدیث کا جذبہ اور فقہائے محدثین کے مسلک کو ترجیح دینے اور اس کو اپنی زندگی کا وتیرہ بنانے کا عزم پیدا کر دیا گیا تھا، الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف میں خود تحریر فرماتے ہیں:-

بعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ

واصول فقہ ایشاں واحادیثہ کہ

تمسک ایشاں است قرار داد

خاطر پید نور غیبی روش فقہائے محدثین

مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ

کی کتابوں کے مطالعہ اور جن احادیث

سے وہ استدلال کرتے ہیں ان پر غور

و فکر کرنے کے بعد طبیعت میں فقہائے محدثین

افتاد بعد ازاں شوق زیارت حرمین کی روش کی پسندیدگی قرار پذیر ہوئی،
 محترمین در سرافقاد۔
 اس میں نور غیبی کی مدد بھی شامل تھی
 اس کے بعد حرمین محترمین کی زیارت
 کا شوق دامن گیر ہوا۔

شاہ صاحب نے غالی فقہاء (جو اپنے مذہب سے سروانحراف کرنے کے لئے تیار نہیں) اور
 فرقہ ظاہریہ (جو مطلقاً فقہ کا منکر اور ان فقہاء کی شان میں لب کشائی کرتا ہے جو حاملین علم کے
 سرتاج اور اہل دین کے امام و پیشوا ہیں) کی روش پر سخت تنقید کی ہے اور دونوں کے غلو و
 انتہا پسندی کو ناپسند کیا ہے اور صاف لکھا ہے کہ ”إِنَّ الْحَقَّ أَمْرٌ بَيْنَ بَيْنٍ“ معاملہ بین بین ہے
 نہ پہلا فریق سو فیصدی حق پر ہے نہ دوسرا فریق۔

شاہ صاحب اپنی معرکہ الآراء کتاب ”حجة الله بالانوار“ میں تحریر فرماتے ہیں:۔
 ”ایک طرف کلام فقہاء پر تخریج، دوسری طرف احادیث کے الفاظ کا تفسیر و ترویج
 کی دین میں مستحکم اصل موجود ہے اور ہر زمانہ کے علمائے محققین ان دونوں اصولوں پر
 عمل کرتے رہے ہیں، بعض ایسے ہیں جن کا تخریج کے بارے میں قدم سمجھے اور حدیث کے
 الفاظ کے متن میں قدم آگے ہے، اور بعض اس کے برعکس ان میں سے کسی ایک اصول سے بھی
 مطلقاً صرف نظرنا سبب نہیں، جیسا کہ فریقین کے عوام کا شیوہ ہے، اس بارے میں
 صراطِ مستقیم یہی ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی جائے اور ایک کی
 کمی دوسرے سے پوری کی جائے، اور یہی امام حسن بصریؒ کا قول ہے:“

لے الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف شمولاً انفاً من طبع مجتہدائی ص ۲۳۳-۲۳۴ حجة الله بالانوار

جزء اول تفصیل کے لئے پوری بحث ”حکایة حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها“ میں دیکھی جائے۔

اپنے فارسی وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

در فروع پیروی علماء محدثین کہ
جامع باشند میاں فقہ و حدیث کردن
و دائماً تفریجات فقہیہ را بر کتاب
و سنت عرض نمودن۔
مسائل فروعی میں ایسے علماء محدثین
کی پیروی کرنی چاہئے جو فقہ و حدیث
دونوں کے عالم ہوں، مسائل فقہیہ کو
کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاتے
رہنا چاہئے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:-

امت را هیچ وقت از عرض مجتہد
بر کتاب و سنت استغناء حاصل
نیست۔
امت کے لئے قیاسی مسائل کا
کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقابل
کرتے رہنا ضروری ہے اس سے
کبھی بے نیازی نہیں ہو سکتی۔

شاہ صاحب کا سارا علمی نشوونما فقہ حنفی و اصول فقہ حنفی کے ماحول میں ہوا تھا، اور وہ
مذہب حنفی کی خصوصیات سے اتنا ہی واقف اور ان کے اتنا ہی قائل تھے، جتنا کہ کوئی بڑے
سے بڑا حنفی عالم ہو سکتا ہے، وہ اس حقیقت سے واقف تھے اور جا بجا اس کا اظہار کرتے ہیں کہ
مختلف تاریخی، علمی، سیاسی و تمدنی اسباب کی بناء پر جتنی فقہ حنفی (نیز فقہ شافعی) کی خدمت
ہوئی ہے اور ان کی نوک پلک درست کی گئی ہے، ان کے متون کی شرح اور اصول کی تفریع کی گئی ہے

ما کسی دوسرے مذہب کے سلسلہ میں پیش نہیں آیا، وہ امام ابو حنیفہؒ کے متعلق لکھتے ہیں:-

كان عظيم الشأن في التخرج على
مذهب ابراهيم وأقرانه
دقيق النظر في وجوه التخرجات
مقبلا على الفروع اتم إقبالاً^{۱۵}
امام ابو حنیفہ کا مرتبہ ابراہیمؒ یعنی اور
ان کے ہم مرتبہ علماء کے مذہب پر
اجتہاد و استنباط کے سلسلہ میں بہت
بلند تھا، ان تخریجات کے وجوہ و اشکال
میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے، مسائل
جزئیہ اور فروع کے استخراج میں ان کا
انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ وہ امام مالکؒ کی عظمت اور خاص طور پر موطا کی صحت اس کے
رتبہ و مقام اور اس کی برکت کے نہ صرف قائل بلکہ داعی ہیں اور اس کو حدیث کی اساسی کتابوں
سمانتے ہیں، دوسری طرف مذہب شافعی کے منقح و مصنف اور حدیث سے اقرب ہونے کا ذکر
بند الفاظ میں کرتے ہیں، اور امام شافعی کی دقیق النظری کے بڑے قائل ہیں۔

پھر اس کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے حجة الله الباقی میں لکھتے ہیں:-
فكان اعظمهم شأناً وأوسعهم
رواية، وأعرفهم للحديث مرتبةً
وأعمقهم فقهاً أحمد بن حنبلؒ
ثم اسحاق بن راهويه^{۱۶}
ان فقہاء محدثین میں سب سے عالی مرتبہ
وسیع الروایۃ، حدیث سے باخبر اور
تفقیہ میں عمیق النظر امام احمد بن حنبلؒ
پھر اسحاق بن راہویہ ہیں۔

^{۱۵} لے الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف طبع دار الفاس، بیروت ۱۳۹۲ھ ملاحظہ ہو مقدمہ مصنف۔

^{۱۶} ملاحظہ ہو اخیر الکثیر ۱۲۲۲ و کتاب قرۃ العینین ۲۳۲ ۱۵ حجة الله الباقی ج ۱ ص ۱۵

ان ائمہ اربعہ کے علو شان، وسعت علم، دقت نظر اور امت پر احسان سے (ان کتابوں اور تاریخ و تراجم کے ذریعہ) براہ راست واقفیت اور ان سے دلی عقیدت کی بناء پر شاہ صاحب میں وہ جامعیت اور فقہ و حدیث کے تقابلی مطالعہ میں وہ توازن و اعتدال پیدا ہو گیا جس کی قدرۃ ان علماء و مصنفین سے توقع نہیں کی جاسکتی، جن کا مطالعہ اور ذہنی وابستگی ایک ہی مذہب فقہی اور اس کے بانی و مؤسس سے تھی، اور ان کو اس دائرہ سے باہر نکلنے کی (بہت سے) طبعی و شخصی اسباب کی بنا پر) نوبت نہیں آتی۔

اجتہاد و تقلید کے درمیان نقطہ اعتدال

حضرت شاہ صاحب کے ان وہی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص طور پر نوازا تھا، وہ متوازن و معتدل مسلک اور وہ نقطہ اعتدال ہے جو انھوں نے اجتہاد و تقلید کے درمیان اختیار کیا، اور جو ان کی طبع سلیم، ذوق صحیح اور حقیقت پسندی کا بہترین مظہر ہے، ایک طرف وہ لوگ تھے جو ہر مسلمان کو خواہ عامی ہو یا خاص براہ راست کتاب و سنت پر عمل کرنے اور ہر معاملہ میں وہیں سے احکام حاصل کرنے کا مکلف قرار دیتے تھے اور تقلید کی مطلق حرمت کے قائل تھے اگر ان کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ملتی تو ان کے طرز عمل اور ان کی تحریروں سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے اس گروہ میں نقادین میں علامہ ابن حزم پیش پیش نظر آتے ہیں لیکن یہ بالکل ایک غیر عملی بات ہے اور اس کا ہر مسلمان کو مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق ہے۔

دوسری طرف وہ گروہ تھا جو تقلید کو اسی طرح ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا تھا اور اس تارک کو سخت فقہی احکام "فاسق" اور "ضال" سے یاد کرتا تھا جیسا کہ پہلا گروہ مقلدین

اور کسی خاص مذہب فقہی کے متبعین کو، یہ گروہ اس حقیقت کو بھول جاتا تھا کہ تقلید عوام کو نفسانیت اور خود رائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اور فوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں وحدت و نظم پیدا کرنے، اور احکام شریعت پر سہولت عمل کرنے کا موقعہ دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے، لیکن انھوں نے اس انتظامی عمل کو شرعی عمل کا درجہ دے دیا، اور اس پر اس شدت سے اصرار کیا جس نے اس کو ایک مذہب فقہی اور مسئلہ اجتہادی کے بجائے منصوص اور قطعی عمل اور مستقل دین کا درجہ دے دیا۔

شاہ صاحبؒ نے اس بارے میں جو مسلک اختیار کیا، اور اس کی جو تعبیر کی وہ روح شریعت سے قریب تر، قرن اول کے عمل سے زیادہ ہم آہنگ، فطرت انسانی سے زیادہ مطابق اور عملی زندگی سے سازگار ہے، اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی دینی زندگی میں عبادات و معاملات میں جو نئے نئے مسائل و مشکلات پیش آتے تھے، ان کو وہ کس طرح حل کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں وہ کیا راستہ اختیار کرتے تھے، ”حجة الله البالغة“ کے باب ”حکایة حال الناس قبل المائة الرابعة و بعدھا“ (چوتھی صدی ہجری سے پیشتر اور اس کے بعد کے لوگوں کا مسائل دینی کی تحقیق و عمل کے بارے میں کیا طرز عمل تھا؟) میں تحریر فرماتے ہیں:-

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا طرز عمل

”معلوم ہونا چاہیے کہ چوتھی صدی سے قبل کے لوگ کسی ایک معین مذہب (فقہی) کی پابندی اور اس کی مکمل تقلید پر اجماع کئے ہوئے نہیں تھے، ابوطالب مکی (اپنی مشہور کتاب ”قوت القلوب“ میں لکھتے ہیں: کہ تصنیفی انداز کی کتابیں (اور

فقہی مسائل کے مجموعے) اس زمانہ کے بعد کی باتیں ہیں، لوگوں کی کہی ہوئی باتوں کا کہنا کسی ایک مذہب پر فتویٰ دینا، اس کے قول کو دستور العمل بنالینا اور اسی کو نقل کرنا اور اسی مذہب کے اصولوں اور بنیادوں پر تفقہ کا پہلی اور دوسری صدی میں وجود نہیں تھا۔

میں اس میں اضافہ کر کے کہتا ہوں کہ دو ابتدائی صدیوں کے بعد تخریج کا کسی قدر سلسلہ شروع ہوا لیکن یہ بات مسلم ہے کہ چوتھی صدی کے لوگ ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر تقلید خالص کے پابند اور اسی کے مطابق مسائل احکام میں تفقہ اور اسی مذہب کے تحقیقات و اجتہادات کی نقل و روایت کے عادی نہیں تھے، جیسا کہ تتبع سے معلوم ہوتا ہے۔

امت اور (مسلم معاشرہ) میں دو طبقے تھے ایک علماء کا ایک عوام کا۔ عوام کا توفیق یہ ہے کہ وہ ان اجماعی مسائل میں جن میں مسلمانوں یا جمہور مجتہدین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ صرف صاحب شرع (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تقلید کرتے تھے، وہ وضو، غسل کرنے اور نماز و زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ اور اسی طرح کی عبادات و فرائض، اپنے والدین یا اپنے شہر کے استادوں عالموں سے اخذ کرتے تھے، اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے، اور اگر کوئی نئی بات پیش آتی تو اس کے بارے میں کسی مفتی سے بھی جس تک ان کی رسائی ہوتی تھی، کسی خاص مذہب کے تعین کے بغیر رجوع کر لیتے تھے، اور اس سے مسئلہ پوچھ لیتے تھے۔ جہاں تک خواص کا تعلق ہے ان کا معاملہ یہ تھا کہ جن کافرانہ حدیث تھا، وہ حدیث سے اشتغال رکھتے تھے، ان کو احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کا تناذ خیرہ

مل جانا تھا، کہ اس کی موجودگی میں ان کو اس مسئلہ میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، ان کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی حدیث جو درجہ شہرت، استفاضہ یا صحت کو پہنچی ہوئی تھی، یا صحیح حدیث ہوئی تھی، موجود تھی، جس پر فقہاء اور علمائے کبار میں کسی نہ کسی نے عمل کیا ہوتا تھا، اور کسی کے پاس اس کو ترک کرنے کا کوئی معقول عذر نہیں ہوتا تھا، یا جمہور صحابہؓ اور تابعین کے پے درپے ایک دوسرے کی تائید کرنے والے اقوال ان کے پاس ہوتے تھے، جن سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تھی، اگر ان میں سے کسی کو مسئلہ میں کوئی ایسی چیز نہ ملتی جس سے اس کا قلب مطمئن ہوتا، نقول کے تعارض یا ترجیح کے اسباب کے عدم و حجت کی وجہ سے یا کسی اور معقول سبب سے تو پھر وہ اپنے پیشرو فقہاء اور علماء کے کلام کی طرف رجوع کرتا تھا، اگر اس کے بارے میں اس کو دو قول ملتے، تو ان میں سے وہ اس کو اختیار کر لیتا جو زیادہ قوی اور مدلل ہوتا، چاہے یہ قول علمائے مدینہ کا ہوتا، یا علمائے کوفہ کا، جو تخریج (اجتہاد و استنباط) کی اہلیت رکھتے تھے، وہ ایسے مسئلہ میں جس میں ان کو کوئی صراحت نہیں ملتی تھی، تخریج و اجتہاد سے کام لیتے تھے، یہ لوگ اپنے اساتذہ یا اہل گروہ کی طرف منسوب کئے جاتے تھے، مثلاً کہا جاتا تھا کہ فلاں شافعی ہے، فلاں حنفی، علمائے حدیث میں بھی جو کسی مذہب سے زیادہ اتفاق کرتا تھا، اس کی طرف منسوب ہو جاتا تھا، مثلاً نسائی اور بیہقی کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کی جاتی تھی، اس زمانہ میں قضاء و افتاء پر اسی کا تقرر کیا جاتا تھا، جس میں اجتہاد کی صلاحیت ہوتی تھی، فقہی بھی وہی کہلاتا جو مجتہد ہوتا، پھر ان صدیوں کے بعد دوسری طرح کے لوگ

پیدا ہوئے جنہوں نے چپ و راست کا راستہ اختیار کیا ہے

تقلید کی جائز اور فطری شکل

شاہ صاحب غایت انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کو تقلید کے بارے میں معذور سمجھتے ہیں جو کسی مذہب فقہی یا معین امام کا تقلید تو ضرور ہے لیکن اس کی نیت محض صاحب شریعت کی پیروی اور اتباع نبوی ہے لیکن وہ اپنے اندر اس کی اہلیت نہیں پاتا کہ وہ حکم شرعی اور جو چیز کتاب سنت سے ثابت ہے اس تک براہ راست پہنچ جائے اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً وہ عامی شخص ہے یا اس کے پاس براہ راست تحقیق کرنے کے لئے وقت و فرصت نہیں یا ایسے وسائل (علم و تحقیق) حاصل نہیں جن سے وہ نصوص کا خود پتہ چلا لے یا ان سے مسئلہ استنباط کر لے شاہ صاحب علامہ ابن حزم کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ تقلید حرام ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کر لے تحریر فرماتے ہیں :-

”ابن حزم کے قول کا مصداق وہ شخص نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے قول کے علاوہ کسی کو اپنے لئے واجب الطاعت نہیں سمجھتا، وہ حلال

اسی کو گردانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حلال کیا، اور حرام اسی کو

مانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا، لیکن چونکہ اس کو براہ راست

آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے اقوال و احوال) کا علم حاصل نہیں اور وہ

آپ کے مختلف اقوال میں تطبیق دینے کی صلاحیت اور آپ کے کلام سے

مسائل استنباط کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہ کسی خدا ترس عالم کا دامن پکڑ لیتا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ صحیح بات کہتا ہے اور اگر مسئلہ بیان کرتا ہے تو اس میں وہ محض سنت نبویؐ کا پیرو اور ترجمان ہوتا ہے، جیسے ہی اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ خیال صحیح نہیں تھا، اسی وقت وہ بغیر کسی بحث و اصرار کے اس کا دامن چھوڑ دیتا ہے، بھلا ایسے آدمی کو کوئی کیسے مطمئن کرے گا، اور اس کو یہ دشرعیت کا مخالف قرار دے گا؟!

سب کو معلوم ہے کہ استفتاء اور افتاء کا سلسلہ عہد نبویؐ سے لے کر برابر چلتا رہا ہے اور ان دونوں میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ ایک سے فتویٰ لیتا ہے، یا کبھی ایک سے فتویٰ لیتا ہے کبھی دوسرے سے، ایسی حالت میں کہ اس کا ذہن صاف ہے، اس کی نیت سلیم ہے، اور وہ صرف اتباع شریعت چاہتا ہے، یہ بات کیسے جائز نہیں؟ جبکہ کسی فقیہ کے بارے میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے اس پر آسمان سے فقہ اتاری، اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کی ہے، اور یہ کہ وہ معصوم ہے تو اگر ہم نے ان فقہاء اور ائمہ میں سے کسی کی اقتداء کی تو منحصر اس بناء پر کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے، اس کا قول (فتویٰ) دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں، یا وہ کتاب سنت کے صریح حکم پر مبنی ہے، یا وہ استنباط کے اصولوں میں سے کسی اصول کے مطابق اس سے مستنبط کیا ہوا ہے، یا اس نے قرائن سے یہ سمجھ لیا ہے کہ حکم فلاں علت کے ساتھ وابستہ ہے (اور وہ علت یہاں پائی جاتی ہے) اور اس کا قلب اس بات پر مطمئن ہو گیا ہے،

اس بناء پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا، گویا وہ زبان حال سے کہتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جہاں یہ علت پائی جائے وہاں حکم یہ ہوگا، اور یہ قیاسی مسئلہ اس عموم اور کلمہ میں شامل ہے اس طرح اس حکم کی نسبت بھی آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی جاسکتی ہے، لیکن طئی طریقہ پر اگر صورت حال یہ نہ ہوتی تو کوئی صاحب ایمان کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا، اگر ہمیں رسول معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی طاعت کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے کوئی حدیث قابل وثوق سند سے پہونچے جو اس مجتہد یا امام کے فتوے اور قول کے خلاف ہو، اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس طئی طریقہ کی پیروی کریں، تو ہم سے بڑھ کر ناروا طریقہ اختیار کرنے والا کون ہوگا، اور کل ہمارا خدا کے سامنے کیا عذر ہوگا؟

مذہب اربعہ کی خصوصیت

اس نصفانہ اور محققانہ تجزیہ کے بعد شاہ صاحب ان چار فقہی مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے بارے میں جن پر عالم اسلام میں عام طور پر عمل کیا جا رہا ہے اپنے رسالہ ”عقد المجید فی احکام الاجتہاد والتقلید“ میں جو ”بہ قامت کہتر یقیمت بہتر“ کا مصداق ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”یادرکھو کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے، اور

ان چاروں کو بالکل نظر انداز کر دینے میں بڑا مفسدہ ہے، اس کے کئی وجوہ و اسباب ہیں، ایک یہ کہ امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پر اعتماد کرے، تابعین نے اس بارے میں صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر و علیٰ ہذا القیاس ہر دور کے علماء نے اپنے پیشروؤں پر اعتماد کیا، عقل سے بھی اس کا تحسن ہونا ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ شریعت کے علم کا ذریعہ نقل اور استنباط ہے، اور نقل جب ہی ممکن ہے، جب ہر طبقہ اپنے اس پہلے طبقہ سے جو اس سے متصل ہے، اخذ کرے، استنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں تاکہ ان کے اقوال کے دائرہ سے خارج ہو کر خرق اجماع نہ ہو جائے، اس لئے ان اقوال کے جاننے اور سالبقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے، دوسرے علوم و فنون اور ہنروں اور پیشوں کا بھی یہی حال ہے، صرف نحو، طب، شاعری، لوہاری، تجارتی زندگی، سب اسی وقت حاصل ہوتے ہیں، جب ان کے استادوں اور ان کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے، اس کے بغیر مہارت حاصل ہو جائے، ایسا بہت کم پیش آتا ہے، اگرچہ عقلاً ایسا ممکن ہے لیکن واقعہً ہوتا نہیں۔

جب یہ بات متعین ہو گئی کہ سلف کے اقوال و تحقیقات پر اعتماد ضروری ہے تو پھر یہ ضروری ہو گیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جا رہا ہے، وہ سند صحیح سے مروی، مشہور کتابوں میں مدون ہوں، اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح اور مرجوح اور عام و خاص کا امتیاز آسان ہو، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے وہاں

یہ پتہ چل سکے کہ اس میں مقتد کیا ہے؟ مختلف اقوال میں تطبیق دی جا چکی ہو، اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جا چکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب و اجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں ہوگا، ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ صفات پائے جاتے ہوں اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہوں سوائے ان مذاہب اربعہ کے!

اس طرح شاہ صاحب نے اجتہاد و تقلید کے درمیان وہ نقطہ اعتدال اختیار کیا ہے جو مقاصد شریعت، فطرت انسانی اور واقعات کی دنیا سے پورے طور پر مطابق ہے انھوں نے تقلید کے ساتھ یہ شرط لگا دی ہے کہ اس بابے میں ذہن صاف اور نیت درست ہو کہ مقصود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع اور کتاب و سنت کی پیروی ہے اور یہ اس اعتماد پر ہے کہ ہم جس کو واسطہ بنا رہے ہیں وہ کتاب و سنت کا عالم اور شریعت اسلامی کا معضہ نمائندہ اور ترجمان ہے، نیز یہ کہ ذہن اس کے لئے تیار رہے (خواہ اس کا موقعہ مدتوں میں آئے) کہ جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائیگا کہ صورت حال اس سے مختلف ہے اور سنت سے ثابت حکم دوسرا ہے تو ایک صاحب ایمان کو دوسری شکل کے اختیار کرنے میں کبھی تامل نہ ہوگا۔

فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُخْلِفُوا
فِي مَا شَجَرِ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي
أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ
وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

تہا ہے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک
اپنے تنازعات میں تمہیں نصف نہ بنائیں
اور جو فیصلہ تم کرد واس سے اپنے دلائل
تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے
مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

(سورہ نساء - ۶۵)

ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت

مذہب اربعہ کی خصوصیات اور فقہائے محدثین کی خدمات اور ان کی عظمت کا پورا اعتراف کرتے ہوئے اور اس فقہی و حدیثی ذخیرہ کو بیش قیمت اور قابل استفادہ قرار دیتے ہوئے اور اس سے بے نیازی و استغناء کو مضر و محرومی کا سبب مانتے ہوئے شاہ صاحب اس کے قائل ہیں کہ اجتہاد (اپنی شرطوں اور ضروری احتیاطوں کے ساتھ) ہر دور کی ضرورت، حیات انسانی اور تمدن و معاشرت کی تغیر پذیری، اور نمودار تقا کی صلاحیت اور انسانی ضروریات، حوادث و تغیرات کے تسلسل کا فطری تقاضا اور شریعت اسلامی کی وسعت، اس کے من جانب الشرح ہونے اور قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اور معاشرہ کے جائز تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت رکھنے کا ثبوت ہے، جس کا اظہار اور ثبوت ہر دور میں ضروری اور حالیین شریعت کا فرض ہے۔

مقدمہ مصنف میں لکھتے ہیں :-

”اجتہاد ہر زمانہ میں فرض بالکفایہ ہے، یہاں اجتہاد سے مراد اجتہاد مستقل نہیں، جیسا کہ امام شافعیؒ کا اجتہاد تھا، جو جرح و تعدیل، زبان دانی وغیرہ میں کسی دوسرے کے محتاج نہ تھے، اور اسی طرح اپنی مجتہدانہ درایت میں (اپنے پورے اقسام کے ساتھ) وہ دوسرے کے تابع نہ تھے مقصود اجتہاد منتسب ہے، اور وہ نام ہے احکام شرعی کو ان کے تفصیلی ادلہ کے ذریعہ جاننے کا، اور مجتہدین کے طریقہ پر تفریع مسائل اور ترتیب احکام کا، خواہ وہ کسی صاحب مذہب کی رہنمائی سے ہو۔

اور ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد اس زمانہ میں فرض ہے (اور محققین اہل علم کا
 اجماعی مسئلہ ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثیر الوقوع ہیں جن کا محصر ممکن
 نہیں، اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا جاننا واجب ہے، اور جو تحریر قدوسی
 میں آچکا ہے وہ ناکافی ہے، اور ان کے بارے میں اختلافات بہت ہیں، جن کا
 حل کرنا دلائل کی طرف رجوع کئے بغیر ممکن نہیں، ائمہ مجتہدین سے جو مسائل کی روایا
 منقول ہیں، ان میں اکثر میں انقطاع ہے کہ قلب ان پراطینان کے ساتھ اعتماد
 نہیں کر سکتا، اس لئے ان کو قواعد اجتہاد پر پیش کئے اور تحقیق کئے بغیر معاملہ
 بنتا نہیں ہے۔



باب ہفتم

شرعیۃ اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اس کے مقاصد و مقاصد کی نقاب کشائی
حجۃ اللہ البالغۃ کے آئینہ میں

حجۃ اللہ البالغۃ کا امتیاز و انفرادیت

شاہ صاحب کی سب سے معرکہ الآراء کتاب اور علمی کارنامہ ”حجۃ اللہ البالغۃ“ ہے جس میں دین و نظام شرعیۃ کا ایک ایسا مربوط، جامع اور مدلل نقشہ پیش کیا گیا ہے، جس میں ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاق، علم الاجتماع و تمدن، سیاست و احسان کو ایک ایسے ربط و تعلق اور صحیح تناسب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہار کے موتی اور ایک زنجیر کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں اور ان میں اصول و فروع، مقاصد و وسائل اور دائمی و موقت کا فرق نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے پاتا، جو ان بہت سی تصنیفات و تحقیقات کی قدیم کمزوری ہے جو کسی غلو یا انصاف کے رد عمل یا کسی جذبہ یا جوش کے ماتحت لکھی گئی ہیں اس ربط و تناسب کی وجہ (شاہ صاحب کی فطری سلامت طبع و اعتدال کے علاوہ) ان کا علم حدیث کا گہرا اور وسیع مطالعہ اور وہ مخصوص مزاج ہے جو حدیث اور سیرت کے اشتغال یا مزاج نبوی سے مناسبت رکھنے والے کسی ”عالم ربانی“ کی صحبت و تربیت میں پیدا ہوتا ہے، اسلام کی یہ مربوط و جامع ترجمانی جو حجۃ اللہ کے صفحات میں دیکھنے میں آتی ہے،

بہت کم دینی تصنیفات میں نظر آئیگی، اس طرح حجۃ اللہ الباقیہ اس دور عقلیت کے لئے ایک نیا علم کلام بن گیا ہے، جس میں ایک حق پسند و سلیم الطبع انسان کے لئے (جس کو علمی استعداد اور دقت نظر کا بھی کچھ حصہ ملا ہو) تشفی کا وافر سامان ہے، ہمارے علم میں کسی مذہب کی تائید اور اس کی حکیمانہ توجیہ و تشریح میں (ان زبانوں میں جن سے ہم واقف ہیں) اس پایہ کی کتاب نہیں لکھی گئی، اور اگر لکھی گئی تو اس وقت علمی دنیا کے سامنے نہیں ہے۔

بارہویں صدی کے کچھ بعد ہی ہندوستان اور پورے عالم اسلام میں (مختلف تعلیمی، تمدنی، علمی و عقلی اسباب کی بناء پر) ایک خاص طرح کی "عقلیت" کا جو دور شروع ہونے والا تھا، اور احکام شریعت کے اسرار و مصالح کی جستجو کا جو عام ذوق پیدا ہونے والا تھا، اور اس کی وجہ سے بہت سے ذہن بھٹکنے اور بہت سے قلم بہکنے کے لئے تیار تھے، خاص طور پر حدیث اور سنت (خاص اسباب کی بناء پر) اعتراضات و شبہات کا سب سے زیادہ نشانہ بننے والی تھی، ان نئے تقاضوں سے صحیح طور پر وہی شخص عہدہ برآ ہو سکتا تھا جو کتاب و سنت، علوم حکمت، علم کلام، علم الاخلاق، علم النفس (اور اپنے زمانہ کے حدود کے اندر) علم الافتقار، علم المعیشت اور علم السیاست سے واقف ہو، پھر ان سب کے ساتھ احسان اور تزکیہ کے

لے معاصر فضلاء و اہل نظر میں راقم مطور نے زعم مغرب علامہ علاء الفاسی مراکشی مصنف مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ و مکارمہا، اور معالی الاتاد محمد المبارک بابی عمید کلیۃ الشریعۃ و وزیر تہذیب کو شاہ حاکم کی طرح اور حجۃ اللہ الباقیہ کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان پایا، وہ خاص طور پر اسی پہلو سے متاثر تھے کہ اس کتاب میں دین کے تمام شعبوں یہاں تک کہ اخلاق اور تزکیہ نفس و احسان تک کی نمائندگی و ترجمانی ہے۔

۱۔ اس کی تفصیل مصنف کے رسالہ اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار، میں دیکھی جاسکتی ہے، ملاحظہ ہو ص ۴۱-۴۵

فن کے جوہر و حقیقت سے نہ صرف آگاہ بلکہ اس میں درجہ اجتہاد پر فائز ہو۔

اس سب کا اقتضاء تھا کہ اس دور کے شروع ہونے سے پہلے بارہویں صدی کے امام کے قلم سے ایسی کتاب لکھوادی جائے جو اس ضرورت کو اس بڑی حد تک پورا کرے، جو کسی ایسے انسان کے قلم سے ممکن ہے جو بہر حال انسان ہے، وہ نہ معصوم ہے نہ اس کا علم سارے زمانوں، مقامات اور معلومات پر محیط ہے اس پر اپنے زمانہ کی (کم سے کم درجہ میں) چھاپ اور اس نظام تعلیم و تربیت کا اثر بھی ہے جس میں اس نے نشوونما پایا ہے پھر بھی وہ اصلاً دانش کدہ قرآنی اور درس گاہ حدیث و سنت کا فیض یافتہ اور ان کا ترجمان نظر آتا ہے۔

شاہ صاحب کتاب کی تصنیف کے محرکات و دواعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”علوم حدیث میں سب سے باریک، دقیق و عمیق رفیع و بدیع علم اسرار دین کا وہ علم ہے جس میں حکام کی حکمتیں اور ان کے لمبیاں اور خواص اعمال کے اسرار و نکات بیان کئے جائیں، جن کے ذریعہ انسان شریعت کی لائی ہوئی چیزوں کے بارے میں صاحب بصیرت بن جاتا اور خلط و خبط سے محفوظ رہتا ہے۔“

موضوع کی نزاکت

لیکن حقائق دینی اور احکام شرعی کی حکمتوں، مصاحح اور اسباب و علل کے بیان کرنے کا موضوع بڑا نازک ہے، ذرا سی بے اعتدالی کسی خاص رجحان کے غلبہ یا زمانہ کے اثر سے پڑھنے والے کا ذہن شرائع سماوی اور تعلیمات نبوی کی پٹری سے اتر کر جس میں صل مقصود رضائے الہی، قرب خداوندی اور نجات اخروی کو قرار دیا گیا ہے، مادی منافع زندگی

بہتر تنظیم اور تمدنی فوائد یا سیاسی مقاصد کے حصول کی سڑی پر پڑ جاتا ہے اور اسی وجہ کے پورے سلسلہ سے ایمان و احتساب کی روح یا تو بالکل نکل جاتی ہے یا بہت کمزور و مجروح ہو کر رہ جاتی ہے، مثال کے طور پر نماز کی حکمت و مصلحت یہ بیان کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک فوجی پریڈ ہے اور اس کے نظم و اطاعت امیر اور حکومت اسلامی کے قیام میں مدد ملتی ہے، روزہ صحت کے لئے مفید ترین طریقہ ہے، زکوٰۃ اہل دولت پر غریبوں کا ٹیکس ہے، حج ایک سالانہ بین الاقوامی اسلامی مؤتمر (کانفرنس) ہے جس میں ملت کے مفاد میں مسائل پر غور و مشورہ کیا جاتا ہے۔

ان خطرات کے پیش نظر (جنہوں نے امکانات و احتمالات سے بڑھ کر واقعات اور عملی مثالوں کی جگہ لے لی ہے) اس موضوع سے صحیح طور پر وہی عالم عہدِ برآ ہو سکتا تھا، جس کے ہاتھ میں دین و شریعت کا اصل سررشتہ ہو جو شرائع الہی کے نزول اور انبیاء کی بعثت کے مقصد کے آگاہ ہو، اور جس کے رگ و پے میں ایمان و احتساب کی روح سرایت کر چکی ہو اور جس کا ذہنی و علمی نشوونما کتاب سنت اور ایمان و احتساب کے ماحول میں اور ان کے زیر سایہ ہو، اور شاہ صاحب (جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہو چکا ہے) اس نازک موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے موزوں ترین شخصیت تھے۔

لے حدیث و سنت کی اصطلاح میں کسی عمل کو اجر و ثواب کی لاپچ اور شوق اور اس پر اللہ کی طرف سے جو وعدے ہیں، ان کے یقین کے ساتھ کرنے کو "احتساب" کہتے ہیں، صحیح حدیث میں آتا ہے: "من صام رمضان ایما ناً واحتساباً غُفِرَ لَہ ما تقدّم من ذنبہ" (بخاری) (جو رمضان کے روزے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کے شوق و طمع میں رکھے گا اس کے سب کچھ گناہ معاف ہو جائیں گے) قیامِ یلۃ القدر کے بارے میں بھی ایسی ہی حدیث وارد ہوئی ہے۔

مستقل: ایف کی ضرورت اور علمائے متقدمین کی ابتدائی کوششیں

شاہ صاحبؒ اس موضوع پر متقدمین کی مختصر کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”متقدمین نے ان مصالح کی نقاب کشائی کی ہے جن کی البواب شرعی میں رعایت کی گئی ہے، بعد کے محققین نے بعض بڑے قیمتی نکتے بھی بیان کئے ہیں لیکن اس کی مقدار اتنی ہی ہے کہ اب اس موضوع پر کلام کرنا خرق اجماع نہیں رہا، کسی نے اس موضوع پر مستقل تصنیف نہیں کی، اور اس کے اصول و فروع کو پورے طور پر مرتب نہیں کیا۔“

اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ نے امام غزالیؒ، علامہ خطابیؒ اور شیخ الاسلامؒ بن عبد السلامؒ کا حوالہ دیا ہے جن کی کتابوں اور تحریروں میں جستہ جستہ ایسے مضامین اور اشارے ملتے ہیں، شاہ صاحبؒ نے اس دعوے کی تردید کے سلسلہ میں کہ احکام شرعی مصالح پر مشتمل نہیں ہیں اور اعمال و جزا میں مناسبت کا ہونا کچھ ضروری نہیں ہے، ان آیات و احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں اعمال اور ان کے نتیجہ میں ربط بتایا گیا ہے، بعض احکام کی علت و مصلحت بھی بیان کی گئی ہے، نیز ان احادیث کا بھی ذکر کیا ہے جن میں کسی عبادت یا عمل کی مشروعیت کا سبب یا تعینات کے اسرار بیان کئے گئے ہیں، نیز بعض ممانعتوں کے ان اسباب اور حکمتوں کی مثالیں بھی دی ہیں جو حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ سے منقول ہیں، اور ان خیالات و ظنون کی تردید فرمائی ہے، اور ان کا جواب دیا ہے، جو اس نازک عمل کی تدوین کو نامکن یا غیر مفید یا ”فعل جدید“ بتاتے ہیں، اور اس کی وضاحت کی ہے کہ اس موضوع کی طرف اس وقت پوری توجہ نہ ہونے کے

کیا اسباب تھے؟

اس فن کی تدوین کی ضرورت و حکمت بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ بعض ایسی احادیث کو جو بظاہر ہر طرح سے مخالف قیاس معلوم ہوتی ہیں بعض فقہاء نے مخالف عقل بتا کر ان کو رد کرنا جائز سمجھا، اس لئے بھی احادیث کے مطابق عقل و قیاس ہونے کو ثابت کرنا ضروری ہو گیا، امت کے مختلف طبقات کا متعارض طرز عمل بعض کا عقل و قیاس سے بالکل آنکھیں بند کر لینا بعض کا تاویل اور ایسے موقع پر صرف عن الظاہر کا بے تکلف عمل کرنا جہاں احادیث اصول عقیدہ کے مخالف نظر آئیں اور اس بارے میں بہت سی جماعتوں کی بے اعتدالی شاہ صاحب کے نزدیک اس فن کی تدوین جدید کو نہ صرف جائز و مفید قرار دیتی ہے بلکہ اس کو دین کی عظیم ترین خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ثابت کرتی ہے۔

ضرورت کے اس احساس، عملی تجربے اور وقت کے تقاضے کے ماسوا شاہ صاحب کو اس کام کی تکمیل کے لئے بعض بشارات غیبی اور بارگاہ رسالت سے ایک ایسا اشارہ بھی معلوم ہوا جس سے اندازہ ہوا کہ دین کی ایک نئی نوعیت کی شرح مطلوب ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سینہ میں ایک ایسی روشنی پائی جو برابر بڑھتی رہی، مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو خواب میں دیکھا کہ انھوں نے مجھے قلم عطا کیا اور کہا کہ یہ ہمارے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلم ہے۔

شاہ صاحب کے تلامذہ اور اصحاب میں سب سے زیادہ ان کے ماموں زاد بھائی بڑا درستی بفرحصر کے رفیق اور تلمیذ رشید شیخ محمد عاشق پھلتی کا اس کام کی تکمیل کے لئے سب سے زیادہ تقاضا و اصرار تھا، جو شاہ صاحب کے سب سے بڑے مزاج داں اور ان کے علوم و کمالات کے سب سے زیادہ واقف تھے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو اس اہم کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی اور ان کے قلم سے یہ جلیل القدر کتاب نکل کر اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچی ہے۔

تمہیدی و بنیادی مضامین، تکلیف و مجازات

کتاب کے ابتدائی حصہ میں شاہ صاحب نے ان تمہیدی مباحث کو شامل کیا ہے جن سے ہدایت ربانی، تعلیمات آسمانی اور انبیاء کی بعثت اور ان کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ثابت ہو اس میں بڑی اصولی لہجہ اللہ الی اللہ سے پہلے بھوپال کے عالم و باخدا وزیر و نظم ریاست مدار المہام مولانا جمال الدین (م ۱۳۹۹ھ) کے ایام و ہدایت پر انھیں کے مصارف مولانا محمد احسن صدیقی (م ۱۳۱۲ھ) کے اہتمام میں مطبع صدیقی بریلی میں ۱۳۸۶ھ میں طبع ہوئی، دوسری مرتبہ امیر الملک لاجپور نواب سید صدیق حسن خان بہادر (م ۱۳۰۴ھ) کے حکم سے ۱۳۹۶ھ میں مطبع بولاق مصر سے اس کی اشاعت ہوئی، مصر سے اس کے دو ایڈیشن اور نکلے ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۸ء) میں مولانا عطاء اللہ حنیف صفا کے اہتمام میں المکتبۃ السلفیہ لاہور نے اس کا ایک ایڈیشن نکالا جو مصری ایڈیشن کا آفٹ ہے، مصر سے حال ہی میں کچھ ایڈیشن نکلے، جو مشہور مصری عالم اور اخوانی رہنما سید سابق کی تحقیق و مراجعت مفصل مقدمہ و مصنف علام کے تعارف اور سوانح کے ساتھ دارالکتب الحدیث قاہرہ اور مکتبۃ المثنیٰ بغداد کی طرف سے شائع ہوا ہے، لیکن کتاب کی تصحیح و تحشیہ، تخریج احادیث اور اشارات کی توضیح کے ذریعہ جو خدمت ہونی چاہئے تھی وہ ابھی تک نہیں ہوئی۔

اردو میں اس کے دو ترجمے شائع ہوئے، پہلا ترجمہ اپنے ہم عصر فاضل جلیل عالم تاجر مولانا عبدالحق خانی کے قلم سے نعمۃ اللہ السابغة کے نام سے دو حصوں میں مکمل ہوا، یہ ترجمہ ۱۳۲۰ھ میں مکمل ہوا تھا اور ۱۳۱۲ھ میں مطبع احمدی پٹنہ سے شائع ہوا، بعد میں نور محمد اصح المطابع آرام باغ کراچی سے دوبارہ شائع ہوا، دوسرا ترجمہ مولانا خلیل احمد صفا اسرائیلی کے قلم سے آیات اللہ الکاملہ کے نام سے مطبع اسلامی کی طرف سے شائع ہوا۔

لیکن یہ کتاب ان کتابوں میں نہیں ہے جن کا محض کسی زبان میں منتقل کر دینا اور فطری ترجمہ کر دینا کافی ہو اس لئے اردو خواں اصحان ترجموں کا طرخواہ فائدہ نہیں اٹھا سکے، اور ان کو اس کتاب کے مضامین کی بلندی اور فادیت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔

اور بنیادی بحث وہ ہے جو انھوں نے ”باب ستر التکلیف“ کے عنوان کے ماتحت پیش کی ہے اور جس میں ثابت کیا ہے کہ ”تکلیف“ نوع انسانی کے فطری تقاضوں میں سے ہے انسان اپنی زبان استعداد سے سوال کرتا ہے کہ خدا اس پر ایسی چیز واجب کرے جو قوت ملکیت کے مناسب ہو پھر اس پر ثواب دے اور اس پر قوت بہیمیہ میں انہماک کو (جو اس کے اندر ودیعت ہے) حرام کرے اور اس کو سزا دے، اس سلسلہ میں شاہ صاحب کے حیوانات و نباتات اور نوع انسانی کے وسیع اور دقیق مطالعہ کا اظہار ہوتا ہے، نیز طبیعیات و طب اور نباتات سے واقفیت بھی ظاہر ہوتی ہے شاہ صاحب نے عقلی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ انسانوں کو حیوانات و نباتات سے جو امتیاز حاصل ہے اور ان میں جو استعدادیں اور فطری طلب رکھی گئی ہیں وہ زبان حال سے تکلیف شرعی اور ہدایت ربانی کا سوال کرتی ہے شاہ صاحب اس کو ”التکلف المحالی“ (زبان حال سے بھیک مانگنا اور ہاتھ پھیلانا) کے بلیغ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اس کے ساتھ التکلف العلمی (علمی درپوزہ گری) کا اضافہ کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک انسان کے اندر (عقل و نطق کے علاوہ) دو چیزیں اور ہیں ”زیادة القوة العقلية“ اور ”بواعث القوة العملية“ اس میں انسان کے اندر صرف قوت عقلیہ اور قوت عملیہ کا وجود ہی نہیں، بلکہ ان کی ترقی، بلند ہمتی، طلب کمال، نا آسودگی بھی اس کی فطرت میں ہے شاہ صاحب کے نزدیک خلق ملائکہ، حوادث عظیمہ اور ارسال رسل اسی کا نتیجہ ہے وہ یہ سب (عنایتہ بالنوع) اس اعتناء و اہتمام کا کرشمہ ہے جو پوری نوع انسانی کے شامل حال ہے اور یہ سب ربوبیت و رحمت الہی کی تجلیات ہیں ان کے نزدیک

لہ خدا کا اپنے بندوں کو مخاطب کرنا اور اوامر و احکام پر عمل کرنے اور نہا ہی سے بچنے کا مکلف بنانا جس کو قرآن مجید میں ”الامانة“ کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے ”اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ“ (الاحزاب - ۷۲) کی تفسیر ملاحظہ ہو حجة الشرائع

عبادات اور عمل بالشرائع نوع انسان کا ایسا ہی نوعی تقاضا ہے جیسا درندوں کا گوشت کھانا، بہائم کا گھاس چرنا، اور شہد کی مکھیوں کا اپنے سردار (یعوب) کی فرماں برداری کرنا، البتہ حیوانات کے علوم الہامِ جبلی سے تعلق رکھتے ہیں اور انسان کے علوم، اعمال، کسب، نظریہ و حی یا اتباع سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس کے بعد پھر شاہ صاحب مجازات (جز او سزا) کو تکلیف شرعی کا قدرتی تقاضا بتاتے ہیں ان کے نزدیک اس کے چار اسباب ہیں (۱) صورت نوعیہ کا تقاضا (۲) ملأ اعلیٰ کے اثرات (۳) شریعت کا مقتضی (۴) نبی کی بعثت کا نتیجہ و تقاضا اور اللہ تعالیٰ کے اس کی قبولیت و نصرت کے فیصلہ کا لازمہ، پھر انسانوں میں اپنی جبلت میں اختلاف کی وجہ سے اخلاق و اعمال اور مراتب کمال میں بھی اختلاف ہوتا ہے، اس موقع پر شاہ صاحب نے ”ملکیت“ اور ”بہیمیت“ کے اجتماع، ان کے غلبہ و ضعف کے تناسب اور ان کے باہمی تعلق کی نوعیت کی (جن کو وہ ”تجاذب“ و ”اصطلاح“ کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں) آٹھ شکلیں اور ان کے خواص بیان کئے ہیں اور ان میں جن کو ترجیح حاصل ہے اس کا ذکر کیا ہے، یہ بحث اور تفریع شاہ صاحب کی قوت استقراء اور ذہانت کا نمونہ اور کتاب کی خصوصیت میں ہے، اور ان سے انسانوں کے احوال و فطرت کا دقیق مطالعہ معلوم ہوتا ہے۔

اعمال کی اہمیت اور ان کے اثرات

شاہ صاحب اعمال کی اہمیت، ان کا ملکات انسانی پر اثر، ان اعمال کے دنیا اور

۱۔ باب انتفاع التکلیف من التقدير ص ۲۴-۲۵ ۲۔ شاہ صاحب نے کتاب کے شروع ہی میں عالم مثال

اور ملأ اعلیٰ کو ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کے حوالہ کی بار بار ضرورت پیش آئیگی اور بہت سی احادیث و آیات کا

ان دونوں کے بغیر سمجھنا مشکل ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۳-۱۵ ۳۔ ایضاً ص ۲۵ ۴۔ ایضاً

آخرت میں اثرات مرتب ہونے کی تشکیلیں بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اعمال میں (ملا اعلیٰ کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کی وجہ سے) وہ اثر پیدا ہو جاتا ہے جو ان تعویذوں اور لقوس میں ہوتا ہے جو اپنی ہیئت خاصہ اور شرائط کے ساتھ سلف منقول ہیں۔ اس طرح یہ ابتدائی مباحث کتاب کے مطالعہ کرنے والے کے ذہن کو آگے کے ان مباحث کے لئے تیار کر دینے ہیں، جن کی بنیاد ہی انسان کے نوعی تقاضوں کے سمجھنے، نگہداشت، شرعی کے اسباب اور ان پر مرتب ہونے والی مجازات، ربوبیت و رحمت کے تقاضوں اعمال کی اہمیت اور ان کے انسانوں کی ہیئت اجتماعی اور حیات انسانی سے ربط و تعلق اور ان غیبی حقائق اور غیر مرئی عوالم و اشیاء کے وجود کے تسلیم کرنے پر منحصر ہے۔

ارتفاقات

حجۃ اللہ کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی دور بین نگاہ اور بدلتے ہوئے حالات کے عمیق اور حقیقت پسندانہ مطالعہ نے (تائید الہی کی مدد سے) یہ دیکھ لیا تھا کہ جلد وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں ایک طرف لوگ احکام شریعت باخصوص حدیث و سنت کی تعلیمات اور اترا د آئینی کے حکم و اسرار کے سمجھنے کی کوشش کریں گے اور ان کے تمدنی، اجتماعی، معاشرتی اور علمی فوائد معلوم کرنا چاہیں گے، دوسری طرف وہ دین و زندگی میں ربط معلوم کرنا چاہیں گے، اور دینی تعلیمات اور آسمانی ہدایات کو زندگی کے وسیع دائرہ (CANVAS) اور انسانوں کے باہمی روابط اور اسباب و نتائج کے باہمی تعلق کے سیاق و سباق (CONTEXT) میں سمجھنے اور ان کی افادیت معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس لئے شاہ صاحب نے ”حجۃ الشراب بالغہ“ کو جو اصلاً شریعت کے اسرار و حکم اور حدیث و سنت کی عقلی تشریح کے لئے لکھی گئی، نظام تشرعی سے شروع کرنے سے پہلے جو ان اوامرو و نواہی پر مشتمل ہوتا ہے جن کا اصلاً تعلق ثواب و عقاب، نجات و فلاح اخروی اور شاہ صاحب کی اصطلاح میں ”مبحث البر والاثم“ سے ہے، کتاب کو ان مباحث سے شروع کیا ہے جن کا تعلق دنیا کے نظام تکوینی اور حیات انسانی سے ہے اور جن کی پابندی سے ایک صحت مند ہیئت اجتماعی، اور ایک صالح تمدن وجود میں آتا ہے، شاہ صاحب نے اس کے لئے ”ارتفاقات“ کی اصطلاح استعمال کی ہے جو ہم اے علم میں اس سے پہلے مسلمان متکلمین، فلاسفہ اور علمائے اجتماع نے (کم سے کم اس وضاحت اور تسلسل سے) استعمال نہیں کی۔

ارتفاقات کی اہمیت

ارتفاق سے شاہ صاحب کی مراد افراد کا ایک دوسرے سے جائز انتفاع، تعاون، اشتراک عمل، اور مختل و متوازن شہری زندگی کے قیام کے لئے ”تدبیرات نافعہ“ ہیں۔
 اس طرح شاہ صاحب نے انسانی سعادت کے انفرادی و اجتماعی دونوں پہلوؤں اور دنیوی و اخروی دونوں زندگیوں سے بحث کی ہے، شاہ صاحب کے نزدیک یہ نظام تکوینی انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے نظام تشرعی کے نہ صرف مطابق ہونا چاہئے، بلکہ اس کے لئے لہ عربی زبان کے سب سے بڑے لغت ”لسان العرب“ میں رفق کے مادہ میں ہے ”یقال للمتطیب مترفق و رفیق“ والرفق والمرفق والمرفق ما استعین به، وقد ترفق به وارتفق، وفي التنزيل ”وَيَهَيِّئْ لَكُم مِّنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَقًا“ وهو ما ارتفعت وانتفعت به، وقد ترفق عليه وارتفق لوكا، وقال عز وجل ”نِعَمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مَرْتَفَقًا“ وترافق القوم وارتفقوا صاروا رفاقاً۔ (لسان العرب بإقتصار) لہ مولانا عبدالحق خٹائی نے ارتفاقات کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے۔

ممد و معاون اور ان کے مقاصد کا خادم بن کر رہنا چاہئے، انھوں نے (علمائے اخلاق اور ماہرین اقتصادیات میں) پہلی مرتبہ اقتصادیات و علم المعیشت کا علم الاخلاق سے گہرا ربط ثابت کیا ہے شاہ صاحب کے نزدیک یہ ربط جب ٹوٹ جاتا ہے تو معاشیات اور اخلاقیات دونوں کو شدید بحران سے واسطہ پڑتا ہے جس کا اثر مذہب و اخلاق پر سکون زندگی انسانوں کے باہمی روابط اور تمدن و تہذیب سب پر پڑتا ہے ان کے نزدیک انسانوں کے اجتماعی اخلاق اس وقت بالکل برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصاد کی تنگی پر مجبور کر دیا جائے اس وقت انسان (جن کے اندر اللہ نے اعلیٰ روحانی ملکات اور ترقی کے امکانات ودیعت فرمائے ہیں) گدھے اور بیل کی طرح سے روٹی حاصل کرنے کے لئے سرگرداں رہنے لگتے ہیں اور ہر طرح کی سعادتوں اور ترقیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

شہری و اجتماعی زندگی کی اہمیت اور ان کی شکلیں

شاہ صاحب شہری اور اجتماعی زندگی کی (جس کے مرکز کو وہ "المدينة" سے تعبیر کرتے ہیں) تعریف ایسے علمی انداز میں کرتے ہیں جس سے بہتر اور جامع تعریف اس زمانہ تک (مصنفین و حکماء کے یہاں) نہیں کی گئی تھی "باب سیاست المدينة" میں لکھتے ہیں:-

وَأَعْنَى بِالْمَدِينَةِ جَمَاعَةٌ مُتَقَارِبَةٌ	المدينة (شہر) سے ہماری مراد انسانوں
تَجُورِي بَيْنَهُمُ الْمَعَامِلَاتُ وَبِكُلُونِ	کی وہ جماعت ہے جس میں کسی نوع کی
أَهْلُ مَنَازِلَ نَشْتِ	قربت ہو اور ان کے درمیان معاملہ میں
	اشتراک ہو اور وہ مختلف ٹھکانوں میں

وہ سیاست المدینہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

ھی الحکمة الباشعة عن کیفیة
سیاست مدُن سے ہماری مراد وہ
حفظ الربط الواقع بین اهل
حکمت ہے جو اس شہری زندگی کے
المدینة۔
افراد کے درمیان اس ربط و تعلق کی
حفاظت کے طریقوں سے بحث کرے
جو ان کے درمیان موجود ہے۔

پھر اس تمدنی زندگی یا المدینہ کی مزید تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

المدینة شخص واحد من جهة
شہر کو اس ربط کی وجہ سے جو اس کے
ذلك الربط مرکب من اجزاء
افراد کے درمیان پایا جاتا ہے،
وهیئة اجتماعية۔
شخص واحد تصور کرنا چاہئے، جو
مختلف اجزاء اور ایک ہیئت اجتماع
سے مرکب ہے۔

ان کے نزدیک "ارتفاق" کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ ابتدائی اور ضروری، جو اہل بادیہ کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ اجتماعی یا ترقی یافتہ، جو اہل مصر (شہریت و تمدن والوں کو) حاصل ہوتا ہے۔

ان دو کے بعد تیسری قسم آتی ہے، وہ سیاست و انتظام کی ہے، پھر اس کے نتیجے میں چوتھی
قسم خلافت عامہ کی ہے، ارتفاق رابع میں شاہ صاحب اہل اقالیم (ملک کے متفرق اور دور دراز
علاقوں) کے باہمی ربط کی حفاظت پر زور دیتے ہیں، یہ ربط (مختلف علاقوں کے درمیان)

اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ ایک شہر کے افراد کے درمیان ابتدائی اور محدود حالت میں ضروری تھا۔

مکاسب اور وجوہ معاش کی محمود و مذموم شکلیں

ارتفاقات کے سلسلہ میں حصولِ مکاسب اور وجوہ معاش بیان کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ غیر طبعی اور غیر اخلاقی ذرائع معاش کا ذکر فراموش نہیں کرتے، فرماتے ہیں:-

وبقيت نفوسٌ اُعتيت بهم بہت سی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو

المذاہب الصالحة فالحمد روا جائز اور صحت مند راستوں سے

إلى أكساب ضارّة بالمدينة کسبِ معیشت شکل معلوم ہوتا ہے تو وہ

كالسرقة والقمار والتكدّي ایسے ذرائع معاش کی پستی کی طرف

اتر آتی ہیں جو شہری و اجتماعی زندگی

کے لئے ضرر رساں ہوتے ہیں، مثلاً

پوری، بجوا، دریوزہ گری (بھیک مانگنا)

اور غیر قانونی و اخلاقی طریقہ مبادلہ۔

اس موضوعِ ارتفاقات کے باب میں شاہ صاحبؒ کے قلم سے بعض ایسے حقائق نکل گئے

ہیں جن سے تمدن و معاشرہ اور انسانیت کے عروج و زوال کی تاریخ پر ان کی گہری نظر معلوم

ہوتی ہے، فرماتے ہیں:-

كلما رقت النفوس وأمعنت جب طبیعتوں میں غیر طبعی نزاکت،

فی حُبِّ اللذَّةِ الرفاهیة تفرغت حد اعتدال سے بڑھی ہوئی لذت پسندی
 حواسی المكاسب واختص اور غلو کی حد تک پہنچی ہوئی خوشحالی
 کلُّ رجل بکسبہ اور فاسخ البالی پیدا ہو جاتی ہے تو
 کسب معیشت کی باریکیاں اور ذیلی
 قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں اور شخص
 ایک خاص ذریعہ معاش کا اجارہ دار
 بن جاتا ہے۔

شاہ صاحب شہری زندگی کو نقصان پہنچانے والی چیزوں میں اس کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ سب اہل شہر ایک ہی ذریعہ معاش اختیار کر لیں، مثلاً سب تجارت شروع کر دیں زراعت چھوڑ دیں یا جنگ کے ذریعہ کسب معاش حاصل کریں، ان کے نزدیک زراعت بمنزلہ طعام کے ہے اور صنعت و تجارت اور نظم و نسق بمنزلہ نمک کے ہے، اسی سلسلہ میں شاہ صاحب ایک بڑے نکتہ کی بات لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ملک کی تباہی کے اس زمانہ میں دُور بڑے سبب ہیں۔

۱۔ بیت المال پر بغیر کسی محنت کے بار بٹنا۔

۱۔ حجۃ اللہ بالانفوس ۱۴۴۱ھ ان بار بٹنے والوں میں بطور مثال کے شاہ صاحب نے ان سپاہیوں، عالموں، زہد پیشہ صوفیوں اور شعراء اور ان دوسرے گروہوں کو شامل کیا ہے جو ملک میں سلطنت کی کسی خدمت کے بغیر جاگیروں کے مالک اور مفت کی کماٹی اور انعامات و اکرام کے عادی ہو جاتے ہیں، اس میں وہ نظام جاگیر داری بھی آگیا جس نے سلطنت کے مال کو سخت نقصان پہنچایا تھا اور مفت خوروں اور تن آسانوں کا ایک لشکر پیدا کر دیا تھا، اس شاہ جہاں کی سیاسی بصیرت اور زوال سلطنت مغلیہ کے اسباب گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۔ اہل زراعت و تجارت اور اہل حرفہ و اہل ہنر پر بھاری ٹیکس لگانا، آخر میں فرماتے ہیں:

فلینبہ اهل الزمان لهذا ہمارے زمانہ کے لوگوں کو اس حقیقت
النکتۃ کو سمجھ لینا چاہئے اور ہوشیار ہو جانا

چاہئے۔

تمدن و معاشرہ میں فساد پیدا کرنے والے اسباب میں شاہ صاحب تفریحات کی کثرت کو بھی شمار کرتے ہیں جس سے معاش و معادد و تولد و تغافل کا شکار ہوتے ہیں، ان میں شطرنج میں انہماک، شکار کی کثرت اور کبوتر پالنے کو شامل کرتے ہیں، اسی طرح سے اخلاقی جرائم اور ایسے اعمال کو برداشت کرنا جن کو عام طور پر سلیم الفطرت لوگ اپنی ذات کے لئے برداشت نہیں کر سکتے ہیں اور ان کو تمدن کے لئے مضر سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک اس سے حکومتوں کا زوال ظہور میں آتا ہے۔

سعادت اور اس کے اصول چہارگانہ

کتاب کا مبحث رابع مبحث السعادة ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ سعادت کا حصول انسان کے لئے سب سے اہم ہے اور وہ تہذیب نفس اور قوت بہیمیہ کو قوت ملکیہ کے تابع بنانے سے حاصل ہوتی ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک سعادت کے اصل اصول چار ہیں جن کے لئے انبیاء کی بعثت ہوئی اور ان کی تفصیل شرائع سماوی ہیں، یہ درحقیقت ادیان و شرائع کی بنیادی شعبوں کے جامع عنوانات اور مقاصد بعثت کی تکمیل کے مؤثر ذرائع ہیں۔

۱۔ طہارت (جسمانی پاکیزگی جو انسان کو توجہ الی اللہ و تعلق باللہ کے لئے تیار کر دیتی ہے)

۲۔ اخبات الی اللہ تعالیٰ (انابت و توجہ الی اللہ اور عجز و تواضع)

۳۔ سماحت، مکارم اخلاق و معالی امور۔

۴۔ عدالت (ایسا نفسانی ملکہ جس کے افعال کی وجہ سے شہر و قوم کا انتظام بسہولت قائم

ہو جاتا ہے۔)

اس طرح شاہ صاحب نے انسان کی شخصیت کی مکمل تعلق مع اللہ کی تحصیل اور ایک صحت مند اور تعاون معاشرہ کی تشکیل کی بنیادوں پر روشنی ڈالی ہے جو شریعت آسمانی اور بعثت انبیاء کے مقاصد میں ہے۔

اس کے بعد ان خصال اربعہ کے اکتساب کا طریقہ بتایا ہے، پھر ان حجابات کا ذکر کیا ہے جو فطرت کے ظہور سے مانع ہیں ان میں تین قسموں کو لیا ہے، (۱) حجاب الطبع (بشری و نفسانی تقاضوں کا غلبہ) (۲) حجاب الرسم (خارجی حالات و ماحول کا مضراثر) (۳) حجاب سوء المعرفۃ (غلط تعلیم و تربیت اور پھیلے ہوئے فاسد عقائد کا اثر)۔ پھر ان کے رفع کرنے کے طریقے بتائے ہیں۔

عقائد و عبادات

کتاب کا اصل مضمون المبحث الخامس ”مبحث البر والاثم“ سے شروع ہوتا ہے حقیقت میں کتاب کا یہی موضوع و مقصد ہے۔

اصول بر میں شاہ صاحب نے سب سے پہلے توحید کو لیا ہے اس لئے کہ اسی پر اخبات انابت کا

۱۔ ان اصول کی تعریف ۵۴ پر دیکھی جائے، ۵۴-۵۵-۵۶ ۳ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ۵۶

۵۵-۵۸ پر ان کی تشریح ملاحظہ کی جائے۔ ۵۵-۵۸

انحصار ہے جو سعادت کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے توحید کے چار مراتب بیان کئے ہیں اور مشرکین عرب کے شرک کی حقیقت واضح کی ہے، توحید کے بعد صفات خداوندی پر ایمان، ایمان بالقدر اور شعائر اللہ کی تعظیم کے (جن میں شاہ صاحب کے نزدیک قرآن، کعبہ، نبی اور صلوٰۃ سب سے واضح اور اہم شعائر ہیں) ذکر کے بعد شاہ صاحب عبادات و فرائض پر آجاتے ہیں اور وضو و غسل کے اسرار، اسرار الصلوٰۃ، اسرار الزکاۃ، اسرار الصوم اور اسرار الحج پر اجمالی طور پر بحث کرتے ہیں، یہ مباحث اگرچہ اصولی اور اجمالی ہیں پھر بھی ان میں بعض ایسے نکتے آگئے ہیں جن کا دوسری جگہ ملنا مشکل ہے۔

مثلاً اسرار الصلوٰۃ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ عبادت کا یہ طریقہ اوضاع ثلاثہ، قیام رکوع، سجود کا جامع ہے اس میں بجائے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے کے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف (قیام سے رکوع، رکوع سے سجود کی طرف) ترقی رکھی گئی ہے اور یہی عقل و فطرت کے مطابق ہے، پھر شاہ صاحب نے عبادت کے سلسلہ میں اللہ کی عظمت میں تفکر و مراقبہ اور دوام ذکر پر اقتضار نہ کرنے کی (جو اشراقیین، حکماء اور ہندوستانیوں کا طریقہ رہا ہے اور بعض بے قید صوفیوں نے بھی اس کو اختیار کیا) وجہ بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ تفکر و مراقبہ انھیں لوگوں کے لئے ممکن و مفید تھا جن کی طبیعتیں ان سے مناسبت رکھتی تھیں اور وہ ان کے ذریعہ سے ترقی کر سکتے تھے، نماز فکر و عمل، ذہنی توجہ اور جسمانی مشغولیت کا مجموعہ مرکب ہے، وہ ہر طبقہ کے لئے مفید اور تریاق قوی الاثر ہے، غوائل رسم (ماحول کے خراب اثرات) سے نفع دینے اور طبیعت کے عقل کے تابع ہونے کی مشق کے لئے نماز سے زیادہ کوئی مفید مؤثر طریقہ نہیں ہے۔

یہ بحث اس کتاب کے باب پنجم میں گنہ چکی ہے۔ ۳۵ تفصیل کتاب کے حصہ دوم میں آئی ہے جس میں احادیث کو سامنے رکھ کر ان پر علیحدہ علیحدہ تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ ۳۵ ص ۳۷

جہاں تک روزہ و حج کا تعلق ہے ان کے بارہ میں اگرچہ اس بحث میں بھی اشارے کئے گئے ہیں، لیکن کتاب کے حصہ دوم میں ان کے مقاصد اور اسرار و حکمتوں پر جو لکھا گیا ہے اس کی نظیر اس سے پہلے کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آئی، اس کا ذکر آئندہ صفحات میں اپنی جگہ آئیگا۔

سیاساتِ ملی اور انبیاء کی ضرورت

المبحث السادس کا عنوان ”مبحث السياسات الملّیة“ ہے یہ کتاب کا بہت اہم بحث ہے، اس کے پہلے باب میں شاہ صاحب نے بڑی نکتہ سنجی اور حقیقت پسندی کے ساتھ بتایا ہے کہ انسانی نسلوں کو ہادیانِ طریق اور مقیمینِ ملل (انبیاء) کی ضرورت کیوں پیش آتی رہی ہے اس کے لئے ان کی فطرتِ سلیم اور عقلِ عام کیوں کافی نہیں تھی؟ پھر اس گروہ کے صفات اور ضروری شرائط سے بحث کی ہے اور یہ کہ وہ کب اور کس طرح اپنے مقصد کی تکمیل کر سکتا اور اس میں کامیاب ہو سکتا ہے یہ باب علمِ الکلام کی کتابوں میں اثباتِ نبوت کی عام بحثوں سے بالکل الگ نظر آتا ہے اور اس میں عقلِ عام اور عقلِ سلیم کو مطمئن کرنے کا وہ سامان ہے جو علمِ کلام اور عقائد کی کتابوں میں عام طور پر نہیں ملتا، اس بحث میں منصبِ نبوت اور اس کے خواص پر جو باب ہے وہ شاہ صاحب کی روحِ شریعت اور حقیقت مزاجِ نبوت سے واقفیت نفسِ انسانی کے گہرے مطالعہ اور اخلاق کے اندرونی سرچموں سے باخبری پر دلالت کرتا ہے اس باب میں بعثتِ انبیاء کے اسباب سے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

بعثت مقرونہ

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ سب سے کامل بعثت اس نبی کی ہوتی ہے جس کی بعثت "مقرون" ہوتی ہے، یعنی اس کی بعثت کے ساتھ ایک پوری قوم تبلیغ و دعوت پر مامور اور اس کے فیضِ صحبت سے تیار ہو کر دوسرے انسانوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنتی ہے، نبی کی بعثت بالاصالت ہوتی ہے (اور اس کو نبوت کہتے ہیں) امت کی ماموریت اور تفویضِ خدمت کی نوعیت بالواسطہ و بالنیابت ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ایسی ہی جامع بعثت تھی جس کے ساتھ ایک پوری امت کو آپ کے منصبِ نبوت کی خدمت و اشاعت کے لئے "جارجہ" اور آؤ کار بنایا گیا، اور اس کے لئے بعثت اور بعثت کے ہم معنی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ جتنی امتیں پیدا ہوئیں تم ان میں
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ سب سے بہتر ہو لوگوں کو نیک کام کرنے کو
عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران - ۱۱۰) کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو۔

اور حدیث میں بعثت ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، آپ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

فَانْمَا بَعَثْتُمْ مِثْرِينَ وَلَمْ تَبْعَثُوا تم قیسیر (آسانی پیدا کرنے کے لئے)
مَعْتَرِينَ ۵ پیدا کئے گئے ہو تعسیر (مشکلات پیدا

کرنے کے لئے) نہیں مبعوث کئے گئے ہو۔

اس باب کا خاص مضمون وہ ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور ان کے

مذاق و مزاج اور ان کے طریق دعوت اور طرز خطاب تفہیم کو بیان کیا گیا ہے، اس شاہ صاحب کی دقیق النظری اور خصائص نبوت اور انبیاء کے گہرے مطالعہ اور قرآن مجید کے عمیق تدبر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایرانی و رومی تمدن میں اخلاقی و ایمانی قدروں کی پامالی اور انسانیت کی زبوں حالی

عہد جاہلیت اگرچہ عرب کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، وہ ایک عالمگیر اعتقادی، اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی و سیاسی بحران تھا جو ساری دنیا پر محیط تھا، لیکن ایرانی اور رومی اس کے قائد اور اصل ذمہ دار تھے کہ انھیں کا تمدن اس وقت دنیا میں معیاری سمجھا جاتا تھا، اور اسی کی تقلید ہر جگہ کی جاتی تھی، اور انھیں کے ممالک مرکزی شہر اور معاشرہ سب سے زیادہ اس کی زد میں تھا۔

اس صورت حال کا جو نقشہ شاہ صاحب نے کھینچا ہے، اور اس کے جو اسباب بیان کئے ہیں اس سے بہتر نقشہ سیرت و تاریخ کی کسی کتاب میں جو دور ماضی میں لکھی گئی اور فلسفہ و تاریخ اور علوم عمرانیہ کے کسی فاضل کے قلم سے دیکھنے میں نہیں آیا، یہاں پر اگر شاہ صاحب کا قلم اپنے پورے جوہر دکھاتا ہے، اور ان کی قوت تحریر اور حسن انشاء اپنے نقطہ عروج پر نظر آتا ہے۔ یہ مضمون یہاں نقل کیا جاتا ہے کہ اس سے شاہ صاحب کی تاریخ پر گہری نظر و تحقیق تک پہنچنے کی صلاحیت اور صورت حال کے صحیح تجزیہ کی خداداد قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

۱۔ یہ حصہ سلاست، زور بیان جن انشاء کا ایک نمونہ ہے، اسی بناء پر مصنف نے اس کو عربی ادب کے منتخبات کے مجموعہ "مختارات" میں ایک نمونہ کے طور پر شامل کیا ہے۔

”صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامانِ راحت میں بڑی موثر گمانی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکروں میں بڑے بڑے صنائعِ اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے جو اس سامانِ آرائش و راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا، اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات، خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشاک میں تجلل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی اس کی تفصیل بہت طویل ہے اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو اس سے قیاس کر سکتے ہو۔

یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے اس کی وجہ سے ایک ایسا لاعلاج مرض پیدا ہو گیا تھا جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے

لے شاہانِ دہلی اور مغل بادشاہوں کی طرف اشارہ ہے۔

پورے نظام تمدن میں سرائیت کر گیا تھا، یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی جس سے عام و خاص اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، ہر شہری پر یہ بڑھکلفت اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو گئی تھی جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا، اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا۔

بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور یہ رقمیں اور بے پایان دولت کا شکاروں، تاجروں اور دوسرے پیشہوروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتیں، اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور سیلوں کی طرح بنا لیتے، جن سے آبپاشی اور کاشت کاری میں کام لیا جاتا، اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی۔

اس پر مشقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادۂ اخروی کا خیال بھی کرنے کا موقعہ اور مہلت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی ہے۔

بعض دوسری مفید بحثیں

اس کے بعد یہ بحث آتی ہے کہ دین کی اصل ایک ہے اور شرائط مناجات میں یکسانی

عصر و قوم کی رعایت سے اختلاف ہوتا ہے، پھر اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ دین کی ایک اصل ہونے کے باوجود ان منابج پر مؤاخذہ کیوں ہوتا ہے؟

تیسرا ترغیب و ترہیب کے اسرار وغیرہ کی ذیلی بحثوں کے بعد شاہ صاحب ایسے دین کی ضرورت ثابت فرماتے ہیں جو تمام ادیان کا ناسخ ہو، اور یہ کہ دین کو تحریف سے کیسے بچایا جاسکتا ہے، تحریف کن کن دروازوں، اور ناکوں سے دین میں داخل ہوتی ہے، وہ کن کن مشکلوں میں جلوہ گر ہوتی ہے، اور کیسے کیسے قالب اختیار کرتی ہے؟ اور شریعت نے اس کے سد باب کے لئے کیا راستے اختیار کئے ہیں، اور کیا انتظامات کئے ہیں؟ پھر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ عہد بعثت میں عہد جاہلیت کا کیا حال تھا، جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصلاح فرمائی؟

حدیث و سنت کا مقام اور ان کے بارہ میل مت کا طرز عمل

بحث سابع کا عنوان ہے ”مبحث الشرائع من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ یہاں پر وہ مباحث آتے ہیں، جن کا براہ راست حدیث و سنت کے فہم، اس سے استنباط مسائل، علوم نبوی کے اقسام، نبی سے شریعت کے اخذ کی کیفیات اور طریقوں، کتب حدیث کے طبقات، کتاب و سنت سے شرعی مطالب کے اخذ کے طریقوں اور مختلف احادیث میں جمع و تطبیق یا ترجیح سے تعلق ہے، اس سلسلہ میں غایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب فروع میں صحابہ اور تابعین کے اختلاف کے اسباب بیان کرتے ہیں، ان کی مثالیں دینے کے بعد فقہاء کے مذاہب میں اختلاف اور اہل حدیث اصحاب الرائے کے اختلاف کے فرق کو بیان کرتے ہیں، چوتھی صدی پہلے

اور اس کے بعد لوگوں کے مسائل دریافت کرنے اور ان پر عمل کرنے اور اس بابے میں عوام و خواص کا رویہ اور طرز کیا تھا؟ اس کی تفصیل سے وضاحت فرماتے ہیں جو بڑی دقیق و عمیق بحثوں پر مشتمل ہے اور جن کا علم کلام یا اصول فقہ کی کسی کتاب میں ملنا بہت مشکل ہے۔

فرائض و ارکان کے اسرار و حکم

شاہ صاحب نے عقائد سے لے کر عبادات، معاملات، احسان و تزکیہ، مقامات، و احوال، کسب معیشت کے طرق، تبرع و تعاون، تدبیر منزل، خلافت، قضا، جہاد، آداب طعام، آداب صحبت، معاشرت اور آخر میں فتن، حوادث مابعد اور علامات قیامت تک کی احادیث سے بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں سیرت نبویؐ کا خلاصہ بھی پیش کر دیا ہے اور ان مختلف ابواب کے اسرار و مقاصد اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ ان مسائل کا ربط زندگی، تمدن اور اخلاقیات سے کہیں ٹوٹنے نہیں پاتا، اور حقیقت میں کتاب کا یہی مرکزی مضمون ہے شاہ صاحب کا منشا تھا کہ حدیث کی تدریس انھیں حکم و اسرار کی روشنی میں عمل و اخلاق، تمدن و معاشرت، انسانی سعادت اور باہمی روابط کے تعلق کے ساتھ ہوتا کہ ان کا زندگی، عمل و اخلاق، تمدن و معاشرت پر پورا اثر پڑے، عقل و نقل کا تطابق ثابت ہو اور معتزضین کو ان پر اعتراض کرنے اور حدیث و سنت کی قیمت و افادیت اور ان کی اہمیت و ضرورت کو کم کرنے (جس کو شاہ صاحب کی دور بین اور حقیقت رس نگاہ نے دیکھ لیا تھا) اور ذہنی انتشار پیدا کرنے کا موقع نہ ملے، عملی ارکان اور فرائض چہاں کہہ پر شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ انھیں کا حصہ اور حجتہ الشر کے خصائص میں سے ہے یہاں بطور نمونہ کے صرف روزہ (صیام) اور حج کے مقاصد و اسرار اور ان کی اسلامی و شرعی شکل کی حکمت پر

شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔

صوم پر کلام کرتے ہوئے اور اس کی مقدار اور روزوں کی تعداد کے تعین کی حکمت (جو شریعت اسلامی کے ساتھ مخصوص ہے) اور اس کے شرعی احکام پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”روزہ میں (وقت اور تعداد و مقدار کا) اختیار دے دینے سے تاویل اور فرار کا

دروازہ کھل جائیگا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جائے گا،

اور اسلام کی یہ سب سے بڑی اطاعت غفلت کا شکار ہو جائیگی۔“

اس کے بعد اس کی مقدار و تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”اس کی (مدت کی) تعیین بھی ضروری تھی تاکہ اس میں افراط و تفریط کا موقع نہ ہو“

اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی اس پر اتنا عمل کرتا کہ جس سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا اور

کوئی اثر مرتب نہ ہوتا، اور کوئی اتنے غلو سے کام لیتا اور اتنی کثرت کرتا کہ اس کی

ناطاقی اور کمزوری حد کو پہنچ جاتی، اور وہ نیم مردہ ہو کر رہ جاتا، اصل میں روزہ

ترباق ہے جو نفس کے زہر کو مارنے کے لئے مہیا کیا جاتا ہے اس لئے اس میں ضرورت

کی رعایت ضروری ہے۔“

پھر روزہ کی دونوں قسموں (یعنی ایک وہ روزہ جس میں کھانے پینے اور ان تمام چیزوں

سے جو روزہ کے منافی ہیں مکمل پرہیز کیا جاتا ہے اور دوسرے وہ روزہ جس میں بعض چیزوں

سے پرہیز کیا جاتا ہے اور بعض سے نہیں) کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے اول الذکر کو

ترجیح دیتے ہیں اور تجربہ، تحلیل علمی اور علم النفس کی روشنی میں اس کی افضلیت بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:-

”تفلیل غذا کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ خوراک کی مقدار کو کم کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ کھانوں کے درمیان وقفہ اتنا طویل کر دیا جائے کہ یہ مقصد پورا ہو سکے، شریعت میں یہی آخر الذکر صورت اختیار کی گئی ہے، اس لئے کہ اس سے بھوک اور پیاس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، حیوانی خواہشات پر چوٹ پڑتی ہے اور محسوس طور پر نظر آتا ہے کہ اس میں کمی آئی ہے، اس کے برخلاف اول الذکر صورت میں اس کے کہ آدمی پر کوئی خاص اثر مرتب ہو، غذا کے تسلسل کی وجہ سے یہ بات پیدا نہیں ہو پاتی، دوسرے یہ کہ اول الذکر کے لئے کوئی عمومی قانون بنانا بہت مشکل بات ہے، اس لئے کہ لوگ مختلف حالات رکھتے ہیں، ایک آدمی ایک پاؤ کھاتا ہے، دوسرا آدھ سیر کھاتا ہے، چنانچہ اس قسم کے تعین سے اگر ایک کا بھلا ہوگا تو دوسرے کا نقصان بھی ہوگا۔“

وہ کہتے ہیں کہ اس تعین اور اوقات کی پابندی میں اعتدال ضروری ہے، لکھتے ہیں :-
 ”یہ بھی ضروری تھا کہ یہ مدت تکلیف مالا یطاق میں مبتلا کرنے والی نہ ہو مثلاً تین دن تین راتیں، اس لئے کہ یہ شریعت کے موضوع سے خارج اور اس کے مقصد کے خلاف ہے، اور عام طور پر اس پر عمل بھی ناممکن ہے۔“

حج کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بالکل منفرد اور یگانہ بحث ہے، شاہ حنا فرماتے ہیں :-

”حج کے مقاصد میں اس میراث کی حفاظت بھی ہے، جو سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسمعیلؑ نے ہمارے لئے چھوڑی ہے، اس لئے کہ یہ دونوں ملتِ حنیفی کے امام اور عرب میں اس کے مؤسس اور بانی کہے جاسکتے ہیں، حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بھی اسی لئے ہوئی تھی کہ ملت حنیفی آپ کے ذریعہ دنیا میں غالب آئے، اور اس کا پرچم بلند ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ** (ملت ہے تمہارے باپ ابراہیم کی) اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس ملت کے امام سے جو چیزیں ہم کو ورثہ میں ملی ہیں مثلاً خصالِ فطرت، اور مناسک حج، اس کی ہم حفاظت کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قفوا علی مشاعرکم فانکم علی
إرث من إرث أبیکم۔
اپنے مشاعر (مقامات حج) پر ٹھہرو
اس لئے کہ تم اپنے باپ کی ایک رات
کے وارث ہو۔

نیز اس کی ایک دوسری حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”جس طرح حکومت کو ہر تھوڑے عرصہ کے بعد ایک عام جائزہ اور معائنہ کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ کون وفادار ہے، کون باغی، کون فرض شناس ہے، کون کام چور؟ نیز اس کے ذریعہ اس کی ایمانداری کی شہرت ہو اور اس کا نام اونچا ہے، اس کے کارندے اور باشندے ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں، اسی طرح ملت کو حج کی ضرورت ہے تاکہ منافق و غیر منافق

۱۔ سورہ حج - ۷۸، ۷۹ ان خصالِ فطرت سے مراد یہ دس چیزیں ہیں، مونچھیں ترشوانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، پانی سے ناک صاف کرنا، ناخن کاٹنا، انگلی کے پوروں کا دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، بوئے زینا مٹا کرنا، پانی سے استنجا کرنا، ختنہ کرنا، ابوداؤد بروایت حضرت عائشہؓ (دسویں چیز کے بارے میں راوی کہتے ہیں میں بھول گیا شاید وہ کٹی ہے، لیکن قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ نے دسویں چیز ختنہ بتائی ہے) ۲۔ حجۃ اللہ الیہ ۱۲

میں تمیز ہو سکے، اللہ تعالیٰ کے دین میں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں جوق جوق
جماعتیں حاضر ہوں، لوگ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں اور ہر شخص اس
چیز میں جو اس کے پاس نہیں ہے دوسرے سے استفادہ کرے، اس لئے کہ بہترین
و مرغوب اشیاء بالعموم صحبت و رفاقت سے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی حاصل
ہوتی ہیں^{۱۵}۔

نیز وہ فرماتے ہیں:-

”جچ چونکہ ایک ایسا موقع ہے جس میں سبھی جمع ہوتے ہیں، اس لئے وہ غلط قسم
کے رسوم سے حفاظت کے لئے بہت مفید ہے، ملت کے اپنے اماموں، و پیشواؤں
کے حالات یاد کرتے اور ان کی اتباع کا جذبہ دل میں پیدا کرنے کے لئے کوئی چیز
اس درجہ کی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے^{۱۶}۔“

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

”(جچ کے) مقاصد میں وہ بات بھی ہے جس کے لئے حکومتیں نمائش یا سرکاری جشن
کیا کرتی ہیں، جس کو دیکھنے کے لئے قریب و دور ہر جگہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں ایک دوسرے
سے ملتے ہیں، اپنی حکومت اور اپنی ملت کی تعلیمات سے آشنا ہوتے ہیں اور اس کے
مقدس مقامات کی تعظیم بجالاتے ہیں، اسی طرح جچ مسلمانوں کی نمائش
یا سرکاری جشن ہے جس میں ان کی شوکت ظاہر ہوتی ہے، ان کی قوتیں مجتمع ہوتی ہیں
ان کی ملت کا نام روشن ہوتا ہے۔“

۱۵ حجة الہ بالذبح ۵۹-۶۰ ۱۶ اس میں دینی تحریف، بدعات اور مقامی اضافے اور حدیثیں

سب شامل ہیں۔ ۱۷ ایضاً ۵۹-۶۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً
لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا
اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب
ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لئے
ایک مقام رجوع اور مقام امن قرار کیا

کتاب کی جامعیت

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ فقہ، حدیث، عقائد، عبادات و معاملات سے تعلق رکھنے والے ابواب و مباحث کے ماسوا اس میں تدبیر منزل، خلافت و قضاء ابواب معیشت اور آداب صحبت کے مباحث بھی ہیں جو اخلاق و معاشرت اور تمدن و معیشت سے تعلق رکھتے ہیں اور عام طور پر کسی فقہی یا کلامی کتاب میں ان کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

احسان و تزکیہ نفس

پھر اس پرستار شاہ صاحب نے اس میں حدیث و سیرت کی روشنی میں احسان و تزکیہ کا ایسا نظام مرتب کر کے پیش کر دیا ہے جس پر چل کر انسان قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج، مراتب و لایت اور مقامات و احوال تک پہنچ سکتا ہے احسان کا یہ باب کتاب کے صفحہ ۶۶ سے ص ۱۰۱ تک پھیلا ہوا ہے اس باب میں شاہ صاحب نے انھیں وسائل سے بحث کی ہے جو احادیث صحیحہ میں آئے ہیں صرف ان میں استحضار اعظم و نیت اور کیفیات باطنی اور قالب کے ساتھ روح کی طرف توجہ کرنے پر زور دیا ہے ساتھ ہی ساتھ ان عوارض

وامراض کا جو پیش آتے رہتے ہیں، علاج انہیں طرقِ مشروعہ اور انہیں فرائض و عبادات و اذکار سے تجویز کیا ہے اس کے ساتھ اخلاقِ رذیلہ کے علاج اور اخلاقِ فاضلہ کے حصول کا طریقہ بھی شریعت و سنت کے منصوص طریقوں سے بتایا ہے۔

اس بحث میں اذکارِ ماثورہ، ادعیہ مشروعہ، اور استغفار کے اہم صیغے بھی جمع کر دیئے ہیں، اور مؤثر اور مقبول دعا کا طریقہ اور اس کے شرائط بھی بتائے ہیں، اس سلسلہ میں طبعی تقاضوں اور زندگی کی ضرورتوں اور دینی اعمال کو نیت کے استحضار کے ساتھ ادا کرنے پر زور دیا ہے، اور ان کے اثر و کیفیت کے جُدا ہونے کو واضح کیا ہے، فرماتے ہیں:-

اعلم ان النیۃ روح والعبادة	یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ نیت روح ہے
جسد، ولا حیاة للجسد بدون	اور عبادت جسد، جسد کی حیات روح
الروح، والروح لها حیاة	کے بغیر ممکن نہیں روح بدن کی
بعد مفارقة البدن، ولكن	مفارقت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے
لا يظهر آثار الحیاة كاملة بدونہ	لیکن آثارِ حیات کا کامل طور پر بدن
	کے بغیر ظہور نہیں ہوتا۔

ولذلك قال الله تعالى "لَنْ	اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، الشترک
يَبْنِيَ اللهُ لِحُومِهَا وَلَا دِمَآؤُهَا	ان قربانیوں کے گوشت اور خون
وَلَكِنْ يَبْنِيهِ التَّقْوَىٰ مِثْلُ طَٰئِفَةٍ	نہیں پہنچیں گے، وہاں پہنچنے والی
(الحج - ۳۷)	چیز تمہارا تقویٰ ہے۔

وقال رسول الله صلى الله عليه	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
واله وسلم "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ"	فرمایا، اعمال کا دار و مدار نیات پر ہے۔

پہریت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

واعنی بالنية المعنى الباعث على
العمل من التصديق بما أخبر به
الله على السنة الرسل من ثواب
المطيع وعقاب العاصي أو حب
امتنال حكم الله فيما أمر ونهى.
ثبت سے ہماری مراد تصدیق کی وہ
ذہنی کیفیت ہے جو اس عمل پر آمادہ
کرتی تصدیق اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ
نے اپنے انبیاء کے ذریعہ اطاعت
کرنے والے کو ثواب اور نافرمانی
کرنے والے کو سزا کا جو وعدہ کیا ہے
وہ اس حکم کی تعمیل اور اس معصیت
سے احتراز کا سبب ہے۔

اس باب کے آخر میں شاہ صاحب نے اخلاق فاضلہ کے حصول، حقوق العباد کی ادائیگی
اور حسن معاشرت کے سلسلہ میں کچھ حدیثوں کا انتخاب فرما کر نقل کر دیا ہے، جن پر عمل کرنے سے
انسان احسان و تزکیہ کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ سکتا ہے، پھر ان مقامات و احوال کا ذکر کیا ہے
جو احسان و تزکیہ کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں اور نور باطنی، قلب کی بیداری اور نفس کی
صفائی، رضائے خداوندی اور ملأ اعلیٰ کی تائید و مسرت کا نتیجہ ہیں۔

جہاد

اس کتاب میں جہاد پر بھی پورا ایک باب ہے، اور اس کو شاہ صاحب نے ان فکر انگیز
اور چوکنا دینے والے الفاظ سے شروع کیا ہے، جو ادیان و ملل کی پوری تاریخ، مفاد خلق انسانی

اور خالق کائنات کے نظام مطلوب پر گہری نظر رکھنے والا عارف ہی لکھ سکتا ہے :-

اعلم ان اتم الشرائع وامل
یادرکھو کہ مکمل ترین شریعت اور

النوامیس هو الشرع الذی
کامل ترین قانون وہ شریعت ہے

یومرفیہ بالجہاد^۱
جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو۔

اس کے بعد اس کی تشریح کی ہے، اس کو عقلاً نقلًا ثابت کیا ہے، پھر فضائل جہاد کے اصول و اسباب بیان کئے ہیں۔

غرض یہ کتاب اپنی جامعیت، عمق، دین و شریعت کی وسیع لیکن مربوط ترجمانی اور ان صد ہا بیش قیمت نکات و تحقیقات کی بناء پر جو کتاب کے صفحات پر جا بجا پھیلے ہوئے ہیں، اسلامی کتاب خانہ میں متعدد حیثیتوں سے بالکل ایک انفرادی شان رکھتی ہے، اور اس کی تصدیق کرتی ہے کہ ”کم ترک الأول للآخر“ مولانا شبلیؒ نے اپنی مشہور کتاب ”علم الکلام میں صحیح لکھا ہے :-

”ابن تیمیہؒ اور ابن رشد کے بعد ملکہ نوا انھیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی

تنزل شروع ہوا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحبِ دل

و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیز لگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ

میں جبکہ اسلام کا نفس باز سپہ سالار تھا، شاہ ولی اللہؒ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی

نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

”شاہ صاحبؒ نے علم الکلام کے عنوان سے کوئی تصنیف نہیں کی اور اس بناء پر

ان کو تکلیف کے زمرہ میں شمار کرنا بظاہر موزوں نہیں لیکن ان کی کتاب
حجة الله البالغة جس میں انھوں نے شریعت کے حقائق اور اسرار بیان کئے ہیں
درحقیقت علم کلام کی روح رواں ہے۔

فاضل عصر مولانا عبدالحق صاحب حقانی (صاحب تفسیر حقانی، وعقائد الاسلام)
حجة الله البالغة کے ترجمہ نعمۃ الله السالغۃ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

”جس فن میں یہ کتاب ہے، آپ سے پہلے کسی نے اس کو ایک جگہ جمع نہ کیا تھا،
اس فن کا موضوع نظام تشرعی محمدیؐ من حیث المصلحة المفيدة ہے
اور غایت اس کی یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا اور اس کے رسولؐ
کے احکام میں نہ کچھ تنگی ہے، نہ وہ خلاف فطرت سلیمہ ہیں، تاکہ ان پر انسان کو پورا
وثوق ہو جائے اور ان کو فطرت پر مبنی باتیں سمجھ کر دل ان کی طرف کھینچ آئے اور
کس تشنگ کے بہکانے سے دل میں شبہ نہ پڑ جائے اور خدا اس کی یہ ہے کہ وہ علم جس میں
قوانین دینیہ اور احکام شرعیہ کی حکمت معلوم ہوتی ہے، اور مبادی اس کے تمام
علوم ہیں۔“



باب ہشتم

نظام خلافت کی ضرورت و افادیت،
خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت اور ان کے احسانات
کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافة الخلفاء" کے آئینہ میں

کتاب "ازالۃ الخفاء کی اہمیت و افادیت

"ازالۃ الخفاء" شاہ صاحبؒ کی (حجۃ اللہ البالغہ کے بعد) دوسری معرکہ الآراء تصنیف ہے اور اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر اپنے موضوع پر مفرد اور یگانہ کتاب ہے پوری کتاب وجد آفریں اور ولولہ انگیز علمی اور ذوقی نکات سے لبریز ہے، خاص طور پر شاہ صاحبؒ کے قرآن مجید میں طویل تدبر، وہی مناسبت، اس دقیق و عمیق فہم، آیات کے اشارات و مضمرات کی طرف انتقال ذہنی، اور دقت استنباط اور وفور ذکاوت کے ایسے نمونے ملتے ہیں کہ ایک انصاف پسند اور سلیم الطبع انسان خود بخود اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ علم محض کتابی اور اکتسابی نہیں ہے، اس کتاب کا مصنف اپنے زمانہ کے مروجہ نصاب درس، کتب تفسیر، اصول فقہ و علم کلام کا ساختہ پر داختہ اور ان کا خوشہ چین اور زلہ ربا نہیں ہے، اس علم کا تعلق مہبتِ خداوندی و افاضۂ ربانی سے ہے، خود شاہ صاحبؒ کے قلم سے بے اختیار کتاب کے آغاز ہی میں یہ الفاظ نکل گئے ہیں:۔

لا جرم نور توفیق الہی در دل ایں واقعہ یہ ہے کہ توفیق الہی کے نور نے

بندہ ضعیف علمے را مشروح و مبسوط اس بندہ ضعیف کے دل میں (ایک
 گردانید تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ مستقل علم کو) اس شرح و بسط کے
 شد کہ اثبات خلافت میں بزرگوارا ساتھ اتفاق کیا کہ اس کو علم الیقین
 اصلیت از اصول دین تا وقتیکہ کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ ان حضرات
 میں اصل را محکم نہ گیرند، بیچ مسئلہ (خلفائے راشدین) کی خلافت کا
 از مسائل شریعت محکم نہ شود۔ اثبات اصول دین میں سے ایک
 اصل عظیم ہے، جب تک اس اصل کو پوری مضبوطی کے ساتھ تسلیم نہیں
 کیا جائیگا، شریعت کے مسائل میں کسی مسئلہ کو استحکام حاصل نہیں ہوگا۔

اُن صاحب کمال علماء کی بھی جو بہت سے مسائل میں شاہ صاحب سے اختلاف رکھتے تھے، اور جن کو علوم عقلیہ میں تو غل، بلکہ درجہ امامت حاصل تھا، جب اس کتاب پر نظر پڑی تو وہ مصنف کے تبصر علمی اور ذر ذر نگاہی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے، مولانا محسن بن بکائی تہمتی صاحب "ایمان الحق" کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) کو دیکھا کہ جو وقت خالی ہوتا تھا اس میں کسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک و مستغرق ہیں، ہم لوگ خلاف معمول ان کے اس استغراق کو دیکھ کر متعجب ہوئے، اور تجسس پیدا ہوا کہ یہ کیا کتاب ہے؟ اور کس کی تصنیف ہے؟ انھوں نے خود ہی فرمایا کہ اس کتاب کا مصنف ایسا بحر زخار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، معلوم ہوا کہ یہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیف "ازالۃ الخفا" ہے جس کا ایک نسخہ

مولانا کے ہاتھ آگیا ہے،

فخر المتاخرین ابوالحسنات مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۲ھ) جن کا تبحر علمی نادرہ روزگار جامعیت اور وسعت نظر مشہور و مسلم ہے، اپنی مشہور کتاب "التعلیق المجدد علی مؤطا الامام محمد" میں "ازالۃ الخفا" کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "کتاب عبدیم النظیری بابہ" (کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر اور عبدیم المثال ہے)۔

”حجۃ اللہ“ اور ”ازالۃ الخفا“ کا باہمی تعلق

حجۃ اللہ ابوالغہ کی تصنیف کے بعد جس میں اسلام کا جامع و مربوط نظام اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ زندگی اور معاشرہ و تمدن سے اس کا ربط و تعلق ثابت ہوتا ہے، اور یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اسلام کے پیش کئے ہوئے عقائد و عبادات اور اجتماعی زندگی کے احکام پر عمل کئے بغیر کسی صحت مند معاشرہ، صالح تمدن اور معتدل و متوازن اجتماعیت کے وجود کی توقع نہیں کی جاسکتی، اس مقصد کی توضیح و تکمیل اور اس مرحلہ کو عالمانہ و محققانہ شان کے ساتھ (جس میں قریبی زمانہ میں آنے والے دور انقلاب کی عقلیت پسند طبیعتوں اور دماغوں کی تسکین و تشفی کا سامان تھا) اس کی ضرورت تھی کہ خود اسلام کے نظام اجتماعی کے مزاج و خصوصیات اور مقاصد و دائرہ عمل پر نیز اس کے عالمگیر دائمی، اور صریح و منصوص ادارہ ”خلافت“ پر اسی شرح و بسط، نقل و عقل کی مدد و تالیف کی شہادت اور سب سے بڑھ کر کتاب و سنت کی روشنی میں قلم اٹھایا جائے، نیز ان غلط فہمیوں و گمراہیوں کا

لہ "ایمان الحق" ص ۹۳ مطبوعہ علی رجال الطحاوی، و نزہۃ النوا طرچ ۶ ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔

پردہ چاک کیا جائے جو اس سلسلہ میں زمانہ قدیم سے رونما ہوئی ہیں اور ان کی بنیاد پر ایک بڑے فرقہ کا وجود عمل میں آیا ہے جس نے خاص طور پر شاہ صاحب کے دور میں ایرانی عنصر کے غلبہ کی بناء پر ایک ایسا ذہنی انتشار پیدا کر دیا تھا جس کا اثر عقائد و اعمال کے حدود سے آگے بڑھ کر نظام حکومت اور ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ پر بھی پڑا تھا، اور اس نے اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل کو مشکوک و مشتبہ بنا دیا تھا۔

اس کی حیثیت (ان لوگوں کی نظر میں جو اس مذہب کی تاریخ اس کے بنیادی عقائد اور اس کے دین کے تصور و فہم سے واقف تھے اور جنہوں نے براہ راست اس کی مستند کتابوں اور اصلی مآخذ کا مطالعہ کیا تھا) محض ایک اجتہادی اختلاف یا دائرہ شریعت کے اندر ایک ذیلی فرقہ کی نہیں تھی، بلکہ وہ اس فہم دین کے متوازی جس کی بنیاد کتاب و سنت، منصب نبوت کی عظمت اور ختم نبوت کے عقیدہ پر بھی ایک مستقل فکر اور دینی تصور تھا، اس کا کسی قدر اندازہ فرقہ اثنا عشریہ کے عقیدہ امامت سے ہو سکتا ہے جس کے نزدیک امامت نبوت کے ہم پلہ ہے، بلکہ بعض حیثیتوں سے اس سے بھی فائق ہے۔

لے حال میں انقلاب ایران کے قائد روح الشریعہ جی۔ جی۔ آیت اللہ العظمیٰ الامام الخمینیؑ کے نام سے مشہور ہونے والی کتاب "الحکومة الإسلامية" مطالعہ میں آئی اس میں ص ۵ پر "الولاية التكوينية" کے عنوان سے یہ لکھنے کے بعد کہ ائمہ کو خلافت کوئی حاصل ہوتی ہے اور اس عالم کے تمام ذرات ان کی حکومت و اقتدار کے تابع اور فرماں بردار ہوتے ہیں، حسب ذیل عبارت آئی ہے:

و ان من ضروریات مذهبنا ان لا نعتمد مقاماً یقر بہ مطلق مقرب ولا نبی مرسل، و بموجب ما لدینا من الروایات والأحادیث فیما فی الرسول الأعظم (ص) والأئمة (ع) کأنوا قبل هذا العالم أنواراً فجعلهم الله بعوثة محمد فین وجعل لهم من المنزلة والرفی ما لا یعلمہ الا الله۔

عطا فرمایا جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

اس عالم سے پہلے انوار (روحانیات) تھے اللہ نے ان کو اپنے عرش کا احاطہ کرنے والا بنا دیا اور ان کو ایسا مرتبہ اور قرب عطا فرمایا جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

شاہ صاحب کتاب کی تالیف کی اولین غرض وغایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

می گوید فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہیں فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہتا ہے کہ
زمان بدعت تشیع آشکار شد و نفوس اس زمانہ میں تشیع کی بدعت کا
عوام بشہات ایشان تشریف گشت شیوع ہوا، عوام کی طبیعتیں ان کے
و اکثر اہل اس قلم در اثبات خلافت پیدا کئے ہوئے شبہات گہرے
خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ طریقہ پر متاثر ہوئے، اس علاقہ کے
علیہم اجمعین شکوک ہم رسانیدند اکثر باشندوں کے دل میں خلفائے

راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
اجمعین کے ثبوت خلافت کے
بارے میں طرح طرح کے شکوک
و اعتراضات پیدا ہو گئے۔

شاہ صاحب کی نظر اس تشکیکی فتنہ کی ظاہری سطح ہی پر نہیں تھی، اس کی تہ میں جو گہری
سازش کام کر رہی تھی اور اس کے جو دور رس نتائج ظاہر ہونے والے تھے، (مثلاً اسلام کا
اپنے اولین و بہترین دور میں ناکام ثابت ہونا اور صحبت و تربیت نبوی کی بے اثری صحابہ کرام
کے ذریعہ خیر القرون میں قرآن کی حفاظت، سنت کی اشاعت اور جن امور پر اتفاق ہوا
اس سب پر بے اعتمادی) ان کو بھی دیکھ رہی تھی چنانچہ فرماتے ہیں:-

ہر کہ در شکستن اس اصل سعی می کند جو شخص بھی خلافت راشدہ کی صحت
بحقیقت ہم جمیع فنون دنیسیہ کے اصول کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے

می خواہد۔

اور دین کے اس اصل کا انکار کرنا

ہے وہ حقیقت میں تمام فنون دینیہ

کو منہدم کر دینا چاہتا ہے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”خلفائے راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے

درمیان قرآن مجید کے اخذ و تلقی میں واسطہ ہیں“

اس کے بعد وہ اس دائرہ میں ان علوم اور شعبوں کو بھی شامل کرتے ہیں جن کی دولت

خلفائے راشدین ہی کے ذریعہ امت کو حاصل ہوئی، مثلاً علم حدیث، علم فقہ اور اس سے

بڑھ کر مجتہد فیہ مسائل میں کسی ایک خاص شکل پر اجماع کا انعقاد اور اختلاف امت کا خاتمہ

نیز علم احسان (جس کا نام بعد کے زمانہ میں علم سلوک پڑ گیا) اس کے بعد مراتب علم حکمت،

اخلاق فاضلہ اور اخلاق رذیلیہ کی وضاحت اور ان کا فرق، تدبیر منزل اور ریاست مدن

شاہ صاحب کے نزدیک یہ سب علوم و کمالات امت کو خلفائے راشدین ہی کی تعلیم اور طریق عمل

سے حاصل ہوئے، اور امت اس باسے میں ان کی رہن منت ہے۔

اس لئے یہ عین مناسب تھا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے بعد جو گویا اسلام کی علمی و نظری

تفہیم و تشریح ہے یہ دکھایا جائے کہ واقعات کی دنیا میں نبوت کے بعد کے متصل دور میں

کس طرح کامیابی کے ساتھ ان اصول و تعلیمات کو عملی شکل دی گئی، زندگی پر کس خوش اسلوبی

کے ساتھ ان کا انطباق ہوا، معاشرۃ انسانی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے، دو قدیم

باجبروت اور صاحب اقتدار تمدن (جنہوں نے تمدن دنیا آپس میں تقسیم کر رکھی تھی اور جن کی

تاریخ صدیوں کی پرانی تھی) جن سلطنتوں (دولت ساسانیہ اور دولت روم) کے سایہ میں اور ان کی رہنمائی اور سرپرستی میں پھل پھول رہے تھے، اور حیات انسانی پر اثر انداز ہو رہے تھے، وہ کس طرح نیست و نابود ہوئیں۔

چند قدیم تصنیفات

اسلام کے نظام اجتماعی، سلطنت اور اس کے دائرہ عمل پر (مرتبہ اور کیفیت سے قطع نظر تعداد و کمیت کے لحاظ سے بھی) ہمیں قدیم ذخیرہ کتب میں بہت کم کتابیں ملتی ہیں، اس موضوع پر امام ابو یوسفؒ (۱۵۰-۲۴۰ھ) جو امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید اور خلافت عباسیہ کے قاضی القضاۃ تھے، کی کتاب الخراج "بنیادی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس کا دائرہ بحث سلطنت اسلامیہ کے ذرائع آمدنی، مالیات اور نظام محاصل تک محدود ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی قابل ذکر کتاب قاضی القضاۃ علامہ ابو الحسن علی ابن محمد بن حبیب الماوردی (۳۶۴-۴۵۰ھ) کی تالیف "الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ" ہے، یہ متوسط سائز کے ۲۵۹ صفحات میں آئی ہے، اس کا مرکزی موضوع امت اور اس کا محکم شرعی، شرائط، کیفیت انعقاد، اس کے تفویض کئے ہوئے مناصب اور امام کے فرائض و واجبات، قضاۃ کے تقرر کے احکام، امامت، ولایت صدقات اور حزیہ و خراج وغیرہ کے احکام ہیں، اور حدود و نیز احتساب وغیرہ کا بیان ہے، خلافت راشدہ کی

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "ازالۃ الخفا" عنوان "برہم شدن دولت ساسانیہ ص ۵۴-۵۹ و عنوان

"برہم شدن دولت رومیہ" ص ۵۹-۶۳

صحّت و ثبوت اور خلفائے راشدین کے فضائل و مناقب اور کارناموں سے کوئی بحث نہیں۔

اس موضوع پر سب سے بڑی کتاب ”الغیاثی“ ہے اس کا پورا نام ”غیاث الامم فی التیّات الظلم“ ہے کتاب کے مصنف امام غزالیؒ کے نامور استاد اور اپنے زمانہ کے اتنا الاساتذہ امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بجویؒ (۳۱۹ھ - ۳۷۹ھ) ہیں یہ کتاب صلاً دولت سلجوقیہ کے نامور وزیر با تدبیر نظام الملک طوسی (۳۸۵ھ - ۴۵۵ھ) (بانی مدرسہ نظامیہ بغداد و نیشاپور) کے مشورہ و ملاحظہ کے لئے تصنیف کی گئی ہے جو ضابطہ سے ملک لپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے وزیر اور مدار المہام سلطنت تھے، لیکن حقیقتاً اس عظیم سلطنت بلکہ شہنشاہی کے کرتادھرتا تھے کتاب درحقیقت امامت کے شرعی احکام صفات اور فرائض پر ہے قسم اول میں ائمہ ولایۃ رعیت اور قضاۃ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اس پر بھی بحث کی گئی ہے کہ اگر کسی زمانہ میں کوئی امام نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے، نیز مفتیوں و والیوں کے اوصاف و فضائل بیان کئے گئے ہیں، ان کی غیر موجودگی میں امت کے فرائض کیا ہو جاتے ہیں، اگر منصب امامت پر کوئی نااہل بزور شمشیر مسلط ہو جائے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اگر زمانہ مفتیوں سے خالی ہو تو امت کا کیا فرض ہے؟ خلع امام کے کیا اسباب ہیں؟ پھر تفصیل سے وہ فقہی احکام بیان کئے گئے ہیں جو مفتیوں کے نہ ہونے کی صورت میں امت کو جاننے چاہئیں اور ان پر عمل کرنا چاہئے، یہاں پہونچکر اسے یہ کتاب ڈاکٹر عبد العظیم الدیب کی تحقیق سے شیخ عبد اللہ ابن ابراہیم الانصاری کی توجہ اور انتہام سے حکومت قطر کے ”الشؤون الدینیۃ“ کے مصارف پر ۱۳۸۵ھ میں طبع ہوئی، کتاب کی ضخامت بڑی تختی پر ۶۱۱ صفحات ہیں۔ ۱۵ ابن خلکان، طبقات اشافعیہ وغیرہ نظام الملک کے حالات و کمالات کے لئے (اردو میں) ملاحظہ ہو نظام الملک طوسیؒ از مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری مرحوم۔

یہ کتاب فقہ (شافعی) کی کتاب بن جاتی ہے، کتاب میں خلفائے راشدین کی خلافت کی صحت و اہمیت سے بحث نہیں، وہ درحقیقت امامت کے شرعی احکام، صفات و فرائض پر ہے، کتاب میں جا بجا ماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" پر تعریض اور مولف پر اعتراضات بھی ہیں۔

تیسری قابل ذکر کتاب شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶۶۱ھ - ۷۲۸ھ) کی کتاب "السیاسة الشرعية فی اصلاح الراعی والرعية" ہے، مصنف علام نے کتاب کے خطہ میں صراحت سے کہہ دیا ہے کہ یہ مختصر رسالہ ہے جس میں سیاست الہیہ اور نیابت نبویہ کے وہ چند اصول و احکام بیان کئے جائیں گے جن سے راعی اور رعیت کوئی بھی مستغنی نہیں، کتاب درحقیقت آیت قرآنی :-

اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُكُمْ اَنْ تُوَدُّوا
الْاٰمِنِيْنَ اِلٰى اَهْلِيْهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ
بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَعْلَمُوْا بِالْعَدْلِ
(الی قولہ تعالیٰ) ذٰلِكَ خَيْرٌ
وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالہ کر دیا کرو، اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا

(سورۃ النساء - ۵۸-۵۹) مال بھی اچھا ہے

کی تفسیر و تفصیل ہے۔

قسم اول میں باب اول کا عنوان "الولايات" ہے، باب دوم کا "الأموال" ہے، اور قسم ثانی میں پہلے حدود الشر و حقوق الشر سے بحث کی گئی ہے، پھر حقوق العباد سے کتاب متوسط سائز کے ۱۶۸ صفحہ پر آئی ہے،

لہٰذا اسے سامنے اس کا چوتھا ایڈیشن ہے جو ۱۹۶۹ء میں دارالکتاب العربی مصر کی طرف سے شائع ہوا۔

اس کتاب میں بھی خلافت راشدہ اور خلفائے راشدین کے سلسلہ کی اصولی، کلامی اور تاریخی بحثوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا جس کے بارہ میں کتاب کے جلیل القدر مصنف سند اور امام کا درجہ رکھتے تھے اور اگر وہ اس کی طرف توجہ فرماتے تو وہ اسلام کے تحقیقی ذخیرہ کتب اور مباحث میں گرا نقدر اضافہ ہوتا، اس موضوع پر ان کے وسیع علم اور رواں قلم نے ”منہاج السنۃ“ کے صفحات پر اپنا اصلی جوہر دکھایا ہے اور اس میں ان کے دریائے علم کی طغیانی اور رہوار قلم کی جولانی کا تماشا دیکھنے میں آتا ہے۔

اسلام میں خلافت کی حیثیت و مقام

قرآن مجید اور حدیث نبویؐ میں دعوت اسلامی اور دین محمدیؐ کے قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے والوں کا تصور ایک منظم اور مربوط جماعت ہی کی شکل میں کیا گیا ہے ان کے لئے ”امت“ ”ملت“ ”جماعت“ کے حوالہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ سب اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کتاب و سنت کی لغت و اصطلاح میں محض تعداد کی کثرت اور انسانوں کے انبوه کے جیسے سطحی مفہوم اور معنی کے لئے استعمال نہیں کئے گئے جن کا ادیان و ملل کی تاریخ میں بھی اور قوموں اور تہذیبوں کی تقدیر میں بھی کوئی وزن اور اثر نہیں ہے بلکہ سارا قرآن مجید کہیں امم سابقہ کے واقعات کے سلسلہ میں اور کہیں قوت و ضعف اور غلبہ و ہزیمت کے اسباب کے تذکرے میں، تعداد کی کثرت کی بے اثری، انسانی انبوه کی بے وزنی اور صالح ترین افراد کی موجودگی میں فساد کے غلبہ انسانوں کی مظلومیت اور دین حق کی مظلومیت کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”منہاج السنۃ“ پر تبصرہ ”تایخ دعوت و ہزیمت“ حصہ دوم ص ۲۸۴-۳۱۲

میزان عدل اور میزان عقل دونوں میں منتشر افراد کی (جن کی تعداد خواہ کتنی ہی زائد ہو) کوئی بڑی اہمیت و افادیت نہیں۔

اسلام کے پیش نظر جو عظیم مقاصد ہیں، ان میں عباد و معبود کے تعلق کی اصلاح و تنظیم، پھر اس کی ترویج و توسیع، انسانی زندگی کو اس کے قالب میں ڈھالنے کی سعی، افراد جماعت کے باہمی تعلقات کی استواری اور خوشگواہی بھی ہے، ایک ایسی شائستہ، خوش اسلوب پرسکون اور پرامن زندگی کے لئے فضا ہموار کرنا بھی ہے جس میں خالق کے فرائض مخلوق کے حقوق، دونوں کے ادا کرنے کا پورا موقع، اور ان کمالات و ارتقائی منازل تک پہنچنے کا پورا امکان پایا جائے، جن کی صلاحیت انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، اس نے کوشش کی ہے کہ اس کی قوت عمل اور ذہانت، ان خطرات کا مقابلہ کرنے، ان نقصانات سے بچنے اور ان مفاسد کے دور کرنے میں ضائع نہ ہو، جو کبھی غیر منظم زندگی سے پیدا ہوتے ہیں، کبھی خود ساختہ قوانین سے کبھی مطلق العنانی اور جاہ و اقتدار کی ہوس سے، اس کے لئے ایک منزل من الشرف، قانون، آسمانی شریعت، اور خدا کی الوہیت و حاکمیت کے عقیدہ پر ایک نظام خلافت و امارت ضروری ہے، جہاں تک شریعت الہی کا تعلق ہے، اس کے منزل من الشرف، معصوم عن الخطاء، اغراض و مفادات، تعصبات اور جنبہ داریوں سے بند و بالاتر ہونے کا عقیدہ ضروری ہے اور جہاں تک خلافت و امارت کا تعلق ہے، اس کا اس شریعت کے صحیح ترجمان و نمائندہ، اور انسانی طاقت و ارادہ کی حد تک بے جا حماقت و عصبیت، مدہانت اور عدم مساوات سے دور رہنا ضروری ہے۔

ان مقاصد کی تکمیل اور ان نتائج کے ظہور کے لئے ابتداء ہی سے صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسے احکام و ہدایات صادر فرمائیں جن کی موجودگی میں مسلمان

ایک ایسی منظم اور مربوط جماعت کی شکل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جو ایک ایسے حنا امر فرد کے حکم و انتظام کی تابع ہے، جو بہت سی خصوصیات میں ان سے امتیاز رکھتا ہے، ان کے مصلح مفادات اور ضروریات کا نگران ہے، اور انھوں نے اس کو شریعت کے وسیع و پچکدار رہنما اصولوں کی روشنی میں انتخاب کیا ہے، اگر وہ امامت کبریٰ کے منصب پر فائز ہے تو اس کو خلیفۃ المسلمین، امیر المؤمنین، یا امام کہیں گے، اور اگر وہ اس کا نائب اس کا نامزد کیا ہوا، یا شریعت کے احکام کے نفاذ، فصل خصوصیات، اور نظم دینی زندگی گزارنے کے لئے مسلمانوں اس کو (جزئی اور مقامی طور پر) انتخاب کیا ہے، تو اس کو امیر کہیں گے۔

خلیفہ کا انتخاب ایسے دینی فرائض میں سے تھا کہ سب سے بڑے عاشق رسولؐ اور جہاں تثار رفیق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سب سے بڑے عاشق و جہاں نثاروں کے گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (مع اہل بیت عظام کے) اس مسئلہ کا تصفیہ، اور خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کو جسدا طہر و انور کی تدفین پر مقدم رکھا، اور تقریباً یہی معمول ہر خلیفہ کے انتقال پر ہا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب سلسلہ سے لے کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کی شہادت ۶۵۶ھ تک عالم اسلام خلیفۃ اسلام سے کبھی محروم نہیں رہا، صرف خلیفۃ مسترشد باللہ جو سلطان مسعود سلجوقی کے ہاتھوں ۱۰ رمضان ۵۲۹ھ میں گرفتار ہوا تھا، کی غیبت و اسیری کے قلیل وقفہ میں جو تین مہینے ساٹ دن سے متجاوز نہیں تھا، عالم اسلام خلیفۃ اسلام کے بغیر رہا، لیکن یہ عالم اسلام کے لئے ایک ایسا نوکھا تجربہ، اور المناک واقعہ تھا جس کی وجہ سے وہ سیاہ پوش اور سوگوار، اور بغداد زیر و زبر ہو گیا، ابن کثیرؒ کے الفاظ میں:-

”بغداد کے باشندوں میں ظاہر و باطن ہر محاذ سے ایک زلزلہ سا گیا، عوام نے مسجد کے منبروں تک کو توڑ ڈالا، اور جماعتوں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا، عورتیں

سرسے دوپٹہ ہٹا کر نوحہ خوانی کرتی ہوئی باہر نکل آئیں اور خلیفہ کے قید اور اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ماتم کرنے لگیں دوسرے علاقے بھی بغداد ہی کے نقش قدم پر چلے اس کے بعد یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ کم و بیش تمام علاقے اس سے متاثر ہو گئے ملک سبھنے یا بھرا دیکھ کر اپنے بھتیجہ کو معاملہ کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ اور خبردار کیا اور اس کو حکم دیا کہ خلیفہ کو سجاں کر دے ملک مسعود نے اس حکم کی تعمیل کی۔
 خلیفہ مستعصم باللہ کی شہادت پر شیخ سعدی نے جو مرکز خلافت سے بہت دور شیراز میں رہتے تھے، جو دل دوز و جگر سوز مرثیہ کہا ہے اور جس کا مطلع ہے ۵

آسمان راحی بود گر خوں ببارد بر زمیں

برزوال امیر مستعصم امیر المؤمنین

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان خلافت اور خلیفہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور عالم اسلام کی ان سے محرومی پر کن جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

خلافت کی جامع و مانع تعریف

شاہ صاحب نے جن کی نظر کتاب و سنت، فقہ، عقائد اور علم کلام اور سیرت و تاریخ پر نہایت وسیع اور گہری تھی، اور وہ مقاصد شریعت کے رمز آشا تھے، خلافت کی ایسی جامع و مانع تعریف کی ہے جس سے بہتر پیش کرنی مشکل ہے اس تعریف کا ہر لفظ اپنے ساتھ معانی و مطالب اور مثالوں کا ایک دفتر رکھتا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:-

الخلافۃ ہی الریاسة العامة خلافت اس عمومی سربراہی اور

فی التصدی لإقامة الدین ریاست عامہ کا نام ہے جو اقامت
 بإحياء العلوم الدينية وإقامة دین کے کام کی تکمیل کے لئے وجود
 أركان الإسلام والقيام بالجهاد میں آئے، اس اقامت دین کے
 وما يتعلق به من ترتيب الجيوش دائرہ کار میں علوم دنیہ کا احیاء،
 والفرض للقاتلة واعطاءهم ازکان اسلام کا قیام، جہاد اور
 من الفئ، والقيام بالقضاء اس کے تعلقات کا انتظام، مثلاً
 وإقامة الحدود، ورفع المظالم شکروں کی ترتیب، جنگ میں حصہ
 والأمر بالمعروف والنهي عن لینے والوں کے حصص و مال غنیمت
 المنكر، نيابة عن النبي صلى الله میں ان کا حق، نظام قضا کا اجراء
 عليه وآله وسلم حدود کا قائم کرنا، مظالم و شکایات کا
 ازالہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
 کے فرض کی ادائیگی شامل ہے اور
 یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم کی نیابت اور نمائندگی میں ہونا چاہئے۔

پھر اقامت دین کی مزید تشریح و تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

”ہم جب معاملات کو استقرائی نظر سے دیکھتے ہیں، جزئیات سے کلیات اور
 کلیات سے ایک ہی کلیہ کی طرف جو سب پر حاوی ہو متقل ہوتے ہیں تو اس نتیجہ پر
 پہنچتے ہیں کہ ان معاملات، جزئیات مشتتہ اور کلیات کثیرہ کی جنس اعلیٰ اور

(گویا کلیۃ الکلیات) وہ حقیقت ہے جس کا عنوان "اقامت دین" ہے جس کے ماتحت دوسری انواع و اجناس آتی ہیں جن میں سے ایک احیاء علوم دین ہے جس میں قرآن و سنت کی تعلیم اور تذکیر و موعظت شامل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ	وہی تو ہے جس نے اُن پڑھوں میں
رُسُلًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ	انہیں میں سے (محمد کو) پیغمبر بنا کر
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ	بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں
وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ	پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور انہیں
لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝	(خدا کی) کتاب اور روانائی سکھاتے
(سورۃ الحجۃ - ۲)	ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح
	گمراہی میں تھے۔

خلفائے راشدین کی خلافت پر قرآن سے استدلال

کتاب کا سب سے وجد انگیز حصہ وہ ہے جس میں شاہ صاحب نے قرآن مجید کی متعدد آیات سے خلفائے راشدین کی خلافت کے انعقاد اور ان کے خلیفہ راشد ہونے اور ان کے ذریعہ سے منشاء الہی کی تکمیل، اور امر تکوینی کے تحقق پر استدلال کیا ہے اور آیات کے ایسے اشارات بلکہ تصریحات کی طرف توجہ دلائی ہے جن سے بدیہی طور پر (بلکہ بعض مقامات پر ریاضی کے نتائج کے رنگ میں) یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے سوا ان آیات کا کوئی اور مصداق اور مراد

نہیں ہو سکتا، اور ان مشین گوئیوں کا انطباق ان کی ذات کے سوا کسی پر اور ان وعدوں کا تحقق ان کے دور خلافت کے سوا کسی دور میں وقوع پذیر نہیں ہوا، اگر ان کی شخصیتوں اور ان کے عہد کو بیچ میں سے نکال لیا جائے تو یہ صفات بغیر کسی مصداق کے اور یہ وعدے تشنہ تکمیل رہ جاتے ہیں۔

ان آیات میں جو شاہ صاحب نے پیش کی ہیں، ہم بطور نمونہ کے صرف دو آیتیں انتخاب کرتے ہیں، ان میں سے ایک سورہ نور کی آیت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ	جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا
فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ	وعدہ ہے کہ ان کو ملک حاکم بنائے گا
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ	جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا
الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے
مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي	ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار
وَلَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ	کرے گا اور خوف کے بعد امن کو امن
بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ	بخشنے گا وہ میری عبادت کریں گے
الْفَاسِقُونَ ۝	(اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک

(سورہ النور- ۵۵) نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر

کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ (استخلاف و تمکین فی الارض) اور خوف کے بعد امن کا) ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے جو سورہ نور کے نزول کے وقت موجود

اسلام اور صحبت نبوی سے مشرق اور دین کی نصرت و تائید میں شریک تھے، شاہ صاحب صفائی سے لکھتے ہیں کہ اس وعدہ کا اطلاق حضرت معاویہ، بنو امیہ اور بنو عباس پر نہیں ہوتا، جو اس وقت یا تو اسلام نہیں لائے تھے یا دینہ میں موجود نہیں تھے۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ بات نہ تو ممکن ہے نہ معقول کہ اس پوری جماعت مسلمین کو خلافت فی الارض سے سرفراز کیا جائے اور وہ سب بیک وقت منصب خلافت پر فائز ہوں اس لئے اس سے کچھ خاص افراد ہی مراد لئے جاسکتے ہیں، فرماتے ہیں:-

”لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ جَمْعًا مِنْهُمْ“ و ”الْقِيَادُ لَوَازِمٌ اَوْسَتْ“
 یعنی ان میں سے ایک جماعت کو خلیفہ بنایا جائیگا، اور انقیاد و طاعت اس کے لئے شرط ہے، پھر یہ کہ جب اس وعدہ کا تحقق ہوگا، تو دین علی اکمل الوجہ ظہور میں آئیگا، اور اس کو پورا اقتدار اور اختیار حاصل ہوگا، ایسا نہیں، جیسے سنا عشری حضرات کہتے ہیں کہ خدا کو جو دین پسند ہے وہ ہمیشہ مستور و مخفی رہا ہے اور اسی بناء پر ائمہ اہل بیت نے ہمیشہ تقیہ سے کام لیا، اور ان کو اپنے دین کے کھلم کھلا اعلان کی کبھی قدرت حاصل نہیں ہوئی ”وَلَيَمْلِكَنَّ لَهُمْ دِينُهُمُ الَّذِي اَوْتَوْا لَهُمْ“ (ان کے لئے اللہ تعالیٰ اس دین کو قوت و غلبہ عطا فرمائے گا، جس کو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ وہ دین خدا کا پسندیدہ اور منتخب دین نہیں جس کا اس زمانہ خلافت میں اعلان و اظہار نہ کیا جاسکے۔

اسی طرح فرماتا ہے ”وَلَيَبَيِّرَنَّ لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا“ اس زمانہ انحلا

میں اللہ تعالیٰ خوف و ہراس کی فضا کے بجائے امن و اطمینان کی فضا پیدا کر دے گا، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مستخلفین اور بقیہ مسلمان اس وعدہ کی تکمیل کے وقت امن و اطمینان کے ساتھ ہوں گے، نہ ان کو مختلف الادیان کفار کا کوئی ڈر ہوگا، اور نہ کسی اور جماعت یا طاقت کا اندیشہ، برخلاف اس کے فرقہ امامیہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت ہمیشہ ترساں و ہراساں رہے، انھوں نے تقیہ سے کام لیا، ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ مسلمانوں سے اذیت اور تکلیف پیش آئی اور وہ اہانت و ذلت کا سامنا کرتے رہے اور کبھی مؤید و منصور نہیں رہے، استخلاف اور تکمین فی الارض کے وعدہ کا ظہور انھیں مہاجرین اولین اور نزول آیت استخلاف کے وقت موجود رہنے والے حضرات کے ذریعہ ہوا، اور اگر یہ لوگ خلیفہ نہیں تھے، تو اس وعدہ کا ظہور ہی نہیں ہوا، اور نہ قیامت تک ہونے والا ہے، تعالیٰ اللہ عن ذلك علواً کبیراً^{۵۲}

دوسری آیت مد قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ الْوُقُوفُ (آیت) کی ہے شاہ صاحب نے اس آیت پر مفصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۳۳ھ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اس خواب کی بناء پر جو آپ نے دیکھا تھا، عمرہ کے قصد سے مکہ معظمہ کی طرف کوچ فرمایا، واقعہ کی اہمیت، مکہ معظمہ کے حالات اور قریش کی مخالفت کے خطرہ کی بناء پر صحابہ کرام بڑی تعداد میں ہمرکاب ہوئے، لیکن اعراب (بادیہ کے ساکنین) خوف و نفاق کی بناء پر ساتھ نہیں ہوئے

حدیبیہ میں فسخ عربیت اور قریش کے ساتھ صلح کا وہ تاریخ ساز واقعہ پیش آیا جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ملتا ہے وہیں وہ بیعت رضوان ہوئی جس میں مشرک ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا خاص پروانہ عطا فرمایا، اور قریبی زمانہ کی فتح کا مژدہ سنایا، پھر اسی سورہ فتح میں یہ بھی اعلان فرمادیا کہ اس فتح قریب (فتح خیبر) میں (جو مرم سہ کا واقعہ ہے) ان اعراب کو ساتھ نہیں لیا جائیگا، جو حدیبیہ کے موقع پر موجود نہیں تھے، اور جنہوں نے اس عظیم و خطرناک مہم میں رفاقت سے پہلو تہی کی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ
إِلَى مَعَانِمٍ لِّتَأْخُذُوا هَازِلًا
وَمَا تَعْلَمُونَ بِمُرِيدٍ وَلَا تَنْبَغِي لَكُمْ
كَلِمَةُ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ
قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ
بَلْ تَحْسَدُونَنَا بَلْ كَاوُوا لَيْفَقَهُمْ
وَالْأَقِيلَاءُ

جب تم لوگ غنیمتیں لینے چلو گے تو
جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ کہیں گے
ہمیں بھی اجازت دیجئے کہ آپ کے
ساتھ چلیں یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے
قول کو بدل دیں کہہ دو کہ تم ہرگز
ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اسی طرح
خدا نے پہلے سے فرمادیا ہے پھر کہیں گے

(نہیں) تم تو ہم سے حسد کرنے ہو
(سورۃ الفتح - ۱۵)

ت یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں
مگر بہت کم

لیکن اس کے بعد ہی ان متخلفین سے فرمایا گیا کہ اس فتح قریب (فتح خیبر) میں

تو تمہیں شرکت اور اس کے معانم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے لیکن عنقریب تم کو ایسے لوگوں سے قتال کرنے کے لئے مدعو کیا جائیگا جن کی ایک صفت تو یہ ہے کہ وہ بڑی شجاعت اور طاقت کے مالک ہیں، دوسرے ان کی خصوصیت یہ ہوگی کہ ان سے یا تو قتال کیا جائیگا یا وہ اسلام لے آئیں گے، درمیان کی کوئی چیز (جزء) نہیں ہے اور یہ دعوت قتال اللہ کو ایسی محبوب اور اس کا داعی ایسا معتبر اور واجب الطاعت ہوگا کہ اگر تم اس کی دعوت قبول اور اس کے حکم کی بجا آوری کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اجر حسن سے نوازے گا، اور اگر پہلے کی طرح روگردانی کرو گے، تو عذاب الیم میں مبتلا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ	جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے
سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولَىٰ بَأْسٍ	کہدو کہ تم ایک سخت جنگجو قوم کے
شَدِيدٍ يُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ	(ساتھ لڑائی کے) لئے بلائے جاؤ گے
إِن تَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ أَمْرًا	ان سے تم (یا تو) جنگ کرتے رہو گے
وَإِنْ سَوَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّن قَبْلُ	یا وہ اسلام لے آئیں گے اگر تم حکم
يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا بَآئِلَهُ	مانو گے تو خدا تم کو اچھا بدلہ دے گا

(سورۃ الفتح - ۱۶)

اور اگر منہ پھیر لو گے جیسے پہلی دفعہ

پھیرا تھا تو وہ تم کو بڑی تکلیف کی

سزا دے گا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”سَتُدْعَوْنَ“ (عنقریب تم بلائے جاؤ گے) سے بطریق اقتضاء ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ مستقبل میں کوئی ایسا داعی (بلانے والا) ہوگا جو اعراب

(بادیہ کے رہنے والوں کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر لشکر اسلام کے ساتھ نہیں گئے تھے) کو ایسی قوم سے جنگ کرنے کے لئے دعوت دے گا جس کے لئے دو ہی شکلیں ہیں یا قتال یا اسلام (اور جس کا مصداق عرب کے مرتد قبائل ہی ہو سکتے ہیں جن سے جزیہ لینا جائز نہ تھا وہ یا تو جنگ میں مارے جاتے یا اسلام قبول کرتے) اور یہ شکل صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئی جنھوں نے مرتدین عرب سے قتال کیا، ان کا حکم شرعی یہی تھا، اس سے مراد نہ رومی ہو سکتے ہیں نہ ایرانی جن کے لئے تین شکلیں تھیں قتال، اسلام اور جزیہ اس لئے اس سے بدہمت حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت ثابت ہوتی ہے جنھوں نے مرتدین سے جنگ کرنے کے لئے حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں فوج بھیجی اور اعراب کو اس کی دعوت دی پھر اس دعوت کے قبول کرنے پر اجر کاملنا اور نہ قبول کرنے پر عذاب کا مستحق ہونا ایک خلیفہ راشد ہی کا مقام و منصب ہے۔

کتاب کے دوسرے قیمتی مضامین

خلفائے راشدین کی خلافت کے اثبات کے دلائل اور خلفائے اربعہ کے آثار و مناقب

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء ص ۳۸-۳۹ شاہ صاحب کے اس استدلال کی تائید علامہ تہاہ لدین محمود الآوسی (م ۱۳۷۲ھ) کی مشہور تفسیر روح المعانی سے بھی ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں:-

”المراد بالمغانم مغانم خیبر کما علیہ عامۃ المفسرین“

”ستدعون الی قوم اولی باس شدید“ وہم علی ما اخرج ابن المذہب

والطبرانی عن الزہری بنو حنیفہ مہملۃ وقومہ اهل الیمامہ وعن

رافع بن خدیج انکنا نقرأ ہذا الایۃ فیما مضی ولا نعلم من ہم حتی دعا

ابوبکر رضی اللہ عنہ الی قتال بنی حنیفۃ فعملنا انہم اشد وأقرب

وشاع الاستدلال بالایۃ علی صحۃ امامۃ الی بکر رضی اللہ عنہ

۱۔ روح المعانی ص ۱۰ ۲۔ ایضاً ص ۱۰ ۳۔ ایضاً ص ۱۰

ان کے زمانہ کے کارناموں اور ان کے بہت سے قیمتی کلمات اور ارشادات کے علاوہ اس کتاب میں اور بھی بیش بہا فوائد تحقیقاتِ نادرہ، اور وہ قیمتی مواد ہے، جو نہ عقائد و علمِ کلام کی کتابوں میں عام طور پر ملتا ہے، نہ تاریخ اور سیر میں، ان میں سے ایک قرونِ ثلاثہ کی توضیحِ خلافت و سلطنت کا فرق اور اس کی تفصیلات، ملکِ مخصوص (مطلق العنان فرمانروائی) کی تشریح اور اس بات کی تصریح ہے کہ نبی اُمیہ کی سلطنت اور مطلق العنان فرمانروائی خلافت نہ تھی، ان کے نزدیک اگرچہ خلافت راشدہ حضرت علی مرتضیٰ پر ختم ہو گئی، لیکن وہ حضرت معاویہ کے بارے میں (ان مناقب کی بناء پر جو ان کے بارہ میں وارد ہوئے ہیں) سوء ظن اور طعن و تشنیع سے احتراز کی تلقین کرتے ہیں، لیکن ان کے بعد کے خلفاء بنی مروان کے متعلق صاف لکھتے ہیں :-

چوں عبد الملک تسلط یافت فرقت	جب عبد الملک (بن مروان) نے اقتدار
از میان رفت و احکام خلافت جاریہ	حاصل کر یا، تو انتشار ختم ہو گیا، اور خلافت
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	جابرہ کے احکام جن کی آنحضرت صلی اللہ
در چندین احادیث تشریح آن فرمودہ	علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں
بودند، بر منصفہ ظہور آید۔	تشریح فرمائی تھی، منظر عام پر آ گئے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب ان کے فتاویٰ اور احکام پر وہ مفصل مواد ہے جس کو اس میں جمع کر دیا گیا، اور جس سے ایک پوری

۱۔ ازالۃ الخفا ص ۱۲۱-۱۲۲ ۲۔ ایضاً ص ۱۲۶ ۳۔ ایضاً ص ۱۳۶

۴۔ ایضاً ص ۱۳۳ یزید کے متعلق "حجة اللہ البالغہ" میں صفائی سے لکھتے ہیں "دعاة الضلال یزید با شام و مختار با العراق" ترجمہ - ضلالت کے داعی دو تھے، یزید شام میں اور مختار عراق میں (حجة اللہ البالغہ ص ۲۳۲) اسی طرح مناقب کی بحث میں یزید کو منافق یا فاسق لکھا ہے۔ ص ۲۱۵

فقہ فاروقی سامنے آگئی ہے۔

فقہ فاروقی کو یگانہ حیثیت سے پیش کرنے اور حضرت عمرؓ کے اجتہادات اور فتاویٰ کو جمع کرنے کا شاید یہ پہلا مبارک اقدام تھا جس کو شاہ صاحب نے دوسری اویات کے ساتھ انجام دیا، اس موضوع پر کوئی جامع منفرد کتاب اب تک تصنیف نہیں ہوئی، حال میں (۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء) ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی نے "موسوعة فقہ عمر بن الخطاب" (حضرت عمرؓ کی فقہ کا دائرۃ المعارف انسائیکلو پیڈیا) کے نام سے ایک ضخیم مفصل کتاب مرتب کی جو مکتبۃ الفلاح کویت کی طرف سے شائع ہوئی، یہ کتاب بڑے سائز کے، ۶۸ صفحات پر آئی ہے۔

خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی خلافت کے اثبات اور ان کے فضائل و مناقب، آثار اور خدمات کے ایسے تفصیلی تذکرہ کے ساتھ جس میں شاہ صاحب کا ذوق و جوش صاف جھلکتا ہے، اور جو اس ضرورت کی تکمیل ہے جو اس زمانہ کا تقاضا اور کتاب کی تصنیف کا اصل محرک ہے، انھوں نے امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے آثار و فضائل بیان کرنے میں تامل و تحفظ سے کام نہیں لیا ہے، ان کو بھی انھوں نے پوری عقیدت، ان کے حقوق کے اعتراف اور اہل بیت کرام کے ساتھ محبت کے جذبہ اور پورے توشیح کے ساتھ بیان کیا ہے، آثار سیدنا علی بن ابی طالب کو حسب ذیل الفاظ سے شروع کرتے ہیں "آثر امیر المومنین و امام الاشجعین اسد الشرائع غالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسی طرح حضرات جنینؓ بالخصوص سبط اکبر سیدنا حسن مجتبیٰ کا ذکر پوری عظمت و محبت کے ساتھ کرتے ہیں، وفات نبویؐ کے بعد حوادث مہمہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کو

کے یہاں حسب ذیل ہیں۔

ظہور کذب، تجوید قرآن کے سلسلہ میں تمیق و مبالغہ، قراءت اور تلاوت پر اکتفا اور تدبر فی القرآن اور تفقہ کی کمی، فقہی مسائل میں موٹگی اور مسائل کی فرضی شکلوں پر جو وقوع پذیر نہیں ہوئیں پہلے سے بحث و مباحثہ، مشابہت قرآن کی تاویل اور اس میں دور کی کوڑی لانا، عقائد والہیات میں نئے نئے سوالات کا پیدا کرنا، تقرب الی اللہ کی نیت سے نئے نئے اوراد و احزاب کی ایجاد، جو سنت ماثورہ پر اضافہ کرتے ہیں، مستحبات کی ایسی پابندی اور التزام جیسی واجباً کی ہوتی چاہئے، فتوے دینے کے بارے میں اجتماعی مشورہ اور علمائے صاحبین سے رجوع کے سلسلہ کا ختم ہو جانا، نئے نئے فرقوں قدریہ اور مرجئیہ وغیرہ کا پیدا ہونا، مسلمانوں کے باہمی اعتماد و امن کا اٹھ جانا، ایسے لوگوں کا حکومت پر ٹکنا جو یا تو سرے سے حکومت کا استحقاق نہیں رکھتے، یا درجہ دوم سوم کے لوگ ہیں، ارکان اسلام کے قیام میں سستی اور فتور کا واقعہ ہونا۔

کتاب کی طباعت و اشاعت

کتاب، ازالۃ الخفا پہلی مرتبہ مولوی محمد احسن صدیقی کے اہتمام میں مئی ۱۹۳۱ء جمالی الدین صاحب دارالمہام رباست بھوپال کے حکم و ہدایت پر ۱۹۳۶ء بریلی میں مطبع صدیقی میں چھپی، اس وقت تین نسخے فراہم ہو سکے، جن سے تصحیح و مقابلہ کا کام کیا گیا، ایک منشی صاحب کا بھوپال کا نسخہ، دوسرا مولوی احمد حسن صاحب امرہی کا نسخہ، تیسرا مولوی نور الحسن صاحب کاندھلوی کا، قرینہ ہے کہ مصنف علام کتاب پر نظر ثانی نہیں فرما سکے۔

کتاب کا دوسرا ایڈیشن پھیل اکیڈمی لاہور پاکستان سے ۱۳۹۶ھ کو شائع ہوا جو پہلے ایڈیشن کا آفست ہے، کتاب کا عربی ترجمہ المجلس العلمی ڈائجیل کے اہتمام میں تیار ہوا، لیکن اس کی کاسۃ مالک عربیہ میں اشاعت نہیں ہو سکی، امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنؤی نے کتاب کا اردو ترجمہ کیا، جو کتاب کی فصل اول سے فصل پنجم (۱۵۵) تک پر مشتمل ہے، اس کا نام کشف الغطاء عن الستۃ البیضاء رکھا، اس مطبوعہ حصہ کی ضخامت ۳۳۶ صفحات ہے، ۱۳۲۹ھ میں عمدۃ المطابع لکھنؤ سے شائع ہوا۔



باب نہم

سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں شاہ ضاکا
مجاہدانہ وقائدانہ کردار

تین نوخیز جنگجو طاقتیں

کتاب کے باب دوم میں گزر چکا ہے کہ بارہویں صدی (ہجری) کا ہندوستان سیاسی
انتظامی اور اخلاقی حیثیت سے انحطاط و پستی، بد نظمی و طوائف الملوک کی، اور انتشار و اضطراب
کے اس نقطہ پر پہنچ گیا تھا جس کو کسی معاشرہ و نظام کا دم واپس یا حالت احتضار
سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، مغلیہ سلطنت ایک حکمران مسلمان خاندان کے طویل ترین اور قوی ترین
اقتدار کی علامت (SYMBOL) بن کر رہ گئی تھی جس کے پیچھے نہ کوئی طاقت تھی، نہ سلیقہ
نہ حوصلہ۔

بظاہر اس وقت سلطنت مغلیہ ہی نہیں پورے ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی تین
نوخیز جنگجو طاقتیں تھیں، علی الترتیب مرہٹے، سکھ، جاٹ۔
مرہٹے

مرہٹے جن کی سرگرمیاں پہلے دکن میں محدود تھیں، اور جن کی حیثیت ایک منظم قانونی

لہ ہندوستان (سیاسی حالت)۔

حکومت کے خلاف ایک احتجاجی گروہ (AGITATORS) اور چھاپہ مار (GUERRILLA) طاقت سے زیادہ نہ تھی، مرکزی حکومت کی روز افزوں کمزوری، طالع آزماسرداروں کی باہمی زور آزمائی، اور امرائے سلطنت کی کوتاہ نظری کی وجہ سے (جو اپنے حریف کو زک دینے یا زچ کرنے کی نیت سے مرہٹوں سے کام لیتے رہتے تھے) ایک ایسی ہندگیر طاقت بن گئے، جو دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے اور اس خلا کو پر کرنے کا خواب دیکھنے لگے جو مغلوں کی فوجی طاقت کی کمزوری اور ان کی انتظامی نااہلی نے پیدا کر دیا تھا۔

۱۱۵۶ھ میں ملہار راؤ ہو لکر اور رگھوناتھ راؤ نے شمالی ہند پر اپنا تسلط قائم کرنے کا فیصلہ کیا، اور جاٹوں کی مدد سے ۱۱۵۷ھ کو دہلی پر حملہ کر دیا، نجیب الدولہ کو مجبور ہو کر صلح کرنی پڑی اس کے بعد انھوں نے پنجاب کا رخ کیا جو اس اہم جنگی علاقہ کا دروازہ تھا، جس سے فاتح ہندوستان میں داخل ہوتے رہے، اور جو ابھی تک کسی غیر اسلامی طاقت کے زیر نگین نہیں رہا تھا، انھوں نے اپریل ۱۱۵۸ھ میں لاہور پر قبضہ کر لیا، اور آدینہ بیگ کو اپنی طرف سے پنجاب کا حاکم مقرر کیا، آدینہ بیگ کے مرے پر انھوں نے ساجی سندھیا کو پنجاب کا حاکم (گورنر) مقرر کیا۔

صفدر جنگ کے اشارہ اور مدد سے پہلے مرہٹے دو آب میں (جو ان علماء و شائخ کا مرکز تھا، جو خود دہلی کی زیر و تربیت تھے) داخل ہوئے اب داتا جی سیندھیانے ۱۱۵۸ھ میں دکن سے آکر سارے ہندوستان کے فتح کر لینے کا بیڑا اٹھایا، پہلے روہیلکھنڈ ۱۱۵۸ھ اور اودھ کا رخ کیا، اور اس ارادہ سے جمنہ کو عبور کیا ۱۱۵۹ھ میں جب دریا قابل عبور ہوئے اس سے گوبند رائے بندلیہ کو بیس ہزار لشکر کے ساتھ روہیلکھنڈ میں

۱۵ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات سے ۵-۶ سال پیشتر۔

آتا دیا، اس نے رام گنگا سے اتر کر امر وہ تک (جو دہلی سے زیادہ قاصد پر نہیں ہے) ملک کو لوٹ لیا۔

۲۴ جون ۱۷۶۰ء (۹ ذی الحجہ ۱۱۷۳ھ) کو مرہٹے پایہ تخت دہلی میں داخل ہوئے
 یعقوب علی خاں قلعہ دار نے قلعہ حوالہ کر دیا، بھاؤ نے قلعہ کی قلعہ داری شکر راؤ کے سپرد کی
 اس نے دیوان خاص کی فقری و سیمین چھت کو اتار لیا اور کسال میں بھیج دیا، قدم شریف
 اور حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں سونے چاندی کا جو سامان تھا لے لیا، ۱۰ نومبر
 ۱۷۶۰ء (۲۹ صفر ۱۱۷۳ھ) کو شاہ جہاں ثانی کو معزول کر کے مرزا جوان بخت خلف
 شاہ عالم عالی گھر کو تخت پر بٹھایا چاہتا تھا کہ خود تیموری تخت پر جلوہ افروز ہو، اور وہ
 ایسا کر سکتا تھا، مگر لشکر کے دانشمندوں نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا کہ اس سے
 پورے ملک میں شورش برپا ہو جائیگی اور رعایا تخت با بری پر کسی مرہٹہ سردار کو بیٹھا دیکھ کر
 آسانی سے برداشت نہیں کر سکے گی، اس وقت مرہٹوں کی عملداری کو جو وسعت حاصل
 تھی، وہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی تھی، نہ اس کے بعد ہوئی، اس کی شمالی سرحد اٹک اور
 ہمالیہ کے پہاڑ تھے، جنوب میں جزیرہ نما گئے دکن کے پچھلے سرے یعنی سمندر تک پھیلی ہوئی
 تھی، جو علاقے ان حدود کے اندر آزاد تھے، وہ اس کے باج گزار تھے، ان کے پاس
 آزمودہ کار سپہ سالار ملازم تھے، دس ہزار سپاہ فرنگستان کی قواعد ان کے پاس
 موجود تھی، پانی پت کی لڑائی میں ان کے پاس پچیس ہزار سوار، چار اور پندرہ ہزار
 پیادے تھے، دو سو توپیں (علاوہ قلعہ شکن توپوں کے) ساتھ تھیں، راجپوتوں کی فوج
 بھی ساتھ ہو گئی تھی، اس طرح سب مل کر تین لاکھ لڑنے والے سپاہی ان کے جھنڈے
 کے نیچے اور زیر قیادت تھے۔

بائیں ہم مرہٹوں کا مزاج شاہانہ اور ذمہ دارانہ نہ تھا، ہندوستان کے ایک مؤرخ کے بقول ”وہ آدھے بادشاہ آدھے راہزن تھے“ اور عایا پروری، ہمدردی، خلائی اور انسانی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی قدیمی و موروثی روایات (جو رعوت و نعت) کے موقعوں پر بھی خود مختار حاکموں اور بادشاہوں کی کسی حد تک حفاظت کرتی، اور عنان گیر ہوتی رہی ہیں) نیز شاندار تاریخی پس منظر (BACK GROUND) نہ ہونے اور اعلیٰ اور واضح تعمیری و سیاسی مقاصد کے مفقود ہونے کی وجہ سے پھر اس سب کے علاوہ ہندو مذہب و تہذیب کے احیاء کے جذبہ (HINDU REVIVALISM) نے ان میں جارحیت، فیصلوں میں عجلت اور عدم رواداری کی صفت پیدا کر دی تھی، لوٹ کا مال، اور اس کی محبت ان کی قومی کمزوری تھی۔

مرہٹوں کی ہنگامہ آرائیوں سے ہندو مسلمان سبھی متاثر ہوتے تھے، دیہاتوں کو بے دردی سے لوٹا، لوگوں کے ہاتھ ناک کان کاٹ لینا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، حملہ آوروں کی نفسانی ہوس کا شکار بلا تفریق مذہب ملت عورتوں کا پورا طبقہ بنتا تھا، اس میں بھی ہر طرح کے حدود سے تجاوز کر کے ہیمنہ و وحشیانہ عمل کا مظاہرہ کیا جاتا رہا، بنگال کے مشہور شاعر گنگارام نے بنگال پر ان کے حملوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

پرتگالی مصنفوں نے بھی مرہٹوں کی اخلاق سوز حرکتوں پر اپنے استعجاب کا اظہار

لے تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی ص ۲۰۴ ج ۹

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جادونا تھ سرکار کی کتاب FALL OF THE MOGHAL

کیا ہے، مرہٹوں کے اقتدار کا عوام پر بڑا اقتصادی اثر پڑا، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے بقول "ان کی نیت یہ ہے کہ جہاں تک ان کی دسترس ہو، خلق خدا کے معاشی ذرائع مسدود کر کے اپنے قبضہ میں کر لیں" مرہٹے مغلیہ سلطنت کے ان دور افتادہ علاقوں سے چوتھ^{۱۵} وصول کرتے تھے، جو ان کے رحم و کرم پر تھے۔

مرہٹوں کی تاخت صرف فوجی حدود اور عوام کے استحصال ہی کے دائرہ میں محدود نہ تھی، وہ ہندو مذہب و تہذیب کی "احیائیت" (REVIVALISM) پر بھی مبنی تھی، اس تحریک کے قائد اول شیواجی کے متعلق ماونٹ رستوارٹ الفنسٹن (گورنر بمبئی) اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے :-

"اس کی طبیعت نے ہندوانہ تعصبوں سے تربیت پائی تھی....."

اس طبیعت پر مجبور ہونے سے وہ مسلمانوں اور ان کے رسم و رواج سے سخت نفرت اور ہندوؤں اور ان کے طور طریقوں سے بڑی رغبت رکھتا تھا، اور یہ ترقی روز افزوں تھی، اس کا یہ مزاج تدبیر ملکی سے ایسا اس آیا تھا کہ اس نے بھگتوں کی صورت بنائی، اور اوتاروں کی کرامتوں، اور دیوتاؤں کی عنایتوں کا دعویٰ کیا۔^{۱۶}

PISSUREN: PORTUGUESES, II, P. 49^{۱۵}

۱۵ سب سے پہلے شیواجی نے چوتھ وصول کیا جو لگان کا چوتھا ٹی تھا، چوتھ دوسری ریاستوں سے ان کی حفاظت یا حملہ نہ کرنے کے لئے وصول کرتے تھے، جبکہ اپنی مملکت میں کسانوں سے پیداوار کا تیس فی صد لیا کرتے تھے، جو بعد میں بڑھ کر چالیس فی صد ہو گیا تھا۔

۱۶ تاریخ ہند (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۰۴ (علی گڑھ ۱۸۶۷ء)

پانی پت کے میدان میں آخری فیصلہ ہونے سے پہلے اور حالات کی نزاکت کا خیال کر کے انھوں نے نواب شجاع الدولہ کی معرفت (جو اس سے پہلے مرہٹوں کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے) کوشش کی کہ شاہ ابدالی سے صلح ہو جائے، شجاع الدولہ نے ان مسلسل تجربوں اور تلخ حقیقتوں کی بناء پر ان کو جو جواب دیا، اس سے مرہٹوں کے قومی مزاج اور ان کی فتح مندی اور غلبہ کے اثرات و نتائج پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔

نواب شجاع الدولہ نے کہا:۔

”دکن کے برہمن ہندوستان پر مدت سے تسلط میں، ان کے سر پر دھوڑ طبع و حرص و بد عہدی و بد قولی کے سبب یہ بلا شاہ درانی کی آئی ہے، ایسوں کے ساتھ کیا کوئی صلح کرے جو کسی کی آبرو اور آسائش کے روادار نہ ہوں، سب چیزیں اپنے اور اپنی قوم کے لئے جانتے ہوں، آخر سب ان کے ہاتھوں سے ایسے عاجز ہوئے کہ انھوں نے اپنے پاس ناموس اور حفظ آبرو اور رفاہ خلائی کے لئے شاہ ابدالی کو غنیمتیں کر کے ولایت سے بلایا ہے اور اس کے صدقات کو مرہٹوں کی ایذا رسانی سے سہل سمجھا!“

بالآخر ۱۷ جنوری ۱۷۶۱ء (۶ جمادی الآخرہ ۱۱۷۴ھ) کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کی افغانی فوجوں، نواب نجیب الدولہ کے روہیلہ سپاہیوں اور نواب شجاع الدولہ کے لشکر کی متحدہ طاقت سے مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی، اور بقول ایک مورخ کے ”مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی طرح اڑ گئی!“ احمد شاہ ابدالی کی آمد کے محرکات اور سبب نظر اور اس فیصلہ کن جنگ کی مزید تفصیلات جس نے تاریخ کے

دھائے کو موڑ دیا، شاہ صاحب کے قائدانہ کارنامہ کے سلسلہ میں آئندہ صفحات میں آئیگی۔

سکھ

سکھ پنجاب کا ایک مذہبی گروہ تھا جس کی بنیاد پندرہویں صدی عیسوی میں گرو بابا نانک (۱۴۶۹ء - ۱۵۳۹ء) کے ہاتھوں پڑی، وہ نفس کشی، اخلاقیات اور سچائی کی تعلیم دیتے تھے، سیر المتاخرین کے بیان کے مطابق بابا نانک نے فارسی اور دینیات کی تعلیم ایک بزرگ سید حسن سے حاصل کی تھی، اور ان کی بابا نانک پر خصوصی نظر تھی، تیسرے گرو امر داس نے سکھوں کی مذہبی اور معاشرتی تنظیم کے سلسلہ میں سب سے پہلے قدم اٹھایا، اکبر بادشاہ ان کے مکان پر ان سے ملنے گیا، اور انھیں ایک بڑی جاگیر عطا کی، انھوں نے اخلاقیات کی تعلیم میں گرو نانک کی تعلیمات کی روح کو قائم رکھا، اوہ ہندوؤں کی اوہام پرستی خصوصاً رسم ستی کی کھلم کھلا مخالفت کی اور نکاح بیوگان کے احکام جاری کئے، اکبر نے ۱۵۷۷ء میں انھیں ایک وسیع قطعہ آراضی عنایت کیا، انھیں کے زمانہ میں امرتسر کے مذہبی مرکز کی بنیاد پڑی، اس طرح سکھوں کی قومی زندگی کے لئے ایک روحانی مرکز تیار ہو گیا۔

۱۵۱۸ء میں گرو ارجن اپنے باپ کے جانشین ہوئے، انھوں نے سکھوں کو

لے بعض روایات کے مطابق بابا گرو نانک متعدد مسلمان درویشوں اور فقیروں کی صحبت میں رہے، ان میں پیر جلال، پیاں مٹھا، شاہ شرف الدین، پیر عبدالرحمن اور پاک پٹن کے فرید ثانی اور شاہ ابراہیم کے نام خاص طور پر لئے گئے ہیں بعض روایات کے مطابق بابا نانک نے ہندو، حرمین شریفین کا سفر بھی کیا شیخ فرید پاک پٹن سے ان کا خاص ارتباط تھا۔

ایک فرقہ کی حیثیت سے منظم کرنے کی مزید کوشش کی اور گرتھ کی تدوین عمل میں لائے۔ گروارجن نے اپنے آپ کو سچا بادشاہ کے نام سے ملقب کیا جو ان کے سیاسی اقتدار کی ہوس کا پتہ دیتا ہے، جہانگیر کے حکم سے گرو کو لاہور میں قید کر دیا گیا، اس لئے کہ انھوں نے اس کے باغی شہزادہ خسرو کی مالی امداد کی تھی، وہاں ان کو قتل کر دیا گیا، ان کے جانشین ہرگووند نے علانیہ علی مدافعت و مزاحمت کا طرز عمل اختیار کیا جس سے سکھوں کی فوجی زندگی کا آغاز ہوا، انھوں نے جلد ہی شاہانہ منصب اختیار کر لیا، وہ شہنشاہ جہانگیر کے خلاف دشمنی کے جذبات رکھتے تھے، اور اپنے باپ کی موت کا اس کو ذمہ دار سمجھتے تھے، انھوں نے ہرگووند پور کا ایک مضبوط قلعہ بنایا جہاں سے نکل کر وہ میدانی علاقوں پر تاخت کرتے تھے، جہانگیر نے انھیں گویا ر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد رہا کر دیا، اور ان کا بڑا اعزاز کیا، شاہ جہاں کی تخت نشینی کے فوراً بعد انھوں نے کھلم کھلا سرکشی اختیار کر لی اور حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اخیر میں وہ پہاڑیوں کی طرف نکل گئے اور ۱۶۴۵ء میں انتقال کیا۔

۱۶۶۴ء میں اورنگ زیب کے زمانہ میں ہرگووند کے بیٹے تیغ بہادر گرو منتخب ہوئے، انھوں نے مفروروں اور قانون شکنوں کو پناہ دی، ان کا اقتدار ملک کی ترقی میں حائل ہوا، شاہی دستوں نے ان پر چڑھائی کی اور انھیں قید کر کے دہلی لے آئے۔ لہ گروارجن کو حقیقت میں چند دلال نے ذاتی مخالفت کی بناء پر قتل کر لیا تھا، جو جہانگیر کے یہاں

رسوخ رکھتا تھا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۵۲

J. D. CUNNINGHAM,

۵۲ ملاحظہ ہو

جہاں انھیں اورنگ زیب کے حکم سے ۱۶۷۵ء میں سزائے موت دی گئی، ان کی موت کے بعد ان کے بیٹے گووند رائے کو گرو تسلیم کیا گیا، انھوں نے سکھوں کو جو ابتدائے میں محض ایک مذہبی گن گین والی جماعت تھی، ایک جنگجو قوم بنا دیا، انھوں نے سکھوں میں جمہوری مساوات کے جذبات کو ابھارا، اور انھیں ایک قوم کی صورت میں منظم کرنے کا کام کیا، اورنگ زیب کے انتقال تک وہ زندہ رہے، اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ نے گرو کے ساتھ مفاہمت کی کوشش کی اور انھیں دکن کی فوجی کمان عطا کر دی لیکن انھوں نے اکتوبر ۱۶۷۷ء میں ایک افغان ملازم کے زخم سے جانبر نہ ہوتے ہوئے انتقال کیا، انھوں نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا، اور اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ گرتھ کو وہ اپنا آئندہ گرو، اور خدا کو اپنا واحد محافظ تصور کریں۔

ہرگووند کا جانشین بندہ بیراگی ہوا جس کی اصل حیثیت سکھوں کے فوجی قائد کی تھی (وہ اصل کشمیری راجپوت تھا، جس نے سکھ مت اختیار کر لیا تھا) اس نے پنجاب میں وسیع پیمانہ پر رہزنی کی وارداتیں شروع کر دیں، اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ پر بہت سرعت سے زوال آنا شروع ہو گیا، اس کے بیٹوں اور پوتوں کے مابین تخت کے لئے متواتر لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے، جن کی وجہ سے سکھوں کو کھلم کھلا اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کا موقع مل گیا، بندہ بیراگی مسلمانوں کو ہزاروں کی تعداد میں بے رحمی سے قتل کرتا اور قصبہ بقصبہ لوٹتا ہوا دہلی کے عین قرب و جوار میں جا پہنچا، مئی ۱۶۷۸ء میں اس نے سرہند پر دھاوا بول دیا، اور لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے لئے کھلا چھوڑ دیا، قصبہ کے لے گرو تیغ بہادر کے قتل کی بھی تنہا اورنگ زیب پر ذمہ داری نہیں اس میں ان کے مخالفوں کا ہاتھ ہے۔

(ہنگ سنگ سنڈیس ۲۵ دسمبر ۱۹۵۱ء)

باشدوں پر (بلاتمیز عمر و صنف) ہیبت ناک مظالم توڑے گئے، بہادر شاہ نے پنجاب کا رخ کیا شاہی فوجوں نے بندہ کو شکست دی، لیکن بندہ پہاڑیوں کی طرف نکل گیا، فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد سیاسی انتشار اور شاہی خاندان کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر بندہ بیراگی نے دوبارہ دہشت انگیزی سے کام لینا شروع کیا، بالآخر ۱۷۶۱ء میں اسے دہلی میں لا کر قتل کر دیا گیا، سکھوں کے نزدیک بھی وہ کوئی محترم و محبوب شخصیت نہیں تھا، اس نے سکھ مذہب کے عقائد و عبادات میں بھی کچھ تبدیلیاں کیں، اس کی قیادت میں سکھ ایک فوجی طاقت بن گئے، فرخ سیر کے عہد میں پنجاب کے نعل گوزر معین الملک نے (جو میرٹو کے نام سے زیادہ مشہور ہے) فرخ سیر کی تعزیر کی حکمت عملی کو جاری رکھا، مگر سلطنت مغلیہ کے زوال کی رفتار بہت تیز تھی، پنجاب کی حکومت احمد شاہ ابدالی کے پے درپے حملوں کی وجہ سے زیادہ کمزور ہو گئی تھی، سکھوں کو دوبارہ اٹھنے اور ابھرنے کا موقع ملا، وہ نہ صرف احمد شاہ درانی کے فرزند شاہزادہ تیمور کو پنجاب کا حاکم تھا، اور جس نے امرتسر پر حملہ کر کے ہرمندر کو منہدم اور مذہبی تالاب کو لمبہ سے پُر کر دیا تھا، نکالنے میں کامیاب ہوئے، بلکہ لاہور پر عارضی طور پر قبضہ بھی کر لیا، اور ان کے فوجی سردار جت سنگھ کلال نے اپنے نام کا سکھ بھی جاری کر دیا، لیکن رگھو بابا کے زیرِ کمان مرہٹوں کی آمد (۱۷۵۵ء) پر وہ لاہور سے نکل گئے، احمد شاہ نے پانچویں بار پنجاب کا رخ کیا، پانی پت کی مشہور لڑائی کے بعد جس نے مرہٹہ طاقت کی کمر توڑ دی جو نہی اس نے پچا چھوڑا، سکھ پھر نکل آئے، اور انھوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کر لی، احمد شاہ پھر واپس آیا، اور لدھیانہ میں (۱۷۶۲ء میں) اس نے سکھوں کو شکست فاش دی، لیکن اس کے جانے کے بعد ۱۷۶۳ء میں سکھوں نے سرہند کو تخت و تاج کر کے ویران کر دیا، اور ایک بار پھر لاہور پر قبضہ کر کے خالصہ حکومت

کا اعلان کر دیا، اس کے بعد سکھ متعدد دریا ستوں اور گروہوں میں جس کو مسلمین کہتے تھے، منقسم ہو گئے، ان پر کوئی حاکم اعلیٰ متعین نہیں تھا، اور مذہب کے سوا ان کے درمیان کوئی چیز مشترک نہیں تھی، تیس سال کی اس غیر مستقل صورتِ حال کے بعد پنجاب میں رنجیت سنگھ کا تارہ اقبال بلند ہوا، جنھوں نے ان مخالف گروہوں کو ایک مضبوط سلطنت کی شکل میں متحد کر دیا۔

سکھ مذہب کا نصب العین ہندوؤں کے مذہبی عقائد کی تطہیر تھا، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بابا نانک سلامی تعلیمات سے متاثر تھے، چنانچہ ان کا عقیدہ توحید بنی نوع انسان کی مساوات اور بت پرستی سے اجتناب وغیرہ اسلام کے اثر کا نتیجہ ہیں۔ سکھوں کے مذہبی ادب کی زبان پر فارسی کے بڑے اثرات ہیں، خصوصاً ادبی گرنث میں فارسی و اسلامی، دینی و صوفیانہ الفاظ کی بڑی آمیزش ہے۔

اس کے پورے قرائن موجود تھے کہ یہ اصلاحی تحریک (اگر اپنے اصولوں پر سختی سے قائم رہتی اور ہندو مذہب و تہذیب میں تحلیل نہ ہو جاتی) ہندوستانی معاشرہ میں کوئی انقلابی خدمت انجام دیتی اور سکھ ہندوؤں سے الگ ایک مستقل و متمیز فرقہ ہوتا، جس کی اساس توحید و مساوات پر ہوتی، اور اس طرح وہ مسلمانوں کے قریب تر مذہبی گروہ ہوتا، لیکن حکومتِ وقت کے ساتھ تصادم، اور سیاسی عمل و ردِ عمل کے بے ضمیر حکمران نے جو مذہبی و اخلاقی نتائج سے بے پروا ہو کر وقت کے تقاضوں اور جماعتوں کے مفادات کی تکمیل کرتا،

لے ملاحظہ ہو جی، نیز MACAULFFE : ۲ : ۴۷۷

۲۔ تاریخی مواد و معلومات کا بنیادی حصہ ”دائرہ معارف اسلامیہ“ ج ۱۱ کے مقالہ سکھ سے ماخوذ ہے، جو پروفیسر محمد اقبال کے قلم سے ہے۔

سکھوں کو مسلم حکومتوں ہی نہیں مسلم عوام سے دور و نفور اور ان سے برسرِ پیکار بنا دیا، اور خصوصیت کے ساتھ بارہویں صدی ہجری اور اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں ان کے ہندوستان کی انتشار انگیز طاقتوں میں ایک اضافہ اور بڑے بڑے شہروں کے پر امن شہریوں کے لئے ایک دہشت انگیز اور زلزلہ خیز طاقت میں تبدیل کر دیا، ان کے دورِ حکومت میں اکثر اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دورِ اقتدار میں خاص طور پر مساجد و مقابر کی بے حرمتی ہوئی، عبادات میں خلل ڈالا گیا، اور وہ صورتِ حال پیدا ہوئی جس کی ترجمانی علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کی ہے

خالصہ شمشیر و قرآن را ببرد

اندر اں کشور مسلمانان ببرد

اس صورتِ حال کے خلاصہ تیرہویں صدی کے تقریباً وسط، اور انیسویں صدی کے ثلث اول میں حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ - ۱۲۸۳ھ) اور مولانا اسماعیل فہیدؒ (۱۲۴۶ھ - ۱۲۸۳ھ) نے جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی دانش گاہ کے تعلیم یافتہ اور ان کے فرزند اکبر شاہ عبدالعزیزؒ کے تربیت یافتہ تھے، رنجیت سنگھ کی فوجی حکومت کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا، اور اس نے اپنے اس وسیع و عمیق منصوبہ اور ہم کا آغاز کیا، جو ہندوستان کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے حکومتِ شرعی کے قیام اور مسلم معاشرہ کی اصلاح و تطہیر اور احیائے دین کے لئے شروع کی تھی۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول ستر ہواں باب عنوان پنجاب میں مسلمانوں

کی حالت "۲۱۳-۲۱۹"۔

۲۔ ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہیدؒ" ۱-۲

جاٹ

جاٹ مرہٹوں کی طرح نہ کوئی منظم فرقہ تھے نہ سکھوں کی طرح کوئی مذہبی گروہ لیکن مغل سلطنت کی کمزوری سیاسی انتشار اور عام آبادی کے عدم تحفظ کے احساس نے ان پر ایک طرح کی سلبی وجہ جارحانہ تنظیم پیدا کر دی تھی اور وہ ایک تخریبی اور انتشار انگیز طاقت بن گئے تھے جس کا مقصد قیام سلطنت اور کوئی سیاسی انقلاب نہ تھا، محض بگڑے ہوئے حالات سے عارضی فائدہ اٹھانا، استحصال اور اقتصادی مقاصد کی تکمیل تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب ”شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات“ میں لکھتے ہیں:-

”جسٹا کے جنوبی علاقہ میں اگرہ سے دہلی تک جاٹ آباد تھے ان کی مشرقی سرحد چنبیل تھی اس علاقہ میں ان کی ہنگامہ آرائی کا یہ عالم تھا کہ مرکزی حکومت کا ناک میں دم آگیا تھا، بقول سرکار دہلی اور اگرہ کی سرک پر ایسا کانٹا برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا (FALL, VOL I, P 369) دہلی سے اگرہ نقل و حرکت میں بڑی احتیاط برتنی پڑتی تھی، دکن کو اجمیر ہوتی ہوئی جو فوجیں جاتی تھیں، وہ اسی علاقہ سے گذرتی تھیں۔

بہادر شاہ کے زمانہ میں اس سرک کی محدود دش حالیت کا اندازہ ”دستور الانشاء“ کے مطالعہ سے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو دستور الانشاء از یار محمد ص ۱۳) ۱۷۱۲ء میں جب ڈچ نمائندے اس علاقہ سے گذرے تو انہوں نے بھی ان ہنگاموں کو

دیکھا۔ (AFTER MUGHALS, I, P. 321)

جان سمرمن (JOHN SURMAN) جون ۱۷۱۵ء میں یہاں سے گذرا تھا
اس نے جاٹوں کی امن سوز حرکتوں کا ذکر اپنی ڈائری میں کیا ہے :-

(ORME COLLECTIONS, P. 1694)

شاہ جہاں کے عہد میں جاٹوں نے ایک مرتبہ زبردست شورش برپا کی تھی،
۱۰۲۴ھ میں متھرا کا فوج دار مرشد قلی خاں ان سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔
سرحد و ناتھ سرکار تاریخ اورنگ زیب جلد پنجم ص ۲۹۶ پر لکھتے ہیں :-
اورنگ زیب کی شمالی ہندوستان سے غیر حاضری کا فائدہ دوئے جاٹ
بیڈوں راجہ رام اور رام چہرہ نے اٹھایا..... راجہ رام کی قانون شکن
حکمتوں کو اگرہ کا گورنر خانی خاں بھی نہ روک سکا، جاٹوں نے راستے بند کر دیئے،
اور بہت سے علاقوں کو لوٹا، اور اکبر کے مقبرہ کو لوٹنے کے لئے سکندرہ کا رخ کیا
لیکن میر ابو الفضل نے جو دہاں کا فوجدار تھا، بہادری سے مقابلہ کیا، اور باغی
کو آگے نہ بڑھنے دیا، راجہ رام نے مشہور تورانی افسر اصغر خاں کا سامان لوٹا،
..... اصغر خاں جاٹوں سے لڑتا ہوا مارا گیا!

ہرچن داس مصنف چہار گلزار شجاعی کا بیان ہے کہ جب جاٹوں نے
پرائی دہلی کو لوٹنا شروع کیا تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر
سے نکل کھڑے ہوئے وہ در بدر لگلی یہ لگلی مائے مائے پھرتے تھے، بالکل اس طرح
جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم و کرم پر ہو، پاگلوں کی طرح ہر شخص
پریشان حال اور گھبراہوا نظر آتا تھا۔ (قلمی نسخہ ص ۱۴۵)

لے شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی مکتوبات، از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۴۵ ۱۴۶ ایضاً ص ۱۴۷

مولوی ذکاء اللہ صاحب ۱۷۶۵ء کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

”آگرہ کے قلعہ میں جاٹوں کا قسطنط تھا، دہلی سے شومیل پر جاٹوں کا عمل دخل تھا۔
 راجہ سورج مل بڑا ہوشیار صفت آرائی میں ماہر اور ملک ستانی میں کاردار تھا اس نے
 آگرہ سے مرہٹہ سردار کو نکال دیا، اور میوات پر قبضہ کر لیا، چار قلعے نہایت مستحکم
 بنائے اس نے دہلی کی سلطنت سے ایسی درخواستیں کرنی شروع کیں جن سے
 سلطنت کا نا... نہ رہے، نجیب الدولہ نے اپنی حسن تدبیر اور بلوچوں کی
 مدد سے جاٹوں پر فتح حاصل کی، راجہ سورج مل نجیب الدولہ کے مقابلہ میں
 دہلی کے قریب مارا گیا، اس کے بعد جاٹوں کی ریاست میں بہت سے جھگڑے
 برپا ہوئے، سورج مل کے دو بیٹے مارے گئے تیسرا بیٹا نجیت سنگھ راجہ ہوا، اس کے
 عہد میں جاٹوں کی ریاست کا بڑا عروج ہوا جس ملک پر وہ فرماں روائی کرتے
 تھے، اس کے شمال مغرب میں الورا اور جنوب مغرب میں آگرہ تھا، اس کی آمدنی
 ڈو کرو روپے کی تھی، ساٹھ ہزار فوج ان کے پاس تھی“

دہلی کی حالت

مرہٹوں، سکھوں، اور جاٹوں کے حملوں سے جو گویا روزانہ کا معمول بن گیا تھا، اور
 حفاظت و دفاع کی ہر قسم کی طاقت اور اہلیت کے فقدان سے دہلی ایک ایسا پشیمرا اور
 غیر محفوظ درخت بن گیا تھا جس پر ہر طرف سے غول بیا بانی حملہ کرتا اور اس کو برگ و بار
 سے محروم کر دیتا، دہلی کے باشندے جو ساری سلطنت میں نہ صرف عزت و احترام کی

لے مختصر ”تاریخ ہندوستان“ از مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی۔ جلد نہم ۳۱۶-۳۱۸

دہلی کی حالت

نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، بلکہ علم، زبان، تہذیب، شرافت اور عادات و اطوار میں بھی معیار سمجھے جاتے تھے، حملہ آوروں کے لئے ”خوان یغا“ بن گئے تھے، اس عہد کے علماء و مشائخ کے (جن کا شمار انقطاع الی اللہ اور رضا بالقضاء ہے) خطوط سے بھی جوانھوں نے اپنے معتقدین و احباب کو لکھے ہیں، اس بدامنی، بے اطمینانی اور بے یقینی کا اندازہ ہوتا ہے، یہاں پر صرف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نامور معاصر، اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے گل سرسبد حضرت مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۱ھ - ۱۱۹۵ھ) کے خطوط کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

از تشویشات ہر روزہ دہلی تنگ دہلی کے روزمرہ کے ہنگاموں اور
آمدہ ام۔ بے اطمینانی سے تنگ آگیا ہوں۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

از ہر طرف فتنہ قصد دہلی می کنند ہر طرف سے فتنہ دہلی کا شیخ کرتا ہے۔

ایک اور مکتوب میں دارالسلطنت کی بدامنی اور اہل شہر کی پریشان حالی کا تذکرہ

فرماتے ہوئے کہتے ہیں:-

احوال مردم شہر از بیماری عام و ناامنی عام بیماری اور بدامنی سے اہل شہر

تا کجا نویسد خدا ازیں بلدہ مورد کی پریشانی کا حال کہاں تک کھائے گا

غضب الہی برآرد کہ نشتہ در امور خدا اس شہر سے جو غضب الہی کا

سلطنت نماندہ خدا خیر کند۔ مورد ہو رہا ہے یا ہرنگالے کہ امور

سلطنت میں کوئی نظم باقی نہیں رہا

خدا اپنا فضل فرمائے۔

حملہ نادری

شاہ صاحب ^{۱۱۴۵ھ} میں حجاز سے دہلی پہنچے تھے، پانچ سال ہی گزرے تھے کہ ^{۱۱۵۱ھ} ۱۱۴۸ء میں نادر شاہ کا دلی پر وہ حملہ ہوا جس نے سلطنت مغلیہ کی رہی سہی چولیس ہلا دیں اور دہلی کی خاک اڑادی۔ حملہ نے دہلی کے غیرت مند شہریوں اور شریف خاندانوں کے دل و دماغ پر وہ اثر ڈالا کہ وہ زندگی سے بیزار و شرمسار اور اپنے ہاتھوں اپنی موت کا سامان کرنے کے لئے تیار تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ہے کہ آپ نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قتل عام اور عزت و ناموس کی بربادی کے موقعہ پر اپنی دہلی کے شرفاء، پرانے راجپوتوں کے دستور کے مطابق ”جوہر“ کا قطعی طور پر ارادہ کر چکے تھے، اس موقعہ پر والد ماجد (شاہ ولی اللہ صاحب) مسلمانوں کو واقعہ کر بلا، اور سیدنا حسینؑ کے مصائب یاد دلایا کہ اس ارادہ سے باز رکھا کہ انھوں نے ان لرزہ خیز اور ناقابل تصور مصائب کے باوجود صبر و رضا کی راہ اختیار کی اور خاکم بدین، خویش کشی اور خودکشی کا ارادہ نہیں کیا۔

نامساعد وزلزہ انگیز حالات میں تدریس و تصنیف کی یکسوئی

مرہٹہ گردی، جاٹ گردی، سکھ گردی اور نادگر گردی کے ہوش ربا مصائب اور زلزلوں

لے جب راجپوت شرفاء ہر طرف سے گھر جلتے تھے اور باعزت زندگی کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا تھا تو اپنے اہل و عیال کو تہ تیغ کر کے جلتی ہوئی آگ میں پھاند جاتے تھے۔

کے درمیان جو دلی کو زیر و زبر کر کے رکھ دیتے تھے، اور جن میں بعض اوقات نقل مکانی بھی کرنا پڑا۔
 ”القول الجلی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۷۳ء کے درانی قتلہ میں شاہ صاحب خدام کی استدعا پر
 وطن مالوف سے مدد اہل خانہ و متعلقین منتقل ہو کر قصبہ بڑھانہ میں تشریف لائے، جب رمضان کا
 مہینہ آیا تو معمول قدیم کے مطابق ایک چلہ کا انعکاف بھی فرمایا، شاہ صاحب درس تصنیف
 دعوت الی اللہ، تزکیہ نفوس و تربیت طالبین کا کام اس جمعیت خاطر اور اس اہتمام و انصراف
 کے ساتھ کرتے رہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دلی ہی نہیں سارے ہندوستان میں معتدل و پرسکون حالات
 ہیں، اور وہ ایک گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے علمی تحقیق، فکری رہنمائی اور اخلاقی تربیت اور
 احیائے ملت کے کام میں ہمہ تن مصروف ہیں، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بڑی خوبی اور بلاغت
 کے ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”ایسے کم مصنف گزرے ہیں جن کی تصانیف میں ان کے زمانہ کی روح نہ ہو یا اس میں
 زمان و مکان کی جھلک نہ ہو، اور کم از کم یہ کہ اپنے زمانہ کی علمی نا قدر شناسی اور
 اضطراب احوال کا ذکر نہ ہو، مگر شاہ صاحب کی تصانیف کا یہ حال ہے کہ وہ زمان
 مکان کی قید سے بالکل پاک اور گلہ و شکایت اور حرف و حکایت سے سراپا لے بیاز
 ہیں، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا، کہ یہ کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں، جب امن و اطمینان
 اس ملک سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا تھا، سارا ملک طوائف الملوکی، خانہ جنگی،
 سیاسی بد امنی، اور ہر طرح کے شوشر میں مبتلا تھا، دلی کی سیاسی مرکزیت مٹ چکی
 تھی، ہر شیر زن اپنی بادشاہی کا خواب دیکھ رہا تھا، سکھ ایک طرف، مرہٹے دوسری
 طرف، جاٹ تیسری طرف، اور روہیلے چوتھی طرف، ملک میں ہر طرف اوجھم چاہے تھے،

اور نادر شاہ اور احمد شاہ جیسے پرجوش سپہ سالار خیر کے دروازہ کے پاس کھڑے
 جب چاہتے تھے، آندھی کی طرح آجاتے، اور سیلاب کی طرح نکل جاتے تھے، اس دریا
 میں دلی خدا جانے کتنی دفعہ ٹٹی اور کتنی دفعہ بنی، مگر اشرے دلی کے تاجدارِ علم کا
 امن و اطمینان کر یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا، مگر نہ دل کو اضطراب
 نہ خیال میں انتشار، نہ قلم میں اضطراب، نہ زبان پر زمانہ کا گلہ، نہ قلم سے بے اطمینانی
 کا اظہار، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلندی کے جس آسمان یا صبر و رضا کے جس لامکا
 میں تھے، وہاں تک زمین کی آندھیاں نہیں پہنچتیں، اور زمان و مکان کی گرد
 وہاں اپنا کام نہیں کرتیں، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سچے اہل علم کی شان کتنی
 بلند، اور اصحابِ تسلیم و رضا کا منصب کتنا اونچا ہے۔

أَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ ہاں اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان
 پاتے ہیں۔ (الرعد ۲۸)

صحیح علم کی صحیح خدمت بھی ذکر اللہ کی دوسری شکل ہے، اس لئے اگر وہ بھی
 قلب میں اطمینان، اور روح میں سکون پیدا کرے تو عجب نہیں، شاہ صاحب کی
 تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جائیے، آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارہویں صدی
 ہجری کے پُر آشوب زمانہ کی پیداوار ہے، جب ہر چیز بے اطمینانی اور بد امنی کی
 نذر تھی، صرف یہ معلوم ہوگا کہ علم و فضل کا ایک دریا ہے جو کسی شور و غل کے بغیر
 سکون و آرام کے ساتھ بہہ رہا ہے، جو زمان و مکان کے خس و خاشاک کی گندگی
 سے پاک و صاف ہے۔

سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں مجاہدانہ وقائدانہ کردار

صرف یہی نہیں کہ شاہ صاحب مصائب و حوادث کے اس گرد و غبار، بلکلان کی ہولناکیوں، بارش کے درمیان زیر آسمان بیٹھے ہوئے تصنیف و تحقیق اور درس و تعلیم میں اس طرح منہمک تھے کہ نہ ہوا کے تیز جھونکے سے زیر تسوید کتاب کا کوئی ورق الٹتا تھا، نہ بارش کا کوئی قطرہ اس کے کسی نقش کو مٹاتا تھا، بلکہ وہ ان حالات کو تبدیل کرنے، اس ملک میں مسلمانوں کے اقتدار کو دوبارہ واپس لانے، اور ایک فرض شناس، حقیقت پسند، احکام شریعت پر عمل کرنے والی، عام شہریوں کی عزت و ناموس کی محافظ، انتشار انگیز طاقتوں کو ختم کرنے والی، مستحکم و خوش حال سلطنت کے قیام کے لئے بھی سامی اور سرگرم تھے، اور اس سلسلہ میں بھی وہ ایسا قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے جو بڑے سے بڑا سیاسی مبصر ادا کر سکتا تھا، جس کو تصنیف و تالیف اور درس و تحقیق سے ادنیٰ مناسبت اور ذرہ برابر فرصت نہ ہو۔

مجددین اور داعیان اسلام، اور محققین و مصنفین میں اگر کسی کی زندگی میں یہ مائلت نظر آتی ہے تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی زندگی میں جنہوں نے شام میں شام کے مسلمانوں کو خون آشام تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی اور ان کے اکھڑتے ہوئے قدم جمائے، پھر جب سلطان مصر محمد بن قلاوون نے شام آکر تاتاریوں سے جنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کیا اور اہل شام میں سخت انتشار اور اضطراب پیدا ہوا، تو وہ خود مصر گئے اور سلطان کو ملک شام کی حفاظت اور تاتاریوں سے مقابلہ پر آمادہ کیا، اور سلطان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی، اور تاتاریوں کو ایسی شکست فاش ہوئی جس کی مثال ان کی گزشتہ تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

شاہ صاحب نے بھی اپنے علمی مشاغل اور احیاء و تجدید کی مساعی کے ساتھ ایسے سیاسی تدبیر اور ایسی ذہانت اور بلند نگاہی سے کام لیا کہ اگر مغلوں میں کچھ بھی صلاحیت یا امرائے سلطنت میں ہمت اور سیاسی شعور ہوتا تو ہندوستان نہ صرف تنگ نظر اور انتشار پسند ملکی حوصلہ آزماؤں سے محفوظ ہو جاتا، بلکہ انگریزوں کے اس تسلط سے بھی محفوظ ہو جاتا، جس نے انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کو کمزور اور میدان کو خالی پا کر اپنے قدم جمائے، اور اس کو برطانوی سلطنت میں نہ صرف شامل کیا، بلکہ اس سے وہ قوت اور وسائل حاصل کئے جس نے دنیا کی پوری سیاست پر اثر ڈالا، اور عرب ممالک پر اپنا اقتدار جمایا۔

شاہ صاحب کی اس جمعیتِ خاطر، ہمت و استقامت بلند نگاہی و اولوالعزمی اور اس کے مقابلے میں ملک کی زلزلہ انگیز فضا کو دیکھتے ہوئے (جس میں نہ کسی سنجیدہ اور عمیق و مسلسل مشغولیت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، نہ کسی انقلابِ حال اور عروج بعد زوال کی امید) اقبال کا یہ شعر حقیقتِ حال کی سچی تصویر معلوم ہوتا ہے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

شاہ صاحب کا احساس و اضطراب

شاہ صاحب جنہوں نے ابتدائے سن شعور میں وزنگ زیب عالمگیر کے دبذہ حکومت و اقبال سلطنت کے آثار دیکھے تھے، اور اس سے پہلے کے (جب سلطنتِ مغلیہ کا ستارہ اقبال بلند اور جاہ و جلال قائم تھا) قصے دہلی کے بزرگوں اور اہل خاندان سے سُنے تھے، اور جن کے قلم سے خلافتِ راشدہ کے کارنامے اور تاریخِ اسلام کے عہدِ زریں کے تابناک نقوش،

اسلامی حکومت کے فرائض و ذمہ داریوں اور اس کے ساتھ خدا کی مدد اور نصرت کی تفصیل
ازالۃ الخفا کے صفحات پر ثبت ہوئی تھی، ان کی آنکھوں نے منلیہ سلطنت کے عہد زوال
اور فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانہ کی بد نظمی، طوائف الملک، راستوں کی بد امنی، بد نظری
مذہب و ملت اہل ملک کی جان و مال، عزت و آبرو کا عزم تحفظ اور رستائیوں کی برائی
شعائر اسلام کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی (جو چھ سو سال سے اس ملک پر حکومت کر رہے تھے)
مجبوری اور بے بسی کا نظارہ دیکھا تو ان کا حواس و دردمندوں خون کے آنسو رویا، اور
خون کے یہ قطرے ان کے گوہر باقلم سے ان خطوط کے صفحات پر چھانکھوں نے اپنے زمانہ
کے بعض اہل دول اور معتمدین کو لکھے ہیں ٹپک پڑے، یہاں پر اس کے چند نمونے پیش کیے جاتے
ہیں، ایک معاصر بادشاہ کے نام سورج مل جاٹ کے دور دورہ اور اسلام کی غربت کا
حال بیان کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

ازان باز شوکت سورج مل فرونی	اس کے بعد سے سورج مل کی شوکت
یافت و ازد و کروہ دہلی گرفتہ	ترقی پاگئی دہلی سے دو کوس فاصلے
تا اقصیٰ اکبر آباد طولاً و از حدود	سے لے کر آگرہ کے آخر تک طول میں
میوات تا فیروز آباد و شکوہ آباد	اور میوات کے حدود سے فیروز آباد
عرضاً متصرف شد و اذان و صلاۃ	اور شکوہ آباد تک عرض میں سورج مل
مقدور کسے نہ کہ برپا دارد۔	قابض ہو گیا کسی کی طاقت نہیں کہ
	وہاں اذان و نماز جاری کر سکے۔

لے جیسا کہ آگے آئیگا اس بات کے پورے فرائض موجود ہیں کہ یہ خط احمد شاہ ابدالی کے نام لکھا گیا ہے۔
۱۱۱۱ مکتوب بعض سلاطین (شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات - پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۵)

اسی مکتوب میں ایک آباد و مردم خیز شہر سیانہ کی ویرانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

شہر سیانہ را کہ شہر قدیم اسلام بود شہر سیانہ جو کہ اسلام کا قدیم شہر
و علماء و مشائخ از مدت ہفت صد تھا اور جہاں پر علماء و مشائخ
سال در آں جا اقامت داشتند سات سو سال سے اقامت پذیر
قہراً و جبراً متصرف گشتہ ہمہ تھے اس شہر پر قہراً و جبراً قبضہ
مسلمانان را بخواری اخراج نمودند^۱ کر کے مسلمانوں کو ذلت و خواری
کے ساتھ وہاں سے نکال دیا۔

ملازمین شاہی جن کی تعداد لاکھ سے اوپر تھی کی خستہ حالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ہوں خزانہ پادشاہ نہاند نقدی جب خزانہ پادشاہ نہیں رہا،
ہم موقوف شد آخر حال ہمہ از نقدی بھی موقوف ہو گئی، آخر کار
ہم پاشیدند و کاسہ گدائی در سب ملازمین تتر بتر ہو گئے، اور
دست گرفته اند و از سلطنت کاسہ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا
بجز نامے باقی نہاند۔^۲ سلطنت کا بجز نام کے اور کچھ
باقی نہ رہا۔

مسلمانوں کے مختلف طبقوں کا حال لکھتے ہوئے ان کے قلم سے یہ موثر جملہ نکل گیا ہے:-

با بجلہ ایں جماعت مسلمین قابل ترحم غرض کہ جماعت مسلمین قابل رحم
اند۔^۳ ہے۔

نواب نجیب الدولہ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

لہ ایضاً ص ۹ لہ ایضاً ص ۱۱ لہ ایضاً ص ۱۲

مسلمانان ہندوستان چہ دہلی وچہ مسلمانان ہندوستان نے خواہ وہ
غیر آں چندیں صد مات دیدہ اند دہلی کے ہوں خواہ اس کے علاوہ
وچند بار نہیب و غارت آزموہ کار کسی اور جگہ کے، کئی صد مات
یا ستخواں رسیدہ است جائے تجم دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کے
است۔ شکار ہوئے ہیں چاقو ہڈی تک
پہونچ گیا ہے "رحم کا مقام ہے۔

شاہ صاحب حقائق و واقعات اور مؤثر اور طاقتور اسباب پر نظر کر کے یقینی
نتائج اور مستقبل قریب کی اس طرح پیشین گوئی کرتے ہیں جس میں قیاس و ذہانت کا
دخل نہیں محض حالات کا غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ ہے :-

اگر غلبہ کفر معاذ اللہ ہمیں مرتبہ اگر غلبہ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا
ماند مسلمانان اسلام فراموشش تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے
کنند و اند کے از زماں نہ گذرد اور تھوڑا ہی زمانہ گذرے گا کہ
کہ قومے شوند کہ نہ اسلام را یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائیگی کہ
دانند نہ کفر را۔ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز
نہ کر سکے گی۔

مغل بادشاہوں اور ارکان سلطنت کو نصیحت و مشورہ

شاہ صاحب نے خاندان مغلیہ کے عروج و زوال اور ان کے اسباب کا

بغور مطالعہ فرمایا تھا، (جیسا کہ حجۃ الشریعہ کے اس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے جو باب ہفتم میں گزر چکا ہے) سلطنت مغلیہ کے علاوہ انھوں نے دوسری اسلامی سلطنتوں کی تاریخ بھی دقت نظر سے پڑھی تھی، اور اس سے انھوں نے وہ حکیمانہ نتائج اخذ کئے تھے، جو قرآن مجید کا ایسا ہی حامل اور عالم اخذ کر سکتا ہے، جو خدا کے قانون مجازۃ اور سنت الشریعہ سے واقف ہے، ان سے یہ حقیقت مخفی نہ تھی کہ اس خاندان کا مزاج طویل موروثی سلطنت، اباب عیش و عشرت کی فراوانی، اور خود غرض، مصاحبین، اور شیران سلطنت کی کوتاہ نظری سے فاسد ہو گیا ہے، اور بیماریاں اس کے جسم میں جڑ پکڑ گئی ہیں، وہ عرب فلسفی مورخ علامہ ابن خلدون کے اس حکیمانہ مقولہ سے بھی بے خبر نہ تھے کہ "إِنَّ الْهَرَمَ إِذَا نَزَلَ بِالْدَوْلَةِ لَا يَرْتَفِعُ" (جب کوئی سلطنت بوڑھا پے کے مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کا از سر نو جوان ہونا (عام طور پر) ممکن نہیں ہوتا)۔

لیکن صحیح فکر مندی، سچی طلب اور دل سے لگی ہوئی بات انسان کو ایسی جگہ بھی قسمت آزمائی پر آمادہ کرتی ہے، جہاں کامیابی کی امید موموم بھی ہو، جس مسافر پر تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے، اور جان لبوں پر آ جاتی ہے، ہنر اور عقل و دانائی اور تجربوں کے باوجود بھی اس کے قدم پانی کی امید میں چٹمے سراب کی طرف بے اختیار نہ اٹھ جاتے ہیں کہ عقل کی خود فریبی سچی پیاس کی علامت ہے، عرفی نے کیا خوب کہا ہے ۵

ز نقص تشنہ لبی داں بعقل خویش مناز

دلت فریب گراز جلوہ سراب نخورد

(سچی پیاس کی کمی کو اس کا سبب سمجھ، اپنی عقل پر ناز نہ کر اگر تیرے دل نے (جان بوجھ کر بھی)

سراب کی ظاہری چمک دمک سے دھوکا نہیں کھایا۔

لیکن انسان پھر ایک ایسے خاندان کا معاملہ جس نے صدیوں جاہ جلال سے حکومت کی تھی، ایک بے جان اور جامد سراب سے بہر حال مختلف ہے، اور اس سے یہ توقع کرنی بے جا نہیں کہ اس میں پھر کوئی باحمیت اور صاحب عزیمت مرد میدان پیدا ہو سکتا ہے، جو حالات کا رخ بدل دے اور جاں بلب سلطنت میں زندگی کی نئی روح پھونک دے شاہ صاحب اپنے عہد کے قرآن مجید کے بڑے رمز شناس اور غواص تھے، ان کے سامنے قرآن کی یہ آیت تھی:۔

تَوُجِّعُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَتَوُجِّعُ النَّهَارُ	تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا اور
فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ	تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے
وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ	اور تو ہی بے جان سے جاندار پیدا
مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝	کرتا ہے، اور تو ہی جاندار سے بے جا
(آل عمران - ۲۷)	پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے

بے شمار رزق بخشتا ہے۔

اسی بنا پر شاہ صاحب نے قلمی معنی کے حالات کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی اپنے زمانہ کے ایک مغل بادشاہ کو خط لکھا ہے جس میں اس کو اصلاح حال، تقویت سلطنت اور خدا کی رحمت و نصرت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایسے حکیمانہ اور دانشمندانہ مشورے دیئے گئے ہیں جو اعلیٰ درجہ کی حکمت دین، تاریخ و سیاست اور نظم مملکت کے عمیق و وسیع مطالعہ پر مبنی ہے، شروع ہی میں لکھا ہے کہ:۔

امیدواری از فضل حضرت باری اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے

لہ افسوس ہے کہ اس مغل بادشاہ کا نام (جس کے نام یہ اہم خط لکھا گیا ہے) معلوم نہیں ہو سکا۔

آنست کہ اگر بموجب ایں کلمات امید ہے کہ اگر ان کلمات کے بموجب
 عمل کنند تقویت امور سلطنت عمل کریں گے تو امور سلطنت کی
 و بقاء دولت و رفع منزلت تقویت حکومت کی بقاء اور
 بظہوری رسد فرودہ عزت کی بلندی ظہور پذیر ہوگی۔
 و پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند شاعر کہتا ہے۔
 انچه استاد ازل گفت ہماں می گویم کہ مجھ کو آئینہ کے پیچھے طوطی کے مانند
 رکھا ہے، جو کچھ استاد ازل نے کہا ہے
 وہی کہتا ہوں۔

اس خط میں جو بادشاہ وقت اس کے وزیر اور امراء سلطنت کو لکھا گیا ہے، چند نہایت
 دانشمندانہ، سیاسی و انتظامی مشوروں کے بعد جن کے بغیر سلطنت کا قیام، رعیت کا رفاد عام
 اور لوگوں کا اعتماد بحال نہیں ہو سکتا، آخر میں لکھا ہے کہ قاضی اور محتسب ایسے لوگوں کو بنایا
 جائے جن کو رشوت ستانی کی تہمت نہ لگی ہو، اور وہ مذہب اہل سنت و الجماعت کے ہوں، نیز
 یہ کہائمہ مساجد کو اچھے طریقہ پر تنخواہ دی جائے، نماز باجماعت کی حاضری کی تاکید کی جائے،
 اور اس کا پورے اہتمام کے ساتھ اعلان کیا جائے کہ ماہ رمضان کی بے حرمتی نہ ہو جائے،
 آخر میں یہ کہ بادشاہ اسلام اور امراء عظام نا جائز عیش و عشرت میں مشغول نہ ہوں، گذشتہ گناہوں
 سے سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں، اگر ان کلمات پر عمل کیا جائیگا تو مجھے امید ہے کہ
 بقائے سلطنت، تائید غنی اور نصرت الہی میر ہوگی ”وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب“

لے شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات، مکتوب اول بجانب بادشاہ و وزیر امراء۔

لے ملاحظہ ہو سیاسی مکتوبات صفحہ ۸۱۔

اس طرح شاہ صاحب نے اپنا وہ فرض ادا کر دیا جو ایک جید عالم دین شایع قرآن و حدیث اور وقت کے مصلح اور مجدد کو ادا کرنا چاہئے تھا، جو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ اور ان خطرات سے باخبر ہے جو صرف حکمران خاندان ہی کے سر پر نہیں پورے اہل ملک کی گردنوں پر سنگی تلوار کی طرح لٹک رہے تھے، شاہ صاحب نے اپنے اسلاف کے اتباع اور تائید میں امت کے دستور کے مطابق سرکار دربار سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھا تھا، اور اپنے بوریاۓ فقر پر متمکن رہے تھے، لیکن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور ان کے جانشین حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کی طرح ان کا دل حکومت و وقت اور اس کی صحیح رہنمائی کے لئے دعائیں مشغول تھا، اور ان لوگوں کو جو اس مرکز علمی و روحانی سے تعلق رکھتے تھے، وہ بظاہر و قلم سے صحیح مشورہ دینے میں کسی بخل اور احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے، ایک دوبار ایسا بھی ہوا کہ بادشاہ خود اچانک شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور دعا کی درخواست کی، اپنے محبوب و معتمد مرید سترشد اور برادر نسبتی شاہ محمد عاشق پھلتی کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

”جمرات کے دن بادشاہ حضرت نظام الدین اولیاء اور دیگر مشائخ کے مزارات

کی زیارت کرنے کے لئے سوار ہو کر گیا تھا، مجھے پہلے سے اطلاع دیئے بغیر کابل دروازہ

سے سادہ تخت پر سوار ہو کر غریب خانہ پر وارد ہوا، فقیر کو کوئی اطلاع ہی نہ تھی مسجد

میں پوریوں پر آکر بیٹھ گیا، اس قدر توقیر سلطان کرنا لازم ہوئی کہ فقیر جس مصلے پر بیٹھتا

ہے اور نماز ادا کرتا ہے، اس کو اس طریقہ سے بچھا دیا گیا کہ اس کی ایک جانب بیٹھ گیا

اور دوسری جانب بادشاہ، بادشاہ نے اول مصافحہ کیا پڑی تعظیم کے ساتھ بعد ازاں

کہا، میں مدت سے آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا، لیکن آج اس جوان کی رہنمائی میں

لے افسوس ہے کہ مکتوب میں اس بادشاہ کا نام درج نہیں اور نہ کسی اور ذریعہ سے اس کی وضاحت ہو سکی۔

یہاں پہنچا ہوں، اشارہ وزیر کی طرف کیا پھر کہا کہ غلبہ کفر اور رعیت کا تفرق و امتضا
اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ سب کو معلوم ہے چنانچہ مجھے تو سونا، اور کھانا پینا دو بھر
اور تلخ ہو گیا ہے اس بارہ میں آپ کے دعا مطلوب ہے، میں نے کہا کہ پہلے بھی میں دعا
کرتا تھا اور اب تو انشاء اللہ اور زیادہ دعا میں مشغول رہوں گا۔

اسی دوران میں وزیر نے مجھ سے کہا کہ حضرت بادشاہ یا پنجوں وقت کی نماز کا
بڑا اہتمام فرماتے ہیں میں نے کہا الحمد للہ! یہ وہ بات ہے کہ ایک مدت کے بعد
سننے میں آرہی ہے، ورنہ ماضی قریب کے بادشاہوں میں سے کسی میں یہ نماز کی پابندی
سننے میں نہیں آئی تھی^۱۔

آخر میں شاہ صاحب نے بادشاہ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وہ وصیت سنائی جو انھوں نے
حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ بناتے وقت فرمائی تھی:-

”خلیفہ کو بھی عجیب عجیب مشکلات درپیش ہوتی ہیں اعدائے دین کی طرف سے
بھی اور موافقین کی طرف سے بھی، ان تمام مشکلات کا بس ایک ہی علاج ہے کہ
مرضیات حق کو اپنا نصب العین بنا کر حق تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے اور
اس کے غیر سے قطع نظر کر لی جائے۔“

شیخ محمد عاشق کے نام ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

”بادشاہ اور اس کی والدہ آئے تھے پہلے مسجد میں زنانہ کا انتظام کیا گیا،

اس صورت سے بادشاہ کے آنے کی غرض یہ تھی کہ بے تکلف ہو کر کچھ دیر ٹھہرے

۱۔ یہی مکتوبات ۱۳۵-۱۳۶ ۲۔ ایضاً ۱۳۶-۱۳۷ ۳۔ یہاں بادشاہ سے احمد شاہ مراد ہے

جو محمد شاہ کا فرزند و جانشین تھا ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا۔

تقریباً تین چار گھنٹے پہلے لکھا جاتا بھی تھا کہ اس کی زیادہ تر باتیں مخلوق خدا کی

بجائے اس کے کہ اس کے علم اور دہانے سے معلق تھیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ حکمران خاندان کا زوال طویل موروثی سلطنت کے اثرات اور
بیرونی مخالفتیں اور سازشیں اس درجہ کو پہنچ گئی تھیں کہ کوئی بڑے سے بڑا صاحبِ عزم
اور ننگ نشین بھی تنہا اس زوال کو عروج سے اکر زوری کو نئی طاقت اور توانائی سے بدل کر
پورے ملک کے حالات میں انقلاب نہیں لارکتا تھا تاہم تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی
سلطنت کا زوال اپنے آخری حدود تک پہنچ جاتا ہے اور مخالفتوں اور سازشوں کی
سرنگیں سلطنت کو بارش کی طرح اڑانے کے لئے تیار ہوتی ہیں تو بڑے سے بڑا قوی الارادہ
جفاکش اور صاحبِ صلاح بادشاہ بھی سلطنت کے جسم میں زندگی کی نئی روح پھونکنے میں
ناکام رہتا ہے، متعدد بار ایسا پیش آیا کہ حکمران خاندان کا آخری آدمی جس کے زمانہ میں
سلطنت کا انقراض پیش آیا، اپنے بہت سے پیشرووں سے بہتر تھا، اور اس نے سلطنت کو
سقوط سے بچانے کی جانب ازانہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا، بنی مروان کے خاندان
اور بنی امیہ کی سلطنت کے آخر میں مروان ابن محمد معروف بمروان الحمار (م ۱۳۲ھ) اور
خلفائے عباسیہ کے خاندان کا آخری فرمانروا مستعصم باللہ (م ۶۵۶ھ) اور کسی حد تک
تیموری خاندان کا آخری فرمانروا ابو ظفر بہادر شاہ (م ۱۲۷۹ھ) اس کی چند مثالیں ہیں۔
اس لئے ضرورت تھی کہ شاہ صاحب کا جیسا بالغ نظر مصلح، وسیع النظر مؤرخ اور
فراست ایمانی کا حامل برائے نام مغل فرمانرواؤں اور ان کے امراء دربار سے رابطہ
قائم کرنے، ان کے اندر... حمیت ملی وغیرت دینی بیدار کرنے، بگڑے ہوئے حالات اور

انتشار انگیز طاقتوں سے پنجہ آزمائی پر آمادہ اور تیار کرنے پر اکتفا نہ کرے، شاہ صاحب نے درباری امراء کے محدود حلقہ سے باہر نکل کر ان امراءے سلطنت آزمودہ کار قائدین افواج اور عالی حوصلہ سرداروں سے خط و کتابت کی جن کے خاکستر میں ان کو دینی حمیت اور قومی عزت کی کوئی دہلی ہوئی چنگاری نظر آئی، ان میں حسب ذیل امراءے سلطنت اور قائدین تھے، وزیر مملکت آصف جاہ، نواب فیروز جنگ نظام الملک احمد شاہی، عمار الملک وزیر، تاج محمد خاں بلوچ، نواب مجرالدولہ بہادر، نواب علیداشر خاں کشمیری، میراں نیاز گل خاں، سید احمد روہیلہ۔

لیکن شاہ صاحب کی نگاہ انتخاب و اختصاص (جس کے ساتھ فراست ایمانی اور الہام ربانی شامل معلوم ہوتا ہے) اس عہد کی دو عظیم شخصیتوں پر پڑی، جن میں سے ایک ہندوستان کے اندر کی تھی اور ایک باہر کی، ہماری مراد امیر الامراء نواب نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی والی افغانستان سے ہے۔

نواب نجیب الدولہ

نواب نجیب الدولہ میں وہ تمام صفات و خصائص پائے جاتے تھے جو عہد قدیم میں بانیان سلطنت کی خصوصیت ہیں اور جنہوں نے شخصی سلطنتوں اور خاندانوں کے عروج و اقتدار کے عہد میں (جب ذاتی جوہر اور وفاداروں کی جمعیت کا فراہم ہو جانا

۱۰۲ مجموعہ مکتوبات حضرت شاہ عبدالرحیم و حضرت شاہ ولی اللہ (قلمی) محفوظ عثمانیہ یونیورسٹی لاہور میں
حیدرآباد مخطوطات ص ۲۱۳ ۱۰۳ ان کے نام چار خط ہیں ملاحظہ ہو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے
سیاسی مکتوبات ص ۶۶ ۱۰۴ تفصیل حالات کے لئے ملاحظہ ہو نجیب التواریخ از نصیر الدین
(قلمی نسخہ عجیب گنج) مختصر حالات کے لئے "شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی مکتوبات ص ۲۳۱-۲۳۲

فتح اور قیام سلطنت کے لئے کافی ہوتا تھا) اہم کردار ادا کیا ہے اور ان کے ہاتھوں کسی فتح و تسخیر کے کسی کا نامہ کا ظہور ہوا ہے ان کے اندر اپنے ولی نعمت کے ساتھ وفاداری کا جو ہر اپنے رفیقوں اور ماتحتوں کے ساتھ شرافت و احسان کی خواہش، سپہ گری کا جو ہر و شجاعت اور قائدانہ صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، لیکن تاریخی تجربہ یہ ہے کہ یہ صفات کمالات جنگی طاقتوں کو شکست دینے اور ملک فتح کرنے میں تو کامیاب ہو جاتی ہیں، لیکن ایسے ماحول میں جس میں غداری اور کورنگی کو "فخر شریف" کا درجہ دیا جائے، بے اصولی و بے کرداری کو اعلیٰ درجہ کی سیاست سمجھا جائے اور موقع سے فائدہ اٹھانے کو دانشمندی اور دور اندیشی تصور کیا جائے، اکثر مقید بننے کے بجائے کامیابی میں علاج اور مشکلات پیدا ہونے کا باعث بنتی ہیں، بد قسمتی سے نواب نجیب الدولہ اور آصف جاہ نظام الملک کو ایسا ہی فاسد ماحول ملا تھا، مؤرخین اس کے اعلیٰ کردار اور سپاہیانہ وقائدانہ صلاحیت کی تعریف میں یک زبان ہیں سر جادو ناتھ سرکار لکھتا ہے :-

"ایک مؤرخ کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس کی کس خوبی کی سب سے زیادہ تعریف

کرے میدان جنگ میں اس کی حیرت انگیز قیادت کی، یا مشکلات میں اس کی

تیز نگاہ یا صحیح رائے کی، یا اس کی اس فطری صلاحیت کی جو اس کو انتشار و ابتر

میں ایسی راہ دکھاتی تھی جس سے نتیجہ اس کے موافق نکل آتا تھا"۔

مولوی ذکاء اللہ دہلوی تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں :-

"نجیب الدولہ ایسا عاقل و ہوشیار و دانشمند تھا کہ کمتر ہوتے ہیں امانت داری

ایمانداری تو اس وقت میں اس پر ختم تھی وہ اپنے پرانے آقاؤں کو اب
دوندے خاں روہیلہ کو اب شجاع الدولہ کی فرمانبرداری کئے جاتا تھا،
لہر راؤ ہلکر سے بھی اس کا ساز باز چلا جاتا تھا، یاد ہو گا یہ مرہٹہ پانی پت کی
لڑائی سے اپنے ہم وطنوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، غرض یہ جو انہر داس ٹوٹی
پھوٹی سلطنت کو نباہ رہا تھا!

شاہ عبدالعزیز صاب فرماتے ہیں:-

نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود نجیب الدولہ کے یہاں نو نشو
ادنی پنج روپیہ اعلیٰ پنج صد روپیہ عالم تھے جن میں سے سب نیچے
درجہ والے کو پانچ روپیہ اور اعلیٰ کو
پانچ سو روپیہ ملتے تھے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بقول "۱۷۷۱ء سے ۱۷۷۳ء تک وہ دہلی کی سب سے
بڑی شخصیت تھی تمام سیاست اس کے گرد گھومتی تھی اور وہ سارا نظام حکومت اپنے
کاندھوں پر سنبھالے ہوئے تھا!"

شاہ صاحب نے جن کو اللہ تعالیٰ نے مردم شناسی و حقیقت پسندی کا وہ ملکہ عطا
فرمایا تھا جو ان لوگوں کو عطا ہوا کرتا ہے جو تاریخ اصلاح و تجدید اور کارِ آدم گری مردم ساری
میں کوئی بڑا کام کرتے ہیں، قحط الرجال کے اس عہد میں جو حوصلہ مندوں اور طالع آزمائوں
سے بھرا ہوا تھا اپنے کام کی تکمیل و مدد لینے میں نجیب الدولہ کا انتخاب کیا اور ان کی
دور بین و باریک بین نگاہ نے اس جوہر قابل اور اس کے اندر دینی حمیت کو دیکھ لیا،

شاہ صاحب نے ان سے مراسلت شروع کی اور ان جنگاریوں کو فروزاں کرنے کی کوشش کی جو ان کی خاکستر میں دبی ہوئی تھیں وہ ان کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

خدائے عزوجل آل امیر المجاہدین را	خدائے عزوجل امیر المجاہدین کو
بنصر ظاہر و تائید باہر مشرف کناد	نصرت ظاہر اور تائید واضح کے ساتھ
و این عمل را بعز قبول رسانیدہ	مشرف کرے اور اس عمل کو قبولیت کے
ثمرات عظیم و برکات جیم برآں مرتب	درجہ میں پہنچا کر بڑی بڑی برکتیں
گرداناد۔	اور جھٹیل اس پر مرتب کرے۔

از فقیر ولی اللہ عفی عنہ بعد سلام	فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے
محبت شام واضح آنکہ دعائے نصر	بعد سلام محبت شام واضح ہو کہ نصرت
مسلمین کروہ می شود و از سرش غیبی	مسلمین کے لئے یہاں دعا کی جارہی
نفحات قبول شنیدہ می شود امید	ہے اور سرش غیبی سے آثار قبول
انست کہ خدائے تعالیٰ بردست	محسوس ہوتے ہیں امید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
ایشاں احوال طریقہ جہاد فرمودہ	آپ کے ہاتھ پر دینی جہاد کو زندہ
برکات آن عاجلاً و آجلاً نصیب	کرے اس کے برکات اس دنیا و آخرت
کند۔	میں عطا فرمائے گا۔

إِنَّهُ قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ۝۱۹

إِنَّهُ قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ۝۱۹

ایک دوسرے خط میں ان کو "امیر الغزاة اور رئیس المجاہدین" کے لقب سے یاد فرماتے ہیں، ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں تائید ملت اسلامیہ اور امداد امت مرحومہ کا کام آپ ہی کے ذریعہ انجام پائے گا جو اس کا خیر کام سرچشمہ اور ذریعہ ہے آپ کسی طرح کے وساوس و خیالات کو دل میں جھنے نہ دیں انشاء اللہ تمام کام دوستوں کی مرضی اور خواہش کے مطابق انجام پائیں گے“

شاہ صاحب نواب نجیب الدولہ کے نام خطوط میں دعائے تہنیت پر اکتفا نہیں کرتے ان کو بڑے مفید بنیادی مشورے بھی دیتے ہیں اور ان غلطیوں اور واقعات کے اعادہ سے محتاط و محترز رہنے کی تلقین بھی فرماتے ہیں جو اس سے پہلے حملہ آوروں اور مسلمان افواج سے ظہور پذیر ہوئے اور جو خدا کی نصرت و تائید سے مانع بن جاتے ہیں ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”جب افولج شاہی کا گذر دہلی میں ہو تو اس وقت اس بات کا پورا انتظام و اہتمام ہونا چاہئے کہ شہر سابق کی طرح ظلم سے پاٹھال نہ ہو جائے دہلی والے کئی مرتبہ لوٹ مار، ہتک عزت اور بے آبروئی کا نشانہ دیکھ چکے ہیں اسی وجہ سے مطلب براری اور مقاصد میں تاخیر پیش آرہی ہے آخر میں غلطیوں کی آہ بھی اتر کھتی ہے اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ وہ کام جوتشہ تکمیل تھے وہ مکمل ہو جائیں تو اس بات کی پوری تاکید پابندی ہونی چاہئے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمہ کی حیثیت رکھتے ہیں تعرض نہ کرے“

شاہ صاحب متعدد خطوط میں ہندوستان کی ان تین انتشار پسند اور جنگجو طاقتوں کے خطرہ اور ملک کو ان کے گزند سے محفوظ کر دینے کی ضرورت کی طرف بار بار متوجہ فرماتے ہیں (جن کا ذکر اس باب کے آغاز میں موجود ہے) کہ اس کے بغیر ملک میں نظم و نسق، امن و امان، شعائر دینی و معابد کی حفاظت اور معتدل معمول کے مطابق (NORMAL) زندگی گزاری نہیں جاسکتی،

ان کی وجہ سے سارا ملک متقل طور پر حالت جنگ اور عسکری نظام کی صورت میں زندگی گزار رہا ہے
شاہ صاحب کو نواب نجیب الدولہ سے ایسا تعلق خاطر معلوم ہوتا ہے اور وہ ان سے
ایسی توقعات رکھتے ہیں کہ بار بار اس کی تاکید فرماتے ہیں کہ جب وہ اس مقصد کے لئے عنان عزیمت
اٹھائیں تو شاہ صاحب کو اس کی ضرورت اطلاع کریں تاکہ وہ دعائیں مشغول ہو جائیں، نیز ان کو
بار بار فتح و کامیابی کی امید دلاتے ہیں اور اس کی پیشین گوئی فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ:-
”فقر کو اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔“

شاہ صاحب نے نواب نجیب الدولہ ہی کو احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان بلانے کے
لئے خاص ذریعہ بنایا ان کے نام براہ راست خط لکھنے کے علاوہ جو آئندہ صفحات میں
آ رہا ہے ان سے بھی خطوط لکھوائے اور ان کو بار بار تاکید کی، نواب نجیب الدولہ نے
شاہ صاحب کی وفات کے آٹھ سال بعد رجب ۱۱۸۳ھ (۳۱ اکتوبر ۱۷۶۹ء) کو انتقال کیا
پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:-

”اس کی عدل گستری و بالغ نظری کا یہ واقعہ ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا کہ
وہ جس وقت بستر مرگ پر آخری سانس لے رہا تھا تو اس نے اپنے فوجوں کو
(جو اس کے ساتھ ہارپڑ کے مقام پر تھیں اور گڑھ کا میلہ ہو رہا تھا) حکم دیا کہ
گنگا کے میلہ میں آنے جانے والے ہندو یا تریوں کے جان و مال کی پوری حفاظت
کی جائے۔“

۱۔ ملاحظہ ہو مکتوب ششم و ہفتم سیاسی مکتوبات ص ۲۱-۲۱ ۲۔ ملاحظہ ہو مکتوب ششم و ہفتم سیاسی مکتوبات

ص ۲۴-۲۵ ۳۔ مکتوب ششم ص ۲۴-۲۵ و مکتوب ہفتم ص ۲۶

۴۔ سیاسی مکتوبات ص ۲۳۴ بحوالہ سرکار ج م ص ۴۱۵

احمد شاہ ابدالی

شاہ صاحب نے اپنی بالغ نظری، ہندوستان کی صورت حال کے حقیقت پسندانہ مطالعہ، ارکان سلطنت اور امراء دربار کی بے کرداری اور حکمران خاندان کی روز افزوں نااہلی سے دو حقیقتیں ایسی سمجھ لی تھیں جو روز روشن کی طرح صاف تھیں، ایک تو یہ کہ ملک کی پہلی ضرورت اس بے نظمی اور طوائف الملوکی کو دور کرنا ہے جس سے نہ اہل ملک کی جان و مال عزت و آبرو محفوظ ہے نہ کسی تعمیری کام اور بہتر نظم نسق کی گنجائش ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے، اس افراتفری، بے یقینی اور سراسیمگی کی دائمی فضا کی ذمہ داری ان تین انتشار پسند اور جنگجو گروہوں پر تھی، جو نہ تو کسی ایسے ملک میں حکومت کا تجربہ رکھتے تھے جس میں مختلف مذاہب، قومیں و تہذیبیں صدیوں سے پائی جاتی تھیں، اور جس کے انتظام کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے اعلیٰ درجہ کا احساس ذمہ داری، قوت ضبط و تحمل، وسیع النظری اور فراخ دلی ضروری تھی، نہ ان کے پاس ملک کو اعتدال و سکون عطا کرنے، اہل ملک کا اعتماد بحال کرنے اور نظم نسق کو بہتر بنانے کے لئے کوئی منصوبہ تھا نہ کوئی تخیل، اس لئے پہلا کام یہ تھا کہ ان تینوں طاقتوں بالخصوص مرہٹوں کے غلبہ کے خطرہ سے ملک کو محفوظ کر دیا جائے جس سے ہندوستان کے اس مرکزی حصہ کو جو حکومتوں کا مستقر رہا ہے، یعنی لاہور سے دہلی اور صوبجات متحدہ تک کے علاقہ کو کسی وقت اطمینان نہیں تھا کہ کس وقت میدان جنگ میں تبدیل اور گلزار و پر رونق شہر ایک آزاد شکار گاہ میں تبدیل ہو جائیں گے، جہاں شکاریوں کو پُر امن شہریوں کو چڑیوں اور جانوروں کی طرح مانے کی اجازت ہوگی اور ان کا پشتوں اور سلوں کا اندوختہ دیکھتے دیکھتے تاریخ ہو جائیگا، اس سے دوسرے درجہ پر وہ خطرہ تھا جو سکھوں اور جاٹوں کی شکل میں تہذیب و تمدن

اور دولت و ثروت کے ان مرکوز کو بلائے ناگہانی کی طرح پیش آتا رہتا تھا۔

دوسری حقیقت یہ تھی کہ اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے کسی ایسے تجربہ کار عسکری قائد اور نظم سپاہ کی ضرورت ہے جو نئی جنگی طاقت سے معمور تو ہو لیکن مخمور نہ ہو، اس کے اندر سپہ گری کے جوہر اور شجاعت و بہادری کے ماسوا... ایمانی غیرت و دینی حمیت بھی ہو، نیز وہ ان ذیلی ضمنی اختلافات رقابتوں اور پرانے کینوں اور دشمنیوں سے محفوظ ہو جو دہلی کے ایوان سلطنت اور ملک کے اس ریاست کو گھٹن کی طرح کھا رہی تھیں، اور جن کی موجودگی میں کسی ایسے بلند تر مقصد کی تکمیل کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی جس میں بجائے کسی نسلی عنصر، مذہبی گروہ یا ذاتی فتح مندی کے حصول کے ملت کا فائدہ اسلام کی تقویت اور ملک کی حفاظت مقصود و پیش نظر ہو، شاہ حسنا کی نظر میں ایک ذریعہ اور واسطہ کی حیثیت سے تو امیر الامراء نواب نجیب الدولہ کی (جیسا کہ اوپر گندا) ضرورت و افادیت تھی لیکن وہ حالات کی سنگینی کے پیش نظر تنہا کافی نہیں تھے اور ان کے ذریعہ ان طاقتوں کا زور نہیں توڑا جاسکتا تھا، جنھوں نے اپنی فوجی طاقت اتنی بڑھالی تھی کہ ملک کی کوئی واحد فوجی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی تھی، اس کے لئے ایک تازہ دم بیرونی فوجی قائد کی ضرورت تھی جو اس ملک کے لئے مطلقاً اجنبی اور نووارد نہ ہو، وہ اس ملک کے نشیب و فراز باشندگان ملک کی راہ رسم اور یہاں کے حریف اور نبرد آزما گروہوں کے مزاج اور مرکز و ریوں سے بھی واقف ہو، اور جو اس کا حوصلہ اور ظرف بھی رکھتا ہو کہ اس ملک کو ان فوری خطروں سے محفوظ کر کے عنان حکومت یہیں کے قدیم حکمران خاندان کے کسی اہل اور باصلاحیت فرد، وفادار و صاحب کردار امیر یا وزیر کے حوالہ کر کے واپس چلا جائے کہ یہی حقیقت پسندی، ملی مفاد اور حب وطنی کا تقاضا ہے۔

اس نازک اور دشوار کام کے لئے (جس میں ہر نازک و دشوار کام کی طرح مصرت

و منفعت کے پہلو ہوا کرتے ہیں) شاہ صاحب کی نظر انتخاب احمد شاہ درانی (۱۷۲۲ء تا ۱۷۷۲ء) والی قندھار پر پڑی، جو ہندوستان کے لئے اجنبی اور نووارد نہیں تھا وہ ملتان میں پیدا ہوا، یہاں تک ایک سرک ابدالی روڈ کہلاتی ہے اس نے مختلف حالات و مقاصد کے تحت ۱۷۶۴ء سے ۱۷۶۹ء تک ہندوستان پر نوحے کئے، شاہ صاحب اور نواب نجیب الدولہ کی دعوت اور پانی پت کے معرکہ سے پہلے وہ چھ مرتبہ ہندوستان آچکا تھا وہ ملک کے نشیب فراہ طریقہ جنگ، فوجی طاقتوں کے تناسب، اور امراء اور اراکین سلطنت کے رجحانات سے واقف تھا، وہ اٹھارویں صدی عیسوی اور بارہویں صدی ہجری کے وسط کے ان ممتاز ترین فوجی قائدین میں تھا جو عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور مستقل حکومتوں کی بنیاد رکھتے ہیں، اس نے بڑی خوبی و کامیابی کے ساتھ منتشر افغانوں کی شیرازہ بندی کی، منصفانہ قوانین جاری کئے، محکمہ احتساب قائم کیا وہ سپہ گری، مکارم اخلاق اور شرافت نفس کی صفات کا جامع تھا، علم و ادب کا ذوق رکھتا تھا، قارئین کے ساتھ اپنی قوم میں محبوب و مانوس بھی تھا، دیندار، پابند مذہب اور علماء اور صلحام کی مجالست کا خواہش مند، سادہ و شائع کا ادب کرنے والا اپنے مذہبی معلومات میں اضافہ اور علمی تبادلات خیال کا شائق، رحم دل و فیاض، مساوا اور مذہبی رواداری پر عامل تھا، اس نے بعض ایسی سنتوں کو اجاڑ دیا جن کا افغانی ماحول میں نام لینا بھی مشکل تھا، مثلاً بیوگان کا نکاح ثانی، وہ خود بھی تعلیم یافتہ اور اہل قلم تھا اپنی روحانی ترقی کا متمنی رہتا تھا، فیریر نے لکھا ہے کہ:-

لے مقالہ (C. COLLIN DAVIES) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام
۲۷ احمد شاہ ابدالی کے حالات میں ملاحظہ ہو ڈاکٹر گنڈا سنگھ کی کتاب

”مشرقی ممالک کی بہت سی خرابیوں سے احمد شاہ بہرہ اٹھا، شراب نوشی، اقیون وغیرہ سے اجتناب کلتا تھا لایچ اور منافقانہ حرکتوں سے پاک تھا مذہب کا سخت پابند تھا، اس کی سادہ لیکن باوقار عادتیں اس کو ہر دلعزیز بنا دیتی تھیں اس تک پہنچنا آسان تھا وہ انصاف کا خاص خیال رکھتا تھا کبھی کسی نے اس کے فیصلہ کی شکایت نہیں کی۔“

احمد شاہ درانی شاہ صاحب کے زمانہ میں چھ مرتبہ ہندوستان آکر اور مقامی اور قومی ضرورتوں کو پورا کر کے واپس جا چکا تھا، ان حملوں میں اپنی فوجی طاقت کے مظاہرہ اور قومی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ اس نے کوئی اور مفید کام انجام نہیں دیا تھا، اس کی فوج نے ان اسلامی تعلیمات و آداب کی پابندی بھی نہیں کی تھی جن کی ایک پابند شریعت مسلمان سے توقع کی جاتی ہے، اس کے بعض حملوں سے شاہ صاحب اور ان کے متعلقین کو بھی پریشانی و مصائب برداشت کرنے پڑے تھے لیکن ان کمزوریوں اور تلخ تجربات کے باوجود وہی ایک ستارہ امید تھا جو اس تاریکی فتنہ پر نظر آتا تھا، مولانا محمد عاشق صاحب پھلتی کا بیان ہے کہ اس سب کے بعد بھی شاہ صاحب یہی فرماتے تھے ”وے را دریں دیار غلبہ شدنی است“ (اس کا اس علاقہ پر غلبہ ہوگا) ایک مرتبہ بہادر خاں بلوچ کے سوال کے جواب میں فرمایا ”دریں ملک غلبہ کلتی وے خواہد شد“ (اس ملک پر اس کا پورا غلبہ ہوگا) ایک مرتبہ اس کی موت کی افواہ گرم ہوئی شیخ محمد عاشق کے دریافت کرنے پر فرمایا:-

اچھ معلوم شدہ انیست کہ احمد شاہ جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ احمد شاہ

درانی باز دریں ملک نی آید و اس درانی اس ملک میں پھر آئیگا اور

کفار را بر انداز دو ویرا با وجود اس ان کفار کو زیر و زبر کر دے گا باوجود
 اوزار ظلم برائے ہمیں کارگذاشتہ نظام کے جو وہ کر رہا ہے اس کو
 اندلے اسی لئے اب تک اللہ نے باقی رکھا
 ہے وہ یہی کام ہے۔

شاہ صاحب کو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ شاہ ابدالی کے حالات کی اصلاح فرمائیگا
 اور اس سے وہ کام لے گا جو بظاہر اسباب کسی دوسرے امیر یا قائد کے بس کا نہیں ہے
 حکیم ابوالوفاء کشمیری سے ایک مرتبہ فرمایا کہ ابدالی کو حصول مقصد میں جو دشواریاں پیش
 آرہی ہیں وہ اس و بالی ظلم کی بنا پر ہیں جو اس نے (اپنے پہلے حملوں میں) ہندوستان کے
 شہروں پر کئے ہیں بعد کو اس کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔

شاہ صاحب احمد شاہ ابدالی سے ملک کو اس غیر یقینی صورت حال اور افراتفری
 سے محفوظ کر دینے اور سلطنت کو شاہی خاندان کے کسی نسبتاً لائق تر آدمی کے حوالہ کر دینے
 کا کام لینا چاہتے تھے، شاہ صاحب نے اس کی آمد سے پہلے پیشین گوئی کی تھی اور فرمایا
 تھا کہ ابدالی یہاں ٹھہرے گا نہیں بلکہ اولاد ملوک میں سے کسی کے حوالہ کر کے چلا جائیگا۔

بالآخر شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو نجیب الدولہ سے خطوط لکھوائے پھر براہ راست
 ایک پُر زور و پُر اثر خط لکھا جو شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت، دینی حمیت، اخلاقی جرأت
 اور زور انشاء کا آئینہ دار ہے، اس خط میں ہندوستان کی موجودہ صورت حال، اس کا
 قدیم طرز حکومت اس کے مختلف صوبوں کا نظم و نسق، ملک کی مختلف نسلی و مذہبی گروہوں

۱۔ ماخذ از سیاسی مکتوبات ۲۶-۲۷ ۲۔ ایضاً ص ۳ ۳۔ ایضاً

۴۔ پورا خط ملاحظہ ہو مکتوب دوم بعض سلاطین کے عنوان سے شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ص ۱۷

کی تعداد و طاقت کا تناسب ان کے بارے میں مسلمان بادشاہوں کی سیاسی غلطیوں و کوتاہ نظری ان کا تدریجی طور پر طاقت پکڑ لینا اور اقتدار حاصل کرنا اس سلسلہ میں مرہٹہ اور جاٹ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور ان کے اقتدار بار بار کے حملوں سے غربت اسلام اور مسلمانوں کی مظلومیت کا دلہرہ و نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس باجمیت مسلمان قائد کو جو اس وقت ہندوستان سے لے کر ایران تک سب سے بڑی منظم فوجی طاقت کا مالک تھا، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے اور سلطنت مغلیہ کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور ملک کی ذمہ داری سنبھالنے کا موقع دینے پر آمادہ کیا گیا ہے اور صفائی کے ساتھ لکھا گیا ہے :-

دیں زمانہ پادشاہ صاحب اقتدار	اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو
وشوکت باشد و قادر شکست لشکر	صاحب اقتدار اور شوکت ہو اور
کفار و دوراندیش جنگ زائی غیراں	لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو
ما زمان آنحضرت موجود نیست	دوراندیش و جنگ آزما ہو سوائے
	آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے

آگے لکھتے ہیں :-

مابندگان الہی رسول خدا صلی اللہ	ہم بندگان الہی حضرت رسول اللہ
علیہ وسلم شفیع می آریم و بنام خدائے	صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بناتے ہیں
عز و جل سوال می نمایم کہ ہمت	اور خدائے عز و جل کے نام پر التماس
باہمت را بجانب جہاد کفار	کرتے ہیں کہ ہمت مبارک کو

اس جانب متوجہ فرما کر مخالفین سے
 مقابلہ کریں تاکہ خدائے تعالیٰ کے
 یہاں بڑا ثواب جناب کے نام اعمال
 میں لکھا جائے اور مجاہدین فی سبیل اللہ
 کی فہرست میں نام درج ہو جائے
 دنیا میں بے حساب غنیمتیں ملیں اور
 مسلمانان از دست کفار نجات یابند
 ایں نواحی مصروف فرمائید اور پیش
 خدائے عزوجل ثواب جمیل در نامہ
 اعمال آنحضرت ثبت شود و در دیوان
 مجاہدین فی (سبیل) اللہ نام نامی
 نوشتہ شود و در دنیا غنائم بے حساب
 بدست غازیان اسلام افتد و
 مسلمانان از دست کفار نجات یابند

پاجائیں۔

اسی خط میں انھیں سیاسی بصیرت اور حالات سے گہری واقفیت کی بناء پر ہندوستان
 کی ان نوخیز طاقتوں کے بارے میں جن کی کسی مقابل منظم طاقت کے نہ ہونے کی وجہ سے شجاعت
 و طاقت کی دھاک مٹھی ہوئی تھی اور ان کو ناقابل شکست سمجھا جاتا تھا، صحیح اندازہ پیش کیا
 ہے جو ایک تجربہ کار قائد اور سیاسی مبصر ہی پیش کر سکتا ہے، مرہٹوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-
 ”قوم مرہٹہ کا شکست دینا آسان کام ہے بشرطیکہ غازیان اسلام کمر ہمت باندھ
 لیں حقیقت یہ ہے قوم مرہٹہ خود قلیل ہے، لیکن ایک گروہ کثیر ان کے ساتھ ملا ہوا ہے
 ایک گروہ میں سے ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائیگی
 اور اصل قوم اسی شکست سے ضعیف ہو جائیگی، چونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے اس لئے
 ان کا تمام تر سلیقہ ایسی کثیر قوج جمع کرنا ہے جو چوٹیوں اور ٹڈیوں سے زیادہ ہوا
 دلاوری اور سامان حرب کی بہتات ان کے یہاں نہیں ہے“

شاہ صاحب کی ہدایت کے مطابق نجیب الدولہ نے احمد شاہ ابدالی کو جو خطوط لکھے پھر شاہ صاحب نے جو طویل و مؤثر خط براہ راست لکھا (جس کا کچھ اقتباس اوپر گذرا) وہ بے اثر نہیں رہا، احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۷۳ء (۱۱۹۵ھ) میں مرہٹوں کا زور توڑنے اور نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کی مدد کرنے کے لئے (جنھوں نے اس موقع پر سیاسی شعور اور اسلامی اتحاد کا ثبوت دیا تھا) ہندوستان کا قصد کیا ایک سال ذیلی جنگوں اور چھڑپوں میں گذر گیا بالآخر ۱۷۷۴ء (۱۲ جنوری ۱۱۹۶ھ) کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں اور افغانوں اور ہندوستانی اسلامی متحدہ محاذ کے درمیان وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رخ بدل دیا، اور مرہٹوں کو ہندوستان کے نئے ابھرتے ہوئے سیاسی نقشہ سے باہر نکال دیا، اس جنگ کا مختصر حال اور نتیجہ مولوی ذکاء اللہ صاحب مؤلف "تاریخ ہندوستان" کے الفاظ میں لکھا جاتا ہے:-

”لڑائی میں بڑا گھمان ہو گیا مگر اب بھی مرہٹوں کا پلہ بھاری تھا، احمد شاہ نے اپنے بھگڑے سپاہیوں کو گھیر کر قتل کرنے کا حکم سنایا اور یہ کہدیا جو بھاگے گا مارا جاوے گا، بعد اس کے اس نے اپنی صف کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، ایک سپاہ کو اپنے بائیں طرف دشمن کے بازو پر حملہ کا حکم دیا، اس تدبیر کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا، قلب سپاہ میں بھاؤ، بسو اس راؤ گھوڑوں پر سوار لشکر کو لڑا ہے تھے، خنجر اور کھانڈے بازی ہو رہی تھی کہ یکایک خدا معلوم کیا ہوا کہ مرہٹوں کے لشکر کا قدم میدان جنگ سے اٹھ گیا، قدم کا اٹھنا تھا کہ میدان جنگ کا ان کے مردوں سے بھرتا تھا، لشکر اسلامیہ نے ان کا تعاقب بڑے جوش و خروش سے ہر جانب میں پندرہ، پندرہ، بیس بیس میل تک کیا“

اور مرہٹوں کو مار مار کر ڈھیر لگا دیا، جو مرہٹے ان دشمنوں کے ہاتھ سے بچ گئے، ان کے گنواروں نے مار ڈالا، بسواس راؤ اور بھاؤ مائے گئے، جن کو جی سیندھیا کو کسی درانی نے چھپا رکھا تھا، وہ بھی تلاش کرنے سے پکڑا گیا اور مارا گیا، ابراہیم خاں گاردی بھی قید ہوا، ایک ہفتہ کی موت نے اس کے زخموں پر بھی مرہم رکھا، شیر بہادر بھی بھاگتے ہوئے مائے گئے، مالوہ میں ملہار راؤ جان بچا کر نکل گیا، آپا جی سیندھیا بھی لنگڑا ہو کر وہاں جا پہنچا، ان دوسروں کے سوا کوئی اور نامور سردار نہیں بچا، مرہٹوں کو ایسی شکست کبھی نہیں ہوئی تھی نہ ایسی مصیبت پڑی تھی، اس سے ساری قوم کا دل پر مردہ و افسردہ ہو گیا، اس صدمہ سے بالاجی تھوٹے دنوں کے بعد مر گیا جسے شکست کی خبر سنی تھی، ایک مندر میں بیٹھ کر سنسکرت پڑھانا اختیار کر لیا تھا۔

بقول ایک مؤرخ کے ”مرہٹوں کی طاقت چیم زون میں کافور کی طرح اڑ گئی، ہر جہان تھ سرکار نے لکھا ہے کہ مہاراسٹر میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صفت ماتم نہ بچ گئی ہو، لیڈروں کی پوری نسل ایک ہی محرم میں غائب ہوئی۔“

شاہ صاحب کے نقشہ کے مطابق احمد شاہ ابدالی نے وقت کا یہ ضروری کام انجام دے کر قندھار کی طرف عمان عزیمت ہوڑی، مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:-

”بعد اس فتح کے احمد شاہ پانی پت سے نواح دہلی میں آیا اور چند روز متوقف رہا، ہندوستان کا بادشاہ شاہزادہ عالی گوہر یعنی شاہ عالم کو مقرر کیا، اور بادشاہ سے شجاع الدولہ کے وزیر اور نجیب الدولہ کے امیر الامراء ہونے کی سفارش کی، شاہ عالم اس وقت

دہلی میں نہ تھا، اس لئے اس کے بیٹے جواں بخت کو بادشاہ کا نائب دہلی میں مقرر کیا اور نجیب الدولہ کو دہلی کا منتظم مقرر کیا اور شجاع الدولہ کو خلعت دے کر اودھ اور الہ آباد کے صوبوں پر بھیج دیا اور خود قندھار کو چلا گیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:-

”جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بے حد کوشش کی اور اپنا آدمی بھیجا نجیب نہ آیا تو احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کی والدہ نواب زینت محل سے خط لکھوایا احمد شاہ نے شاہ عالم کو بلانے کی کوشش اس کی تھی کہ وہ انگریزوں کے اثر سے نکل آئے اور دہلی آکر احمد شاہ کی موجودگی میں اپنی طاقت کا استحکام کر لے۔“

خلیق صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”مرہٹوں، جاٹوں، سکھوں کی تحریک میں اتنی وسعت اور ہمہ گیری نہ تھی کہ وہ ہندوستان کی مرکزیت و وحدت کو برقرار رکھ سکنے کی تدبیر سوچتی، شاہ صاحب اپنے مجوزہ نظام میں اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے زمانہ کی مرکزیت اور سلطنت ہند کے اقتدار اعلیٰ کو بحال دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس طرح سے کہ مطلق العنان بادشاہوں کے بجائے انصاف کی حکومت ہو۔“

اگر سلطنت میں تھوڑی سی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں پھر کچھ صدیوں کے لئے قائم کر سکتی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت اس وقت بے روح جسم کی مانند تھی جنگ پانی پت کا اصلی فائدہ فاتحین جنگ پلاسی نے اٹھایا۔

شاہ عالم نے اپنی پست بہتی اور کوتاہ نظری سے یہ زریں موقع کھو دیا اور ساری کوششوں اور خود اپنی والدہ زینت محل کے مشفقانہ خط کے باوجود پورے دس برس کے بعد ۱۷۷۱ء کے آخر میں ۲۵ دسمبر ۱۷۷۱ء کو قلعہ میں داخل ہوا اس کے بعد اس کے اور اس کے جانشینوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ تاریخ میں تفصیل کے ساتھ درج ہے اس کا نقطہ عروج (CLIMAX) ۱۷۷۴ء کا انقلاب سلطنت بلکہ انتراع سلطنت ہے (اگرچہ سلطنت برائے نام تھی) جو انگریزوں کے ہاتھ پیش آیا، جنھوں نے اپنی دانشمندی اور سیاسی ذہانت سے ہندوستان پر تسلط کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

شاہ صاحب کے بعد ان کے صحیح جانشین اور علم و بصیرت اور غیرت و حمیت دینی کے وارث ان کے فرزند ارجمند سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد نامدار کے شروع کئے ہوئے کام کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس کی توسیع و تکمیل کی کوشش کی اور سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اپنی توجہ اس وقت کے سیاسی میدان کے اصل حریف اور حقیقی طاقت (انگریزی اقتدار) کی طرف موڑ دی جس نے اب خطرہ سے بڑھ کر (جس کے دیکھنے کے لئے سیاسی بصیرت درکار ہوتی ہے) واقعہ کی شکل اختیار کر لی تھی جس کے دیکھنے کے لئے بصارت بھی کافی ہوتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے بعد انھیں کے دانش گاہ کے دو تربیت یافتہ صاحب عزیمت داعی و مصلح حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے حضرت شاہ صاحب کے سیاسی نقشہ میں (جو انھوں نے نظری طور پر حجۃ اللہ البالغہ "اورازالۃ الخفا" کے صفحات اور تفہیمات میں پیش کیا تھا) رنگ بھرنے کی کوشش کی اور اس کو خلافت علی منہلج النبوة کی اساس پر قائم کرنے کے لئے اپنی جان کی بازمی لگا دی، انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی

لے اس اجمال کی تفصیل باب یازدہم میں حضرت شاہ عبدالعزیز کے سلسلے میں آئیگی۔

شاہ عبدالعزیز کے بعد انھیں کے دانش گاہ کے دو تربیت یافتہ صاحب عزیمت داعی و مصلح حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے حضرت شاہ صاحب کے سیاسی نقشہ میں (جو انھوں نے نظری طور پر حجۃ اللہ البالغہ "اورازالۃ الخفا" کے صفحات اور تفہیمات میں پیش کیا تھا) رنگ بھرنے کی کوشش کی اور اس کو خلافت علی منہلج النبوة کی اساس پر قائم کرنے کے لئے اپنی جان کی بازمی لگا دی، انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی

تعلیمات اور ان کی دی ہوئی روشنی سے کتنا فائدہ اٹھایا ان کے عرائم کتنے بلند ان کی نگاہ
 کتنی دور بین! ان کا قلب کتنا وسیع اور فراخ تھا، وہ پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کی فوجی
 حکومت کے استئصال و استخصال کی اسی طرح کی فوری مصیبت سے بچانے کے بعد (جس طرح
 شاہ ولی اللہ صاحب نے مرہٹوں اور جاٹوں کے روزمرہ کے قتل غارت گری سے اپنے وقت کے
 ماحول و معاشرہ کو بچانے کی کوشش کی تھی) اور انگریزوں کو جن کو وہ "بیگانگان بے وطن
 و تاجران متاع فروش" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں نکالنے کے بعد ہندوستان کو وہ کس طرح
 آزاد کرانا اور اسلام کے عدل و مساوات کے اصول پر اس کا نظم و نسق قائم کرنا چاہتے تھے
 اس کا اندازہ ان کے مکاتیب سے ہوگا جو انھوں نے سلاطین و قضاہ امراء و اہل اصناف
 حمیت مسلمانوں اور ہوشمند و الیمان ریاست کو لکھے ہیں۔

اس طرح اس سلسلے کے اہل دعوت و عزیمت کو یہ کہنے کا حق ہے کہ

آغشتہ ایم ہر سر خاں سے بخون دل
 قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم



باب دہم

امت کے مختلف طبقات کا احتساب

اور

ان کو دعوت اصلاح و انقلاب

شاہ صاحب کا امتیاز

عام طور پر جن علمائے کبار کا ذوق علمی، تصنیفی اور تحقیقی ہوتا ہے اور ان کو دکاوت، باریک بینی اور دقیقہ رسی سے حصہ وافر عطا ہوتا ہے، وہ عام طور پر مطالعہ کتب، علمی بحث پر تحقیق و تدقیق یا تدریس و تصنیف کے شغل میں ہمہ تن منہمک و مستغرق رہتے ہیں اور معاشرہ کے مختلف طبقات اور عامۃ المسلمین کی کمزوریوں اور بیماریوں سے یا تو بے خبر ہوتے ہیں یا ان کے لئے اس عوامی سطح تک اترنا اور اس علمی نظری بندی سے (جس میں دنیا کی ہر لذت و صلاوت سے بڑھ کر لذت و صلاوت ہوتی ہے) "نزول" و شوار ہوتا ہے۔

علمائے سلف میں اس بارے میں دو شخصیتوں کا واضح طریقہ پر امتیاز کیا جاسکتا ہے ایک حجة الاسلام امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) کا، جنہوں نے اپنی شہرہ آفاق و زند جاوید کتاب احیاء علوم الدین میں اپنے زمانہ کے مسلم معاشرہ اور ملت اسلامیہ کے مختلف طبقات کی بیماریوں اور کمزوریوں کی اس طرح نشاندہی کی ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ

اپنے زمانہ کی عوامی زندگی اور معاشرہ کے مختلف طبقات سے علماء کے حلقہائے درس اور مشائخ کی مجالس ذکر و فکر سے لے کر خلفاء و سلاطین کے درباروں، امراء کے ایوانوں اور رؤسا کے عشرت خانوں تک، اور ان محل سراؤں سے لے کر اہل حرفہ و تاجروں کی دکانوں اور بازاروں کے پر شور ہنگامہ خیز ماحول تک سے واقف ہیں، اور جانتے ہیں کہ نفس شیطانی نے کس کس طرح سے علماء و رؤسا کے مختلف طبقوں اور عوام و خواص کے مختلف حلقوں کو فریب دے رکھا ہے، دینی مفاسد و محتائق کس طرح تبدیل ہو گئے ہیں، اور وہ مقصد اصلی (سعادت اخروی اور رضا الہی) سے کس طرح غافل ہیں۔

یہی حال (اجمال تفصیل اور طرز و اسلوب کے فرق کے ساتھ) علامہ ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کا اپنی مشہور تصنیف تلخیص ابلیس میں ہے، اس کتاب میں انھوں نے اپنے زمانہ کی پوری مسلمان سوسائٹی کا جائزہ لیا ہے، اور مسلمانوں کے ہر طبقہ اور جماعت کو سنت و شریعت کے معیار سے جانچا ہے، اور اس کی کمزوریوں بے اعتدالیوں اور غلطیوں کی نشاندہی کی ہے، اور اس بارے میں کسی طبقہ کی رعایت نہیں کی، علماء و محدثین فقہاء و واعظین، ادباء و شعراء، سلاطین و حکام، عباد و وزراء، صوفیائے اہل دین اور عوام سب کا بے لاگ احتساب کیا، اور ان کے مغالطوں کا پردہ چاک کیا ہے۔

لیکن (جہاں تک تلخیص ابلیس کا تعلق ہے) یہ تنقید و احتساب زیادہ تر "سلبی" اور منفی انداز کا ہے، اس کے ساتھ اصلاح حال کی مفصل و پرزور "مثبت" دعوت نہیں ہے، یا اگر ہے تو مقدار و تاثیر میں اس کے درجہ کی نہیں ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے

لئے تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین ج ۲-۳ یا تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۱۶۶ تا ۱۶۷

۲۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تلخیص ابلیس از ص ۱۱۹ تا ۳۹۴ یا تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۲۳۲ تا ۲۳۹

موضوع کے دائرہ میں اس سے زیادہ گنجائش نہیں تھی۔

مختلف طبقات امت سے خصوصی خطاب

ان دو شہرہ آفاق علماء و داعیان دین و معلمین اخلاق کے بعد (جو اپنے اصلاحی و تربیتی مقام کے ساتھ عظیم المرتبت عالم و مصنف بھی تھے) ہمیں (اپنے محدود مطالعہ میں) اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کا کارنامہ سب سے زیادہ روشن اور تابناک نظر آتا ہے، انھوں نے سلاطین اسلام، امراء و ارکان دولت، فوجی سپاہیوں، اہل صنعت و حرفت، مشائخ کی اولاد (پیرزادوں)، غلط کار علماء، منتقشت اور خوردہ گیر و اعظموں اور تارک الدنیا و عزلت گزین زاہدوں کو علیحدہ علیحدہ خطاب کیا ہے، ان کی کھتی ہوئی رگوں پر ہنگلی رکھی ہے، اور ان کی اصلی بیماریوں اور خود فریبیوں کی نشاندہی کی ہے، ان سب کے علاوہ امت اسلامیہ سے عمومی اور جامع خطاب فرمایا ہے، اور ان کے امراض کی تشخیص کی ہے، اور ان کا علاج بتایا ہے، ان خصوصی خطابات میں شاہ صاحب کے دل کا درد، اسلامی حمیت کا جوش، دعوت کا جذبہ اور زور قلم اس نقطہ عروج پر ہے جس کی مثال سابق الذکر مصلحین و ناقدین اور ان کی مذکورہ بالا کتابوں میں ملنی مشکل ہے، شاہ صاحب کی مشہور کتاب ”التفهيمات الالهية“ (جلد ۱-۲) سے یہاں پر مختلف اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن میں آپ نے اپنے زمانہ کے مختلف ممتاز اور صاحب اثر طبقوں کے سربراہوں سے خطاب کیا ہے، ان خصوصی خطابات سے شاہ صاحب کی زرف نگاہی

۱۔ یہ کتاب مجلس علمی ڈابھیل سورت کی طرف سے ۱۳۵۹ھ سے ۱۳۶۱ھ میں مدینہ پر پیچیدہ سے دو جلدوں میں شائع ہوئی

۲۔ شاہ صاحب کی اصل عبارت عربی میں ہے، اس کا ترجمہ خود پیش کرنے کے بجائے ہم نے فاضل گرامی (باقی صفحہ ۳۲۶ پر)

حکمت دعوت، اخلاقی جرأت اور واقفیتِ عامہ و خاصہ کا ایسا اظہار ہوتا ہے جس کو دیکھ کر تاریخ کا ایک ایسا طالب علم جو اس عہد و معاشرہ کی زبوں حالی، اہل علم و اہل قلم کی مصلحت اندیشی اور داعیوں و مصلحوں کی اصلاح حال سے مایوسی کی کیفیت سے واقف ہے، انگشت بندہ رہ جاتا ہے اور بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔ ع

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی؟

سلاطین اسلام سے خطاب

”اے بادشاہو! اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک کہ تم مشرک یا لکھنوی نہ ہو جائے اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جا کر شامل نہ ہو جائیں اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کی بدولت وہ آئندہ سراٹھا سکیں فَاقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ يُكَلِّمُ الَّذِينَ كَفَرُوا“ (یعنی ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہو جائے، اور ”دین“ صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو جائے) پھر جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا کھلا نمایاں امتیاز پیدا ہو جائے، تب تمہیں چاہئے کہ ہر مومن دن

(باقی صفحہ ۳۲۷) مولانا سید مناظر حسن گیلانی کے اس مضمون کے اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کی ہے جو انھوں نے الفرقان کے شاہ ولی اللہ رقمبر کے لئے آغوشِ موج کا ایک دُتر تابندہ کے عنوان سے لکھا تھا، اس مضمون میں تفہیمات کے ان ٹکڑوں کو اردو میں ترجمہ کر کے پیش کیا ہے اور ان پر مختلف عنوانات لگا دیئے ہیں اس طرح شاہ حنا کے مبارک تذکرے کے ساتھ ایک مخلص و تنہم عالم کی یاد بھی تازہ اور زندہ رہے گی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک ایک حاکم مقرر کرو، ایسا حاکم جو عدل و انصاف کا مجسمہ ہو، قوی ہو، جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو، اور خدا کے حدود کو قائم کر سکتا ہو، اور اس میں سرگرم ہو کر پھر لوگوں میں بغاوت و سرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں، نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں، اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی رہے، نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو، اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے، ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے، چاہئے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعہ سے اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح کر سکتا ہو۔

مگر اسی کے ساتھ اس کو اتنی قوت فراہم کرنے کا موقع نہ دیا جائے جس کے بل بوتے پر وہ خود ان سے نفع گیر ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے، اور حکومت کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائے۔

چاہئے کہ اپنے متعلقہ مقبوضات کے بڑے علاقہ اور اقلیم پر ایسے امیر مقرر کئے جائیں جو جنگی مہمات کا بھی اختیار رکھتے ہوں، ایسے امیر کے ساتھ بارہ ہزار کی جمعیت رکھی جائے، مگر جمعیت ایسے آدمیوں سے بھرتی ہو، جن کے دل میں جہاد کا ولولہ ہو، اور خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں، ہر سرکش اور متمرد سے جنگ اور مقابلہ کی ان میں صلاحیت ہو — اے بادشاہو! جب تم یہ کر لو گے تو اس کے بعد ملأ اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہے گی کہ تم لوگوں کی منزلی اور عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو، ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ، اور ایسا کر دو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے، جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو، اسی کے بعد

لوگ امن و امان کی صحیح مسرت سے قائل المرام ہو سکتے ہیں۔

امراء و ارکان دولت سے خطاب

اے امیرو! دیکھو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جا رہے ہو، اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے، ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں بعض بعض کو کھانے اور نکلنے رہیں، کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو تم برا بھی نہیں سمجھتے، تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لئے کھڑے کئے ہیں کہ ان میں زنا کاری کی جائے، اور شرابیں ڈھالی جائیں، جو کھیلنا جائے لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے، اور اس حال کو نہیں بدلتے، کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حد شرعی نہیں جاری ہوئی، جب کوئی کمزور مل جاتا ہے تو اسے پکڑ لیتے ہو، اور جب قوی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو، تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں، کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں کھاتے رہو، اور نرم گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو، اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی طرف منعطف نہیں ہوتی، کیا تم نے اپنے سرکھی اللہ کے سامنے جھکائے؟ خدا کا نام تمہارے پاس صرف اس لئے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمہاری مراد زمانہ کا انقلاب ہے، کیونکہ تم اکثر بولتے ہو خدا قادر ہے کہ ایسا کر دے، یعنی زمانہ کے انقلاب کی تعبیر ہے۔

فوجی سپاہیوں کو خطاب

”اے فوجیو! اور عسکریو! تمہیں خدا نے جہاد کے لئے پیدا فرمایا تھا مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہوگی اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا، اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے، لیکن جس کام کے لئے تم پیدا کئے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے اب جو تم گھوٹے پالتے ہو، ہتھیار جمع کرتے ہو، اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ محض اس سے اپنی دولت میں اضافہ کرو، اس سلسلے میں جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن رہتے ہو۔۔۔۔۔ تم شرابیں پیئے ہو، بھانگ کے پیائے چڑھائے ہو، ڈاڑھیاں منڈواتے ہو اور مونچھیں بڑھاتے ہو، عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ ان کا لے کر کھاتے ہو، اس کی قیمت ان تک نہیں پہنچتی۔۔۔۔۔ خدا کی قسم تم عنقریب اللہ کی طرف واپس جاؤ گے، پھر تمہیں وہ بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے، تمہارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہے کہ اچھے پارسا صاحبین غازیوں کا لباس اور ان کی وضع اختیار کرو چاہئے کہ اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کٹواؤ، پنج وقتہ نماز ادا کیا کرو اور عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو، جنگ اور مقابلہ کے میدان میں ڈٹے رہو، تمہیں چاہئے کہ سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نماز میں جو آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئی ہیں، انہیں سیکھ لو، مثلاً قصر کرنا، جمع کرنا، سنتوں کے ترک کرنے کی اجازت ہے اس سے واقف ہونا، تیمم کی اجازت سے مطلع ہونا، پھر اس کے بعد نماز کو خوب زور سے پکڑ لو، اور اپنی نیتوں کو درست کر لو، اللہ تعالیٰ تمہارے جاہ منصب میں برکت دے گا، اور دشمنوں پر تمہیں فتح عطا فرمائے گا“

اہل صنعت و حرفت سے خطاب

”ارباب پیشہ! دیکھو! امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہو گیا ہے تم اپنے رب کی عبادت سے بالکل خالی الذہن ہو چکے ہو، اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو، تم مدار اور سالار کا حج کرتے ہو، تم میں بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹوٹکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے، یہی ان کی دولت ہے اور یہی ان کا ہنر ہے، یہ لوگ خاص قسم کا لباس اور جامہ اختیار کرتے ہیں، خاص طرح سے کھانے کھاتے ہیں ان میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے وہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے، تم میں بعض صرف شراب خواری کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں، یہ کیسا بد بخت آدمی ہے اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر رہا ہے، حالانکہ حق تعالیٰ نے تمہارے لئے مختلف قسم کے پیشے اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں جو تمہاری اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لئے کافی ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں اختیار کرو، اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ جو تمہیں باسانی اخروی زندگی کے نتائج تک پہنچا دے، لیکن تم نے خدا کی ناشکری کی، اور غلط راہ حصول رزق کی اختیار کی، کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو بڑا بڑا بچھوتا ہے۔

لے شاہ بدیع الدین مدارکنپوری مراد ہیں جو شاہ مدار کے نام سے مشہور ہیں۔ مدار سالار مسعود غازی فین بہرچ

جن کے جھنڈے نکالے جاتے ہیں اور لوگ دور دور سے آکر ان کے عرس میں شریک ہوتے ہیں۔

دیکھو! اپنی صبح و شام کو تم خدا کی یاد میں بسر کیا کرو اور دن کے بڑے حصہ کو اپنے پیشہ میں صرف کرو اور رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ گزارو، اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو، پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی ہسکینوں کی مدد کیا کرو، اور کچھ اپنے اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لئے پسماندہ بھی کیا کرو۔ تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا تو تم غلط راہ پر جا رہے ہو، اور تمہاری تدبیر درست نہیں ہے!

پھر اسی طرح مشائخ کی اولاد، اس زمانہ کے طلبہ علم اور واعظوں زاہدوں کو بھی اپنے خصوصیت کے ساتھ پکارا ہے، مثلاً مشائخ کی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب

”اے وہ لوگو! جو اپنے آبا و اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گذشتہ بزرگان دین کی اولاد میں ہو، میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں، ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بنٹ گئے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈلی میں آلاپ رہا ہے، اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل فرمایا تھا، اور محض اپنے لطف و کرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی، اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے، اور لوگوں کو اسی کی طرف بلا رہا ہے، اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور راہ نما ٹھہرائے ہوئے ہے، حالانکہ دراصل وہ خود گم کردہ راہ

اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لئے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے ملنے وصول کریں، ایک علم شریف کو سیکھ کر دنیا بٹواتے ہیں، کیونکہ جب تک اہل دین کی شکل و شبہات اور طرز و انداز وہ نہ اختیار کریں گے، دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے اللہ و رسول کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں، یہ لوگ بٹ مار اور راہ گیر ہیں، ان کا شمار دجالوں کذابوں قتالوں اور ان لوگوں میں ہے جو خود فتنہ اور آزمائش کے شکار ہیں۔

خبردار! خبردار! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا، جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو، اور اپنی طرف بلاتا ہو، اور چاہے کہ زبانی جمع خرچ صوفیائے کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں نہ کیا جائے کیونکہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے، لوگو، دیکھو! کیا تمہارے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے۔

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ یہ میری راہ ہے سیدھی، تو اس پر چل پڑو
فَاتَّبِعُونِ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ
بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ۔ (الانعام-۱۵۳) تمہیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گے،

پھر اس زمانہ کے طلبہ علم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:-

غلط کار علماء سے خطاب

”اے بد عقلو! جنہوں نے اپنا نام ”علماء“ رکھ چھوڑا ہے، تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو، اور صرف ونحو و معانی میں غرق ہو، اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے، یا سنت ثابتہ قائمہ کا۔ چاہئے کہ قرآن سیکھو، پہلے اس کے غریب لغات کو حل کرو، پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ، اور اس کے مشکلات کو حل کرو، اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے، اسے محفوظ کرو، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، وضوء کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا، اپنی ضرورت کے لئے کس طرح جاتے تھے، اور حج کیونکر ادا فرماتے تھے، جہاد کا آپ کے کیا قاعدہ تھے، گفتگو کا کیا انداز تھا، اپنی زبان کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے، چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو، اور آپ کی سنت پر عمل کرو، مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنتیں اسے سنت ہی سمجھو، نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو، اسی طرح چاہئے کہ جو تم پر فرائض ہیں، انہیں سیکھو، مثلاً وضوء کے ارکان کیا ہیں، نماز کے ارکان کیا ہیں، زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے، قدر واجب کیا ہے، میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو، جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو، اصحابہ اورتابعین کے حالات پڑھو، اور یہ چیزیں فرائض سے فاضل اور زیادہ ہیں، لیکن ان دنوں تم جن چیزوں میں الجھے ہوئے ہو اور

جس میں سرکھپا رہے ہو، اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ؟ دنیا کے علوم ہیں؟
پھر ان ہی طلباء کو فرماتے ہیں:۔

”جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف ونحو وغیرہ)
تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو، نہ کہ خود انہی کو مستقل علم بنا بیٹھو،
علم کا پڑھنا تو اس لئے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی یستوں میں اسلامی
شعائر کو رواج دو لیکن تم نے دینی شعائر اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں
اور لوگوں کو زائد ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔“

تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ علماء کی
بڑی کثرت ہو چکی ہے، حالات کہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں جو علماء
سے خالی ہیں، اور جہاں علماء پائے بھی جاتے ہیں وہاں بھی دینی شعائر
کو غلبہ حاصل نہیں ہے۔“

پھر آپ نے ان لوگوں کو بھی مخاطب کیا ہے، جنہوں نے اپنے وسوسوں کا نام دین
رکھ چھوڑا ہے، اور جو ان کے وسوسے معیار پر پورا نہیں اترتا، گویا دین سے وہ خارج
ہے، اس گروہ میں زیادہ تر زہاد، عباد اور وعاظ ہی اس زمانہ میں مبتلا تھے، اس لئے
عنوان کا آغاز انہیں سے کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:۔

دین میں تنگی پیدا کرنے والے و انحطوطوں اور کنج نشیں زاہدوں سے خطاب

”دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں، اور

واعظوں اور عابدوں اور ان کچھ نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں کہ جب اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمہارا کیا حال ہے ہر بری فعلی بات ہر رطب و یابس پر تمہارا ایمان ہے لوگوں کو تم جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے، حالانکہ تم تو (اے امت محمدیہ) اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاؤ گے نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کر دو گے، تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو، جو بیچارے مغلوب احوال تھے، اور عشق و محبت الہی میں عقل و حواس کھو بیٹھے تھے، حالانکہ اہل عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھ دی جاتی ہیں، نہ کہ ان کا چرچا کیا جانا ہے، تم نے سو اس کو اپنے لئے گوارا کر لیا ہے، اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہئے تھا کہ اعتقاداً و عملاً احسان کے مقام کے لئے جن امور کی ضرورت ہے بس اس کو سیکھ لیتے، لیکن جو بیچارے اپنے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے، خواہ مخواہ ان کی باتوں کو احسانی خالص امور میں گڈ ٹکڑ کرنے کی حاجت نہ تھی، اور نہ ارباب کشف کی چیزوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی، چاہئے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ، پہلے اسے خود سیکھ لو، پھر دوسروں کو دعوت دو، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا ہے، وہی صرف ہدایت ہے، جو آپ کی ہدایت ہے، پھر تم کیا بتا سکتے ہو؟ کہ تم جن افعال کو کرتے ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کیا کرتے تھے؟

آخر میں ایک عام خطاب عام مسلمانوں کے نام ہے جس میں کسی خاص طبقہ کی تخصیص نہیں ہے فرماتے ہیں:-

عام امتِ مسلمہ سے جامع خطاب امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز

”میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں‘ اے آدم کے بچو! دیکھو تمہارے اخلاق سوچکے ہیں، تم پر بیجا حرص و آرزو کا ہوکھا سوار ہو گیا ہے، تم پر شیطان نے قابو پا لیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئیں ہیں اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لئے خوشگوار بنایا ہے اور حلال تمہارے لئے بدمزہ ہو چکا ہے، پھر قسم ہے اللہ کی، اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے، چاہئے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو، خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو، یاد رکھو! ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا، اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو، اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کے حدود تک پہنچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نصیحت اٹھائیں، جیسا کہ یہ بھی اسی کو پسند ہے کہ جو چاہیں وہ اعلیٰ مدارج پر احکام کی پابندی بھی کر سکتے ہیں، اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہئے کہ کھانوں سے کرو اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں، دوسروں کے سینوں کے بوجھ بٹنے کی کوشش نہ کرو کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو،

تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں، اسی طرح بیچاے بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ، تمہارے لئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تمہیں معاش کی بھی راہ بٹھائے گا، جو تمہارے لئے کافی ہوگی۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو، جس میں وہ آرام کرے، اتنا پانی سے وہ سیراب ہو، اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے، ایسی بیوی جو اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر سکتی ہو، اور اس کو رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو، تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے، چاہئے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔

بہر حال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور زندگی بنائے اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے اور اللہ کی یاد کے لئے جو فرصت ہم دست ہو اسے غنیمت شمار کرے، کم از کم تین وقتوں صبح شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور پر خیال رکھے، حق تعالیٰ کی یاد اس کی تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لئے ہیں جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے، تم عاشوراء کے دن جھوٹی باتوں پر اکٹھے ہوتے ہو، اسی طرح شبِ برات میں کھیل کود کرتے ہو، اور مردوں کے لئے کھانے پکاپکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

اسی طرح اور بھی بری بری رسمیں تم میں جاری ہیں جس نے تم پر تمہاری زندگی

تنگ کر دی ہے، مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے، اسی طرح ایک بڑی رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھہرا لیا ہے، یونہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو، ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو، وقت برباد کرتے ہو اور جو صحت بخش روش تھی، اسے چھوڑ بیٹھے ہو۔

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں، تم میں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کمانے میں اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انھیں وقت ہی نہیں ملتا، کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گناتے ہیں، خیر کچھ بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قائم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی نمازیں ضائع نہ ہوتیں، تم نے زکاۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے، حالانکہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے جس کے اقربا و اعزہ میں حاجت مند لوگ نہیں ہوتے، اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں اور ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکاۃ کی نیت کر لیا کریں تو یہ بھی ان کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں، خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں، یعنی جو محنت انھیں برداشت کرنی پڑتی ہے، اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے، تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تم نے راہ غلط کر دی ہے، اور تم حکومت کے سینہ پر بوجھ بن گئے ہو، بادشاہ جب اپنے خزانہ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے، تب رعایا پر زندگی کو دشوار کرتا ہے، سپاہیو! یہ تمہاری کیسی بڑی عادت ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں

جو روزے رکھتے ہیں لیکن سحری نہیں کرتے اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں ہو جاتے ہیں۔
آخر میں فرماتے ہیں:-

”لا اعلیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانہ میں جن جن امور سے متعلق تقاضا ہو رہا ہے اس کا ایک طویل باب ہے لیکن کھڑکی سے آدمی بڑی نیکیوں کو بھانک سکتا ہے اور ڈھیر کے لئے اس کا نمونہ کافی ہے۔“

اصلاح رسوم و تطہیر معاشرہ

شاہ صاحب نے ان خصوصی طبقات سے خصوصی خطاب پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس وقت کے مسلم معاشرہ میں صدیوں سے ہندؤں کے درمیان رہنے، حدیث و سنت کی عدم اشاعت، علمائے دین کی غفلت و کوتاہی اور اسلامی حکومت کی فرض ناشناسی اور دینی احتساب کے فقدان کی وجہ سے جو ہندوانہ رسوم، بدعات اور غیر اسلامی شعائر و واج پا گئے تھے اور مسلمان سختی سے ان کے پابند تھے، ان پر بھی شاہ صاحب نے تکر فرمائی اور ان عقائد فاسدہ، توہمات اور غیر مسلموں کی تقلید کی مذمت کی، عام طور پر وہ علماء، جن کا معقولات و علوم حکمت سے اشتغال تھا، ان عادات و رسوم کو معمولی سمجھکر یا اس کبھیڑے اور مخالفت عوام سے بچنے کے لئے ان کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد جنہوں نے اپنے متعدد مکتوبات میں ان عقائد شرکیہ، شعائر جاہلیت و رسوم فاسدہ کی تردید و مذمت کی ہے، اصلاح رسوم اور اسلامی معاشرہ کی تطہیر کا کام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے ذریعہ

شروع ہوا جس کی تکمیل ان کے فرزند ان گرامی مرتبت اور انھیں کے خاندان کے تربیت یافتہ مصلحین امت، حضرت سید احمد شہید (خلیفہ شاہ عبدالعزیز) حضرت شاہ اسماعیل شہید (نسیرۃ حضرت شاہ ولی اللہ) نے کی ہے۔

یہاں پر تفہیمات اور وصیت نامہ (فارسی) کا ایک ققباس پیش کیا جاتا ہے :-
 ”ہندوؤں کی عادات شیعہ میں سے ایک یہ ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر مرجاتا ہے تو اسے وہ دوسری شادی نہیں کرنے دیتے، عربوں میں یہ عادت بالکل نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کے زمانہ میں، نہ بعد میں، اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرما جو اس شیعہ عادت کو ختم کرے، اور اگر عام لوگوں سے اس کا رواج ختم نہ ہو سکے تو اپنی قوم کے درمیان ہی عربوں کے طریقہ کو رواج دینا چاہئے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس عادت کو قطع سمجھنا اور دل سے اس کا دشمن ہونا چاہئے کہ یہی منکر کا سب سے آخری درجہ ہے۔“

ہماری دوسری بری عادت یہ ہے کہ بہت لمبا مہر باندھتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کہ آپ سے ہمارے دین و دنیا کی عزت وابستہ ہے) اپنے گھر والوں کے مہر (جو بہترین خلائق تھے) ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر فرمائے تھے جس کے پانچ سو درم ہوتے ہیں۔

ہماری ایک دوسری بری عادت اسراف کی ہے کہ خوشی کے موقعوں اور رسموں میں بہت خرچ کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادیوں میں صرف ولیمہ در

لے ملاحظہ ہو صراطِ مستقیم (از افادات حضرت سید احمد شہید، جمع کردہ شاہ اسماعیل شہید) نیز کتاب تیرہ شہید

عقیدہ ثابت ہے، چنانچہ ان دونوں کی پابندی کرنی چاہئے، اور اس کے علاوہ سے
بچنا چاہئے، یا ان کا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہئے۔

ہماری بری عادتوں میں غم کے موقعوں، سیم، چلم، ششماہی، فاتحہ اور سالانہ کے
نام پر بھی اسراف ہے، حالانکہ ان میں سے کسی کا عرب و لیلین میں رواج نہیں تھا،
بہتر یہی ہے کہ میت کے ورثا کی تین دن تعزیت اور ایک شب و روز کے کھانے کے
علاوہ کوئی اور رسم نہ کریں، تین دن کے بعد قبیلہ کی عورتیں جمع ہو کر میت کی عورتوں
کے کپڑوں میں عطر ملیں، اور اگر میت کی زوجہ حیات ہو تو عدت گزارنے کے بعد
سوگ کا سلسلہ ختم کر دیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنے مضمون ”منصب تجدید کی حقیقت“ اور
”تاریخ تجدید میں حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام“ (الفرقان ولی الشہر نمبر) میں ”ازالۃ الخفا“ و ”تفہیمات“
کے اقتباسات کو پیش کرنے کے بعد صحیح لکھا ہے کہ :-

”ان اقتباسات سے ایک دھندلا سا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے
مسلمانوں کے ماضی اور حال کا کس قدر تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور کس قدر جامعیت کے
ساتھ ان پر تنقید کی ہے، اس قسم کی تنقید کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں جتنے
صالح عناصر موجود ہوتے ہیں، جن کے ضمیر و ایمان میں زندگی، جن کے قلب میں بُرے
اور بھلے کی تمیز ہوتی ہے، ان کو حالات کی خرابی کا احساس سخت مضطرب کر دیتا ہے،
ان کی اسلامی حس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اپنے گرد و پیش کی زندگی میں جاہلیت کا ہر اثر
انہیں کھٹکنے لگتا ہے، ان کی قوت امتیاز اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں

اسلام اور جاہلیت کی آمیزشوں کو محسوس کرنے لگتے ہیں اور ان کی قوت ایسانی
 اس قدر بیدار ہو جاتی ہے کہ خاوازا جاہلیت کی ہر کھٹک انھیں اصلاح کے لئے بچپن
 کر دیتی ہے، اس کے بعد مجدد کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تعمیر نو کا
 ایک نقشہ واضح صورت میں پیش کرے تاکہ حالت موجودہ کو جس حالت سے بدلنا
 مطلوب ہے، اس پر وہ اپنی نظر جاسکیں اور اپنی تمام سعی و عمل کو اسی سمت میں
 مرکوز کر دیں، یہ تعمیری کام بھی شاہ صاحب نے اسی خوبی اور جامعیت کے ساتھ
 انجام دیا، جو ان کے تنقیدی کام میں آپ دیکھ چکے ہیں۔



باب یازم

فرزندان گرامی قدر، خلفائے عالی مرتبت نامور معاصر

لائق فرزندان و جانشین

مصلحین امت و مجددین اسلام میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر اللہ تعالیٰ کے جو خصوصی انعامات اور اہل دعوت و عزیمت میں آپ کو جو امتیازات حاصل ہیں، ان میں ایک تاریخی امتیاز اور اللہ تعالیٰ کا آپ کے ساتھ معاملہ خاص یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے فرزند و جانشین عطا فرمائے جو ”نعم الخلف لنعم السلف“ کے صحیح مصداق ہیں اور جنہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے جلائے ہوئے چراغ کو نہ صرف روشن و تاباں رکھا، بلکہ اس سے سیکڑوں چراغ جلائے، پھر ان چراغوں سے وہ چراغ جلتے رہے جن سے اس پورے تختی بر اعظم (ہندوستان) اور ہندوستان کے باہر بھی کتاب و سنت، عقائدِ حقہ، اشاعتِ توحید خالص، ردِ شرک و بدعت، اصلاحِ رسوم، تزکیہ نفس، حصولِ درجہ احسانی، اعلیٰ کلمۃ اللہ و جہاد فی سبیل اللہ، حمیتِ دینی، تاسیس مدارس دینیہ، دین کی صحیح تعلیم کی ترجمانی و تبلیغ کے لئے تصنیف و تالیف اور تراجم قرآن و کتب حدیث و فقہ کا مبارک سلسلہ اس وقت سے لے کر اس وقت تک جاری ہے، اگر ان مبارک اقدامات و مساعی کی تاریخ دیکھی جائے اور خیر و برکت کے ان مراکز اور سلسلوں کے ”شجرہ نسب“ کی تحقیق کی جائے

تو معلوم ہوگا کہ ایک دیئے سے دوسرا دیا جلتا رہا، اور یہ سب چراغ اس چراغ سے روشن ہوئے جو بارہویں صدی ہجری کے وسط میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے آندھیوں کے طوفان میں جلایا تھا، اس وقت بے اختیار فارسی کا یہ شعر زبان پر آتا ہے۔

یک چراغیست در این خانہ کہ از پر تو آں
ہر کجای نگرم انجمنے ساختہ اند

عجیب مماثلت

فرزندان گرامی اور ان کے ذریعہ سے اپنی خصوصی دعوت اور اس سلسلہ کی اشاعت میں (جو ہزار کمالات کے باوجود تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں ایک نادر و نایاب خصوصیت ہے) آپ کو اپنے ہی سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بانی اور شیخ الشیوخ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے عجیب مماثلت ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چار فرزند ان گرامی درجہ کمال کو پہنچے، خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد محصوم، خواجہ محمد یحییٰ، ان میں سے اول الذکر حضرت خواجہ محمد صادق کا ۲۵ سال کی عمر میں ۱۰۲۵ھ میں انتقال ہو گیا، حضرت مجددؒ سے ان کے باپے میں بلند کلمات منقول ہیں، سلسلہ مجددیہ کی اشاعت تین آخر الذکر فرزند ان گرامی کے ذریعہ ہوئی اور حضرت سید آدم بنوریؒ کو مستثنیٰ کر کے (جن کا تعلق حضرت سید کے بچا نسبت کا تھا، اور وہ نسبت الہی قوی اور قبول تھی کہ انھیں کے سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر گئی، اور ان کے خلفائے نامد اور علمائے کبار ہیں) اس سلسلہ عالیہ کی توسیع و تبلیغ اور حضرت مجددؒ کے شروع کئے ہوئے لے ان چار کے علاوہ حضرت مجددؒ کے بقیہ صاحبزادے شیرخوارگی اور صغر سنی میں وفات پا گئے تھے۔

کا تجدید و انقلاب کی تکمیل انھیں تین فرزند ان گرامی قدر کے ذریعہ ہوئی، پھر ان تینوں میں حضرت خواجہ محمد معصوم کو امتیاز خاص حاصل ہے کہ ان کے ذریعہ سے یہ سلسلہ ترکستان عرب اور ترکی تک پہنچا اور کہنے والے نے صحیح کہا کہ ۵

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم

منور از فروغش ہند تا روم

پھر آپ ہی کا محقق ہاتھ اور توجہات باطنی تھیں کہ اکبر کے تخت پر دو پشتوں کے بعد ہی وہ باحمیت، مجاہد و غازی، متشرع اور فقیہ سلطان آیا، جو ماحی دین بننے کے بجائے حامی دین، اور ہادم ملت کے بجائے خادم ملت قرار پایا، جس کو حضرت خواجہ شریع سے اپنے مکتوبات میں ”شہزادہ دین پناہ“ لکھ کر اس کا عظیم کے لئے تیار کر رہے تھے۔

بالکل اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے چار باکمال فرزند چھوڑے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فرزند ان گرامی کا بھی یہی معاملہ ہے کہ ان کے چار صاحبزادوں میں سے شاہ عبدالغنی صاحبؒ کا (جو اپنے بھائیوں میں سب سے صغیر السن تھے) اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے (۱۲۲۴ھ میں) انتقال ہو گیا، شاہ صاحبؒ کی تعلیمات آپ کے علوم و معارف کی

۱۔ شاہ صاحبؒ کی پہلی اہلیہ سے شیخ محمد کے نام سے ایک فرزند تھے، جن کا انتقال شاہ صاحبؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جوانی میں ہو گیا تھا، ان کا ذکر گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے مختصر ترجمہ ”نہجۃ الخواطر“ میں بھی ہے۔
۲۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ انھیں کے فرزند تھے، شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد یہی چار صاحبزادے (شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شاہ رفیع الدین صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ عبدالغنی صاحبؒ) معروف و مشہور ہوئے۔
صاحبزادوں کی ترتیب وفات عکسی ہے سب سے چھوٹے صاحبزادہ شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے پہلے (۱۲۲۴ھ میں) پھر ان سے بڑے شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے (۱۲۳۳ھ میں) پھر شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے (۱۲۳۳ھ میں) پھر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے (۱۲۳۹ھ میں) وفات پائی۔

تبلیغ و اشاعت، مردانِ کار کی تربیت و تکمیل اور تدریس و تصنیف کا وہ طرز خاص جس میں شاہ صاحبؒ کا ذوق، اور اجتہاد و تجدید کا رنگ جھلکتا تھا، انھیں تین صاحبزادوں کے ذریعہ جاری رہا، پھر ان تین میں بھی سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو اپنے بھائیوں میں وہ مقام حاصل ہوا جو حضرت مجددؒ کے صاحبزادوں میں حضرت خواجہ محمد مصومؒ کو حاصل ہوا تھا، اور ان کے ذریعہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سلسلہ، اور آپ کے علوم و تعلیمات کی عالمگیر اشاعت ہوئی، اور بعض شعبوں کی تو اس طرح توسیع و تکمیل ہوئی کہ ادب کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ع۔

اگر پورے نتواند سپر تمام کند

قبل اس کے کہ ہم شاہ صاحبؒ کے شروع کئے ہوئے کاموں کی اس تکمیل، توسیع و ترقی کا ذکر کریں جو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ہاتھوں عمل میں آئی، ہم ان کے مختصر حالاتِ زندگی اور تذکرہ و تعارف پیش کرتے ہیں اس سلسلہ میں ہم مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”نہیمۃ الخواطر“ کی جلد ہفتم سے ان کا تذکرہ نقل کرنے پر اکتفا کریں گے، جو ماقلاً و دل کا مصداق ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

امام العلماء، اس الفضلاء، علامہ محدث شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی، شہین شاہ عبدالرحیم عمری دہلویؒ، خود اپنے زمانہ کے علماء کے سردار اور گزشتہ علماء کے مترجح کے چشم و چراغ، بعض لوگوں نے آپ کو ”سراج الہند“ اور بعض نے ”حجۃ اللہ“ کا خطاب دیا۔ آپ پنجشنبہ کی رات ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے، جیسا کہ آپ کے

تاریخی نام "غلام حلیم" سے معلوم ہوتا ہے آپ نے قرآن شریف کے حفظ سے فراغت پائی اور اپنے والد ماجد سے تعلیم کا سلسلہ متروک کیا، آپ نے ان سے قرأت و سماعت کے ذریعہ پوری تحقیق و درایت اور توجہ سے علم حاصل کیا جس سے آپ کو علوم میں ملکہ راسخہ حاصل ہو گیا، جب آپ ۱۶ سال کے تھے تو آپ کے والد ماجد نے انتقال کیا، اس کے بعد آپ نے شیخ نور الشربھانوی، شیخ محمد امین کشمیری سے استفادہ کیا، آپ کو اجازت علمی شاہ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی سے حاصل ہوئی جو آپ کے والد ماجد کے تربیت یافتہ اور محرم راز تھے، آپ نے ان حضرات سے ان علوم و کمالات میں استفادہ اور ان کی تکمیل کی جو والد صاحب کی وفات سے تشنہ تکمیل تھے، اپنے ایک رسالہ میں آپ نے اپنے والد صاحب اور دوسرے علماء سے اپنے استفادہ کی تفصیل لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتب حدیث میں پوری مؤطا مع مسویٰ اور مشکوٰۃ المصابیح اپنے والد صاحب سے پڑھیں، حصن حصین، اور شمائل ترمذی کی آپ کے درس میں سماعت کی جس کی قرأت آپ کے بھائی شیخ محمد کرتے تھے، صحیح بخاری کتاب الحج تک کی سماعت سید غلام حسین مکی کی قرأت سے کی، جامع الترمذی، سنن ابی داؤد کی سماعت مولوی ظہور اللہ مراد آبادی کی قرأت سے اور مقدمہ صحیح مسلم اور اس کی بعض احادیث اور سنن ابن ماجہ کے کچھ حصوں کی سماعت محمد جواد پھلتی کی قرأت سے، سلسلات اور مقاصد جامع الاصول کے بعض حصوں کی سماعت مولوی جواد اللہ نزیل مکہ کی قرأت اور سنن النسائی کے کچھ حصوں کی سماعت آپ نے اپنے والد ماجد کے حلقہ درس میں کی، صحاح ستہ کے باقی ابواب کی سماعت آپ نے اپنے والد ماجد کے خلفاء سے جیسے شیخ نور اللہ اور خواجہ محمد امین سے کی اور ان کے علاوہ کتابوں کی اجازت عامہ اپنے والد کے خلیفہ ارشد

اور ماموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ محمد امین سے پائی، اور ان دونوں کے لئے آپ کے والد ماجد صاحب کا اجازت نامہ ”تفہیمات الہیہ“ اور ”شفاء العلیل“ میں موجود ہے، ان لوگوں نے آپ کے والد صاحب سے پڑھا ہے، جبکہ شاہ محمد عاشق، آپ کے والد ماجد کی شیخ ابوطاہر مدنی کی خدمت میں قرأت و سماعت اور ان سے اجازت میں شریک بھی تھے، ان کی اسانید ان کی کتاب ”الارشاد فی مہمات الاسناد“ وغیرہ رسائل میں مذکور ہیں۔

آپ طویل القامت، نحیف البدن، گندم گوں، کشادہ چشم تھے، داڑھی گھنی تھی، خط نسخ و رقاع بڑی خوبصورتی کے ساتھ لکھتے تھے، تیر اندازی، شہ سواری اور موسیقی میں بھی مہارت تھی، آپ کے بھائیوں، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالغنی اور آپ کے داماد مولانا عبدالحی بن ہبۃ اللہ ٹیٹھانوی نے درس لیا، مفتی الہی بخش کاندھلوی اور سید قمر الدین سونی پتی آپ سے قرأت و سماعت میں آپ کے بھائیوں کے ساتھ تھے، حضرت شاہ غلام علی مجددی (خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جانا) نے آپ سے صحیح بخاری پڑھی، مولانا سید قطب الہدیٰ بن مولانا محمد واضح رائے بریلوی نے آپ سے صحیح سنہ کا درس لیا۔

آپ کے دوسرے اصحاب آپ کے بھائیوں سے پڑھا ہے اور آپ سے سند لی ہے، آپ کی مجلسوں میں حاضر رہے ہیں، اور آپ کا درس قرآن سنا ہے، اور آپ سے حسب توفیق استفادہ کیا ہے، آپ کے نواسہ شاہ محمد اسحاق بن افضل عمری آپ کے یہاں قاری تھے، جو ہر روز قرآن مجید کے ایک رکوع کی تلاوت کرتے تھے، اور شاہ صاحب اس کی تفسیر فرماتے تھے، یہی آپ کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ کا طریقہ بھی تھا، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

کا آخری درس قرآن آیت "إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ" تک ہوا تھا، جہاں سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنا درس شروع کیا، آپ کا آخری درس "إِنَّ الْكُرْمَ لَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْفَكُمْ" تک ہوا تھا، وہاں سے آپ کے نواسہ شاہ محمد اسحاق صاحب نے اپنا درس شروع کیا جیسا کہ "مقالات طریقت" میں ہے، آپ اپنے علم و فضل، فہم و ذکا، اور سرعت حفظ میں یگانہ روزگار تھے، آپ نے پندرہ سال کی عمر ہی سے درس و افادہ کا سلسلہ شروع کر دیا اور آپ سے بڑے بڑے فضلاء نے استفادہ کیا، اکثر اطراف کے طلبہ آپ کی خدمت میں اس ذوق و شوق سے حاضر ہوئے جیسے پیاسا پانی پر گرتا ہے۔

پچیس سال کی عمر میں آپ کو متعدد اذیت رساں امراض نے گھیر لیا، جن کے سبب آپ مرق، جذام، برص میں مبتلا ہوئے اور بصارت بھی جاتی رہی، بعض واقفان حال نے آپ کے چودہ تکلیف دہ امراض کا ذکر کیا ہے، اس وجہ سے آپ نے اپنی تدریسی ذمہ داری اپنے دونوں بھائیوں شافع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر رضا کے سپرد کر دی، مگر اس کے ساتھ خود بھی درس دیتے تھے، تصنیف و افتاء اور وعظ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، ہر شنبہ کو آپ کا ہفتہ وار وعظ قرآن مجید کی تفسیر پر مشتمل ہوتا تھا، اخیر عمر میں آپ مجلس میں ٹھوڑی دیکھی نہیں بیٹھ سکتے تھے، اس لئے اپنے قدیم و جدید مدرسہ کے درمیان ٹہلتے رہتے اور لوگ بڑی تعداد میں اس حالت میں بھی استفادہ کرتے اور آپ کا درس و افتاء اور وعظ ہوتا رہتا تھا، اسی طرح عصر و مغرب کے درمیان دو آدمیوں کی مدد سے مدرسہ اور جامع مسجد کی درمیانی سڑک پر نکلتے تھے، لوگ راستہ میں آپ کے منتظر رہتے اور اپنی مشکلا حل کراتے۔

انہیں امراض میں عدم اشتہا کا مرض اس حد تک بڑھ گیا کہ کئی کئی دن کسی چیز کے

چکھنے کی بھی نوبت نہ آتی، اور بخار کی طرح اس کی بھی باری آتی تھی، آپ نے ”مناقب حیدریہ“ کی تقریظ میں لکھا ہے :-

”اس تقریظ میں کوتاہی کے لئے میں معذرت خواہ ہوں، جو اعذار اور امراض کے سبب ہوئی جن کی وجہ سے بھوک بالکل ختم ہو گئی ہے اور کھانے کی نوبت باری کے بخار کی طرح آتی ہے، ایسا غالباً پیت کے غلبہ کے سبب ہے، قومی مضحمل ہو گئے، جو اس میں فرق آگیا، اعضاء کمزور پڑ گئے، ہڈیاں اور ڈاڑھیں بھی کمزور ہو گئیں۔ امیر حیدر بن نور الحسنین بلگرامی کو خط میں لکھتے ہیں :-

”اگر آپ اپنے محب کا حال پوچھتے ہیں تو وہ بہت خراب ہے اور صبح و شام اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور اسے ظاہری و باطنی آلام گھیرے ہوئے ہیں، قرار و سکون چھین گیا ہے، اور قلق و اضطراب بڑھ گیا ہے اور یہ سب ایسے امراض کے سبب ہے جن میں سے ایک مرض بھی آدمی کو پریشان اور غمزدہ کرنے کے لئے کافی ہے، جیسے بواسیر، معدہ اور آنتوں میں ریاخ کا رکنا، اس حد تک فقدان اشتہا کہ کئی رات دن کھانا چکھنے کی بھی نوبت نہیں آتی، بخارات جب قلب کی طرف چڑھتے ہیں تو دم گھٹنے کی کیفیت ہو جاتی ہے، یہ جب دماغ کی جانب پہنچتے ہیں تو تکلیف دہ درد سر شروع ہو جاتا ہے، جو ہاؤن دستہ کے ضرب کی طرح محسوس ہوتا ہے۔“

”وَإِلَى اللَّهِ الْمُشْكٰى وَهُوَ الْمُسْتَعٰن“ یہ حالت ایک لفظ بھی بولنے کی اجازت نہیں دیتی، چہ جائیکہ کوئی کتاب الملکرا اسکے یا کوئی پیغام لکھوا سکے۔

آپ کو حیرت ہو گی کہ آپ ان موذی امراض کے وجود بطیف الطبع، حاضر جو خوش گفتار ہے اور تواضع، بشاشت اور مہر و محبت کی یہی ادا قائم رہی جو شروع سے تھی، آپ کی صحبت فرنگ کو

جلال بخشی تھی، ان صحیفوں میں حیرت انگیز خبریں، چیدہ اشعار، دور دراز کے ملکوں، ان کے باشندوں اور وہاں کے عجائبات کا بیان اس طرح ہوتا تھا جس سے سامعین کو محسوس ہوتا تھا کہ آپ اپنے مشاہدات بیان فرما رہے ہیں، حالانکہ آپ نے کلکتہ کے علاوہ کوئی اور شہر نہیں دیکھا تھا، مگر آپ غیر معمولی طور پر ذہین اور متبحر فطرت کے مالک تھے جس کے سبب آپ نے باہر سے دہلی آنے والوں اور معلومات افزا کتابوں سے (جن کے مطالعہ سے مشاہدہ کی کیفیت حاصل ہو سکتی ہے) یہ معلومات اپنے دماغ میں محفوظ کر لئے تھے۔

لوگ آپ سے علمی استفادہ کے لئے حاضر ہوتے، شاعر و ادیب ادبی استفادہ اور اپنا کلام دکھانے کے لئے، اور محتاج و ضرورت مند لوگ امراء سے سفارش کرانے اور آپ کی ممکن مدد حاصل کرنے کے لئے آتے، کیونکہ آپ کے اخلاق کریمانہ کی شہرت عام تھی، اسی طرح مریض دوا علاج کے لئے حاضر ہوتے، اہل جذب سلوک آپ سے روحانی استفادہ کے لئے آپ کے پاس جاتے تھے، پر دیسی علماء و مشائخ کو آپ اپنے یہاں ٹھہراتے اور ان کی حاجت روائی کرتے، اگر آپ کے پاس کوئی مخالف یا ایسا شخص بیٹھتا جسے دینی مسائل میں کچھ اختلاف ہوتا تو آپ اپنی سحر بیانی سے

لے مولوی محمد حسین آزادؒ "آب حیات" میں لکھتے ہیں کہ شاہ نصیر زکریاؒ میں کسی کی فرمائش سے شعر کی ایک غزل کہی تھی جس کی ردیف تھی، آتش و آب و خاک، باد و غل، مشاعرہ میں سنائی اور کہا کہ اس طرح میں جو غزل کہے اسے میں استاد ماننا ہوں، دوسرے مشاعرہ میں استاد ذوقؒ نے (جو شاہ نصیر کے شاگرد تھے) اسی پر غزل پڑھی شاہ صاحب کی طرف سے بجائے خود اس پر اعتراض ہوئے، جسٹن قریب تھا، شیخ عبد الرحمن نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی طرح میں لکھا مگر پہلے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے کہ اس کے صحت و نظم سے آگاہ فرمائیں، انھوں نے سن کر پڑھنے کی اجازت دی مگر وہی عہد بہادر نے اپنے شوق کے ساتھ اسے پھر شاہ صاحب کے پاس بھیجا انھوں نے جو کہا تھا وہی جواب میں لکھ دیا، شیخ مرحوم کا دل اور بھی قوی ہو گیا اور دربار شاہی میں جا کر قصیدہ بنایا، "آب حیات" ۲۵۲-۲۵۳ از مصنف

آگ اور پانی اور متضاد چیزوں میں اتحاد پیدا کر دیتے، اور وہ آپ سے متفق وہم خیال ہو کر جدا ہوتا۔
شیخ محسن بن یحییٰ ثرہستی "الیانع الجنتی" میں لکھتے ہیں:-

”وہ فضل و کمال اور شہرت و مقبولیت کے اس مقام پر فائز تھے کہ اطراف ہند کے لوگ ان سے انتساب بلکہ آپ کے تلامذہ و متبیین سے بھی ادنیٰ نسبت پر فخر کرتے تھے..... آپ کے ان کمالات میں جن میں آپ کا کوئی معاصر آپ کا مقابل نہ تھا، آپ کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی بھی تھی، جس کے سبب آپ بحث میں غالب آتے اور مخاطب کو جواب کر دیتے، انھیں کمالات میں آپ کی قادر الکلامی جن تعبیر و خوبی تحریر بھی تھی جس میں اہل نظر نے آپ کو سب پر فائق تسلیم کیا تھا۔“
آپ کے ایسے ہی کمالات میں آپ کی بے مثل فراست بھی تھی، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تعبیر خواب کی امتیازی صلاحیت عطا کی تھی، آپ خواب کی ایسی تعبیر دیتے جو پوری ہوتی تھی، او آپ کی چشم دید معلوم ہوتی تھی، یہ صلاحیت بڑے پاک نفس انسانوں ہی کے حصہ میں آتی ہے، ان کے علاوہ بھی آپ کے متعدد فضائل و کمالات ہیں، مختصر یہی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں نوع بہ نوع اور گونا گوں فضائل جمع کر دیئے تھے، جو ابنائے دہر میں پھیلے ہوئے تھے، اگر یہ شعر کہنے والا شاعر ان کو دیکھتا تو اس کو صاف معلوم ہوتا کہ اس کا مبالغہ بھی قاصر ہے۔

ولم أرَ أمثال الرجال تفاوتا لدى المجد حتى عُدَّ ألف بواحد

(میں نے انسانوں کی طرح فرق مراتب نہیں دیکھا جس کے سبب ہزار انسان ایک کے برابر شمار ہوتے ہیں۔)

اس صورت میں آپ کے مفاخر و فضائل کا شمار کون کر سکتا ہے؟ شاہ عبدالعزیز حبیب کی سب تصنیفات علماء کے حلقوں میں بالعموم وقعت و قبولیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور ان سے استدلال کیا جاتا ہے، ان کے اسلوب تحریر میں ایسی قوت اور فصاحت و سلاست ہے کہ

کان ان سے حلاوت پاتے ہیں اور دل ان سے لذت یاب ہوتے ہیں، ان کے کلام میں تاثیر و تسخیر کی ایسی قوت ہے کہ اس سے متاثر و متفق نہ ہونا مشکل ہے، آپ کوئی کمزور اور قابل اعتراض تحریر دیکھتے تو بڑی خوش اسلوبی سے اس کی تردید فرماتے تھے، کلامی مسائل میں مذہب شیعہ آپ کا خاص موضوع بحث و تنقید رہا ہے، آپ نے ایسے عالمانہ و متکلمانہ انداز سے اس پر بحث کی ہے کہ اس کا جواب شافی ابھی تک نہیں ہو سکا ہے۔

آپ کی مشہور تصانیف میں یہ کتابیں ہیں:-

تفسیر قرآن ستمی بفتح العزیز، جسے آپ تے شدت مرض اور ضعف کی حالت میں املاء کرایا تھا، یہ کئی بڑی جلدوں میں تھی، جس کا بڑا حصہ ۱۵۷۷ھ کے ہنگامہ میں ضائع ہو گیا، اور صرف شروع اور اخیر کی دو جلدیں بچ گئیں، انھیں میں ”الفتاویٰ فی المسائل المشکلة“ بہت ضخیم تھی، مگر اب اس کا خلاصہ دو جلدوں میں ملتا ہے، انھیں کتابوں میں ”تحفۃ اثنا عشریہ“ (جو مذہب شیعہ کی تنقید و تردید میں ہے) ایک بے مثل کتاب ہے، دوسری کتابوں میں ”بستان المحدثین“ ہے جو کتب حدیث اور محدثین کی تفصیلی فہرست و تذکرہ ہے، جو نامکمل رہی، ”الجمالة النافعة“ اصول حدیث میں ایک فارسی رسالہ ہے، طلبہ حدیث کے حفظ کے لئے بھی ایک رسالہ ہے، ”میزان البلاغة“ علم بلاغت کا ایک بہترین متن ہے، اسی طرح ”میزان الکلام“ علم کلام میں ایک متن ہے، ایک رسالہ ”السرا المجلیل فی مسئلة التفضیل“ ہے، جس میں خلفائے راشدینؓ کے فرق مراتب پر گفتگو ہے، ایک رسالہ ”سیر الشہادین“ جو شہادت

لے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا پایہ نقہ حنفی میں بہت بلند تھا، اس میں ان کو رسوخ کامل اور تفقہ کا درجہ حاصل

تھا اور بعض اہل نظر کے نزدیک وہ اس میں حضرت شاہ ولی اللہؒ سے بھی فائق تھے۔ (مصنف)

اس کتاب سے شاہ صاحب کی طبقات محدثین اور کتب حدیث پر وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرات حسینؑ کے بیان میں ایک حدیث رسالہ ہے، ایک رسالہ انساب میں ہے، ایک رسالہ "تعبیر رویا" پر ہے، ان کے علاوہ اور بھی رسائل ہیں، منطق و حکمت کی کتابوں میں "میرزاہد رسالہ"، "میرزاہد تاجران" "میرزاہد شرح مواقف" پر آپ کے حاشیے ہیں، "حاشیہ ملا کو سج" پر "عزیزیہ" کے نام سے آپ کا حاشیہ ہے، صدر شیرازی کی "شرح ہدایۃ المحکمۃ" پر بھی آپ کا حاشیہ ہے، "ارجوزہ الصمعی" کی شرح بھی لکھی ہے، علماء و ادباء کے نام آپ کے بہت سے خطوط بھی ہیں، اپنے والد ماجد کے قصائد بائیر و ہمزہ کی نفیس تفسیر بھی کی ہے، نظم و نثر، قوت تحریر، حسن انشاء، خوبی تعبیر میں آپ اپنی مثال تھے، آپ کی تحریریں برستگی، ویدہہ گوئی، قلم کی روانی اور زور و نویسی کی اچھی مثال ہیں۔ نماز فجر کے بعد مکینہ، شوال ۱۲۳۹ھ کو انہی سال کی عمر میں انتقال فرمایا، آپ کی قبر دہلی میں شہر کے باہر آپ کے والد ماجد کے قریب ہے۔

شاہ صاحب کے علمی و تفسیری کام

شاہ صاحب کے تجدیدی کارنامہ کو ہم پانچ شعبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

- ۱۔ قرآن مجید کی ترجمانی، مسلمانوں میں اس کی تعلیمات و مضامین کی اشاعت عام، اس کے ذریعہ سے عقائد کی اصلاح اور دین خالص سے عوام کے براہ راست ربط و تعلق کی سعی جیل۔

۱۔ شاہ صاحب کا عربی کلام بالخصوص ان کا قصیدہ لایمہ (جو ان کے ترجمہ میں "نہتہ الخواطر" میں منقول ہے)

عربیت کا اعلیٰ نمونہ ہے اور اس میں وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے عربی کلام سے بھی فائق معلوم ہوتا ہے،

اہل زبان کی سب سے عربیت ان کے بعد ان کے تلمیذ رشید مفتی صدر الدین خان صاحب کے عربی کلام میں نظر آتی ہے، ملاحظہ ہو

وہ ابیات جو نمونہ کلام کے طور پر "الثقافة الاسلامیة فی الهند" اور "نہتہ الخواطر" میں مفتی صاحب کے تذکرہ

میں منقول ہیں۔ (مصنف) ۵۲ "نہتہ الخواطر" ج ۱، ۲۶۵-۲۶۶ باختصار خفیف۔

- ۲۔ حدیث کی نشر و اشاعت اس کے درس و اجازت کے سلسلہ کا اجراء اس کے حلقہائے درس کا اجراء اور اساتذہ حدیث اور شارحین کتب حدیث کی تربیت۔
- ۳۔ فتنہ رفض و تشیع کا مقابلہ صحابہ کرامؓ اور قرآن عظیم کو مجروح و مشکوک بنانے والی کوششوں اور سازشوں کا سدباب۔
- ۴۔ جہاد فی سبیل اللہ کا اجراء اور ہندوستان میں اسلامی اقتدار اور مسلمانوں کی آزادی کے لئے بڑے خطرے اور چیلنج کا مقابلہ۔
- ۵۔ ان مردان کار کی تربیت جو حالات اور وقت کے تقاضوں اور دین کے حقیقی مطالبوں کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام انجام دیں۔

اشاعت و تبلیغ قرآن

جہاں تک عوام تک قرآن مجید کے پہونچانے اور اس کے ذریعہ سے عقائد باطلہ اور رسوم فاسدہ کی اصلاح اور ربط مع اللہ کی کوشش کا تعلق ہے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اس سلسلہ میں اپنے والد بزرگوار کے کام کو بہت ترقی دی اور اس میں بڑی عمومیت اور وسعت پیدا کر دی، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا درس قرآن سورہ نساء کی آیت ”اعد لواھو اقرب للتقویٰ“ تک پہونچا تھا کہ آپ کی وفات ہو گئی، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے یہیں سے درس شروع کیا، سورہ حجرات کی آیت ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ تک پہونچے تھے کہ یہ سلسلہ بھی آپ کے سلسلہ حیات کے ساتھ ختم ہوا، آپ کی وفات کے بعد آپ کے نواسہ (جو کلیۃً آپ ہی کے تربیت یافتہ اور آپ کے صحیح جانشین تھے) شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے درس شروع کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صلی اللہ علیہ وسلم کا درس قرآن ہر ہفتہ شنبہ جمعہ روز ہوتا تھا جس میں خواص بطریق خاص اور عوام بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے اس درس میں آپ کی طبیعت اپنے پورے ہوش پر ہوتی تھی اور مضامین کی آمیزش رواں کی طرح، اس درس دار السلطنت دہلی میں (جو علماء و فضلاء کا بھی مرکز تھا) قرآن مجید کا ذوق عام ہوا، اصلاح عقائد کی ایک طاقتور رو چلی اور ترجمہ قرآن اور درس تفسیر کا وہ مبارک سلسلہ شروع ہوا جو اس وقت تک اس برصغیر میں جاری ہے اور جس سے لاکھوں انسانوں کی اصلاح ہوئی اور ان کے دل دماغ حلاوت توحید اور لذت قرآن سے آتشا ہوئے خود مدارس عربیہ میرا سی درس کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء کے اثر سے متن قرآن کے درس افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع ہوا جس کو نصاب درس میں مختصر تفسیر کی شکل میں تبرکاً جگہ دی گئی تھی اور علماء دنیا کا پھیلا یا ہوا یہم ٹوٹا کہ قرآن مجید کی اشاعت عوام میں بڑے دینی خطرات، بلکہ ضلالت کا پیش خمیہ ہے اس میں یہ مخفی اندیشہ کام کر رہا تھا کہ عوام ان پیشہ ور علماء کے ہاتھ سے نکل جائیں گے جنھوں نے قرآن کو چیتان بنا رکھا تھا، اور عوام کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی۔

حضرت شاہ صاحب کا دوسرا علمی و اصلاحی کارنامہ "تفسیر فتح العزیز" کی شکل میں ہے جسے "تفسیر عزیزی" اور "تبان التفسیر" کا نام بھی دیا گیا ہے یہ شاہ صاحب کی باقاعدہ املا کی ہوئی مستقل تصنیف ہے خود شاہ صاحب کی تصریح کے مطابق وہ سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ، پھر سورۃ الملک آخر قرآن تک ہے، لیکن سورۃ بقرہ مکمل نہیں ہو سکی (جس کے اسباب معلوم نہیں ہو سکے) صرف ربع پارہ دوم کے قریب تک آیت "اِنَّ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ" تک طبع ہو سکی اصل فارسی تفسیر کے

۱۔ ملاحظہ ہو ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صلی اللہ علیہ وسلم قدیم درس میں جلالین کمال اور بیضاوی شریف (سورۃ بقرہ) ہوتی تھی پورے متن قرآن کے ترجمہ و تفسیر کا رواج نہ تھا۔

۲۔ مقدمہ تفسیر "فتح العزیز" از حضرت شاہ عبدالعزیز صلی اللہ علیہ وسلم، مقدمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تصنیف کا سلسلہ برادر بزرگ مولانا محمد بن شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریک و تقاضے سے شنبہ میں شروع کیا گیا۔

متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، کتاب تین جلدوں میں ہے، پہلی جلد سورہ فاتحہ سے لے کر پارہ دوم کے ربیع کے قریب تک ہے، دوسری جلد سورہ الملک (۲۹ سوئس پارے) سے لے کر آخر سورہ المراتل تک ہے تیسری جلد سورہ "عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ" (سورہ نباء) سے شروع ہو کر آخر قرآن مجید یعنی سورہ الناس کے ختم تک ہے۔

شاہ صاحب کے بعد ان کے شاگرد رشید علامہ حیدر علی فیض آبادی (م ۱۲۹۹ھ) صاحب "منتہی الکلام" نے اس کا تکرار لکھا، صاحب "مقالات طریقت" لکھتے ہیں کہ: "مولوی حیدر علی صاحب "منتہی الکلام" نے حسب خواہش سکندر بیگم والی بھوپال تفسیر فتح العزیز کا تکرار سائیس جلدوں میں کیا راقم نے دیکھا ہے۔" یہ تکرار صرف پانچویں پارہ کے اختتام تک کتب خانہ ندوۃ العلماء میں محفوظ ملتا ہے ابتدا کے ایک دو ورق نہیں ہیں۔

ایک کتاب (اردو میں) "تفسیر عزیزی" المعروف بو عظیم عزیزی کے نام سے مطبع انصاری دہلی کی چھپی ہوئی بھی ملتی ہے جس میں اس کے مرتب ابو الفریح محمد امام الدین صفا کی تصریح کے مطابق شاہ صفا کا درس قرآن و حدیث (جو ہر شنبہ اور جمعہ کو ہوتا تھا) قلمبند کر کے پیش کیا گیا ہے یہ ۱۲۵۹ھ کی تالیف ہے اور سورۃ المؤمنون سے سورۃ الصافات تک ہے۔

لیکن اس عدم تکمیل کے باوجود اس تفسیر میں بہت سے ایسے نکات و تحقیقات ہیں جو بہت سی مشہور تفاسیر میں نہیں ملتے، شاہ صفا کے درس تفسیر اور آپ کی کتاب تفسیر فتح العزیز میں ان مسائل پر خاص طور پر تحقیق کا کلام کیا گیا ہے جن کے بارے میں اس وقت کے علماء نے تحقیق و تصانیف سے کیا نہیں کیا تھا، اور اس کی وجہ سے عوام کی ایک بڑی تعداد فساد عقیدہ اور شرکانہ اعمال تک میں گرفتار تھی مثلاً آیت "وَمَا أَهْلٌ بِمِ الْغَيْبِ احْتِلَ" کی تفسیر جو اس کتاب کے خصوصی مقامات میں ہے اسی طرح سحر کی بحث (وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ اَنَّهُمْ كَذِبٌ) کے ذیل میں

اور بعض دوسری آیات کے سلسلہ میں تحقیقات نادرہ اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہیں۔

حدیث کی تدریس و ترویج

جہاں تک رس حدیث اور اس کی ترویج و اشاعت کا تعلق ہے ہندوستان کی علمی و دینی تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے آپ کے درس حدیث کی مدت تقریباً چونتیس سال کی ہے اس تدریس آپ نے نہ صرف صحاح کا درس دیا اور بہتان المحدثین العجالة النافۃ جیسی مفید کتابیں تصنیف کیں جو حدیث کا صحیح ذوق طبقاً حدیث و اقیقت اور محدثین کا مرتبہ شناس بنانا اور اصولی سے ڈالنا اور تدریس سیکڑوں صفحات کا عطر اگیلے آپ نے حدیث کے ایسے اساتذہ کا علم اور مہارثرین پیدا کئے جنہوں نے ہندوستان ہی میں نہیں حجاز میں بھی درس حدیث کا فیض عطا کیا اور ایک نام کر سنیں کہ آپ کے ان باکمال تلامذہ کی تعداد جن کے تراجم صر "نزہۃ النواظر" کی جلد ہفتم میں موجود ہیں چوبیس سے اوپر ہے ان میں وہ حضرات جن سے حدیث کے درک حلقے قائم ہوئے اور انھوں نے حدیث کے دوسرے شیوخ و اساتذہ سے اپنے حسب ذیل میں :-

مولانا شاہ محمد اسحق دہلوی مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی مفتی الہی بخش کاندھلوی مولانا سید
اولاد حسن قنوجی مرزا حسن علی شافعی لکھنوی مولانا حسین احمد بیچ آبادی شہید مولانا حیدر علی ٹونکی مولانا
خرم علی بلہوری مفتی صدر الدین دہلوی مولانا مفتی علی کبیر چلی شہری مولانا سید قطب لہری حنفی رائے دہلوی۔
ان کے علاوہ جن لوگوں نے آپ سے حدیث کی سند لی ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ
اس کا استقصاء مشکل ہے یہاں ان چند حضرات کے نام لکھے جاتے ہیں جو اپنے بعض دوسرے
کمالات یا سلسلہ طریقت یا شہرت کے لحاظ سے امتیاز خاص رکھتے ہیں :-

حضرت شاہ غلام علی دہلوی (خلیفہ اعظم حضرت مرزا مظہر جان جانا)

حضرت شاہ ابوسعید دہلوی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب)

حضرت شاہ احمد سعید دہلوی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب)

حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی (خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی)
 مولانا بزرگ علی مارہروی (استاد مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی)
 شاہ بشارت الشہراٹھی (مجددی سلسلہ کے ایک بڑے شیخ)
 شاہ پناہ عطا سلونوی (سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ایک بڑے شیخ جن کو مکاتبہ اہجاز حاصل تھی)
 شیخ ظہور الحق پھلواری۔

ان تلامذہ حدیث اور تربیت یافتہ شیوخ میں حدیث کی سب سے بڑی اشاعت حضرت
 شاہ محمد اسحاق صاحب کے ذریعہ ہوئی، جنہوں نے ۱۲۵۸ھ میں مکہ معظمہ ہجرت کی اور ان سے
 حجاز کے ممتاز ترین علماء نے حدیث کی سند لی۔

آپ کے تلامذہ میں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی معروف بہ میاں صاحب اقلیہ
 عبدالرحمن صاحب، پانی پتی، مولانا سید عالم علی مراد آبادی، مولانا مفتی عبدالقیوم ابن مولانا
 عبدالحی بڑھانوی (خلیفہ اجل حضرت سید احمد شہید) حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی،
 نواب قطب الدین دہلوی (مصنف مظاہر حق) مولانا احمد علی سہارنپوری (محدثی و ناسخہ
 صحیح بخاری) مفتی عنایت احمد کاکوروی (اساتذہ العلماء مولانا لطف اللہ ضاعلی گڑھی)
 اور بہت سے علماء ہیں جن کی فہرست طویل ہے، بقول صاحب ”نزہۃ الخواطر“ ہندوستان
 میں یہی سند حدیث باقی رہی۔

حضرت شاہ محمد اسحق صاحب کے تلامذہ میں تنہا مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی
 (م ۱۳۲۰ھ) نے دہلی میں ساہا سال حدیث کا درس دیا اور آپ کے درس سے متعدد جلیل القدر
 نامتربین و شارحین حدیث پیدا ہوئے، جن میں مولانا عبدالمنان وزیر آبادی (جن کے کثیر التعداد
 تلامذہ پنجاب میں مصروف درس و افادہ تھے) عارف باللہ سید عبداللہ غزنوی امرتسری اور ان کے

فرزند جلیل مولانا سید عبد الجبار غزنوی امرتسری (والد مولانا سید داؤد غزنوی) مولانا شمس الحق ڈیالوی مصنف غایۃ المقصود، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا غلام رسول قلعوی، مولانا محمد بشیر سہوانی، مولانا امیر احمد سہوانی، مولانا حافظ عبد الشکر غازی پوری ابو محمد مولانا ابراہیم آروی صاحب طریق النجاة، مولانا سید امیر علی بیچ آبادی، مولانا عبد الرحمن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاعدی، (اور علماء عرب میں سے) شیخ عبد الشکر الدیراکنی السنوسی، شیخ محمد بن ناصر النجدی، شیخ سعد بن احمد بن عتیق النجدی، کے نام اس درس کی وسعت و افادیت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

حضرت شاہ محمد اسحق صاحب کے تلامذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مہاجر دہلی (م ۱۲۹۶ھ) بھی شامل ہیں، جن سے ہندوستان کے کبار علماء و اساتذہ حدیث کو شرف تلمذ حاصل ہے، اور ان کے ذریعہ سارا ہندوستان حدیث کے نور سے منور اور معمور ہو گیا، اور اس وقت کے سارے حلقہائے درس اور مدارس عربیہ انھیں سے شرف انتساب رکھتے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) ان کے نامور تلامذہ میں سے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے تلامذہ کبار میں مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ صاحب بذل المجهود کا نام لینا کافی ہے، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے تلامذہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مصنف اوجز المسالک وغیرہ کا نام لینا کافی ہے، مولانا محمد قاسم صاحب کے تلامذہ میں مولانا بید احمدن امروہی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور ان کے تلامذہ میں مولانا سید انور شاہ کشمیری اور مولانا سید حسین احمد مدنی کا نام اور کام محتاج تعارف نہیں، شاہ صاحب

کے علو اسناد، عموم فیض اور بلند مرتبہ کے لئے ان کے شاگرد رشید مولانا محسن بن یحییٰ ترمہتی کی مشہور کتاب ”ایمانع الحنبی فی أساسید الشیخ عبد الغنی“ کا مطالعہ معلوٰت افزا و بصیرت افروز ہے۔

نصرت سنت و ردّ شیعہ

جہاں تک فتنہ رض و تشیع کے مقابلہ اور اس کے اثر سے اہل سنت کو محفوظ رکھنے کے کا نامہ کا تعلق ہے، اور جس کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی بے نظیر کتاب ”ازالۃ الخفاء“ سے کی تھی، اس کی تکمیل اور تقویت حضرت شاہ عبد العزیز نے اپنی نادرہ روزگار تصنیف ”تحفۃ اثنا عشریہ“ سے کی، جو ان کتابوں میں ہے، جن کو ————— ”نایخ ساز کہا جاسکتا ہے، اور جس طرح ملاحبت اللہ بہاری کی تصانیف ”سلم العلوم“ اور ”سلم الثبوت“ نے تقریباً سو برس تک علمائے ہند کو اپنی شرح و تحشیہ میں مشغول رکھا، اور ان کی بہترین ذہانتوں اور توانائیوں کو مرکوز کر لیا، اسی طرح اس کتاب کے جواب نے ممتاز ترین شیعہ علماء کو تصنیف و تالیف میں مشغول کر دیا، تنہا عبقات جس کا پورا نام ”عبقات الانوار فی امامۃ الأئمۃ الأطہار“ ہے، اور جس کے مصنف مولوی سید حامد حسین صنا کفتوری (م ۱۳۰۶ھ) ہیں، آٹھ جلدوں میں لکھی گئی،

۱۔ مولانا حکیم سید علی صاحب کی کتاب ”الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند“ مطبوعہ مجمع اللغة العربیۃ دمشق اور اس کے اردو ترجمہ ”اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں“ مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ سے ان شروح و حواشی کی حیرت خیز تعداد معلوم ہو سکتی ہے، جو ان دونوں کتابوں بالخصوص سلم کی شرح میں لکھی گئیں۔ ۲۔ کتاب کے متعدد اجزاء لکھنؤ و لدھیانہ کے مختلف مطابع میں شائع ہوئے ہیں۔

اس کتاب کی ضخامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی جلد اول ۱۲۵۱ صفحات میں، جلد دوم ۹۷۷ صفحات میں، سوم ۶۰۹ صفحات میں، چہارم ۳۹۹ صفحات میں، پنجم ۲۷۵ صفحات میں، ششم کل صفحات ۷۰۲، بقیہ حصص علیٰ ہذا القیاس۔ پوری کتاب ۳۰ حصوں میں ہے، مصنف کے فرزند مولوی سید ناصر حسین صاحب نے کتاب کی تکمیل کی، کتاب نجوم السماء سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سید حامد حسین صاحب کے علاوہ مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اول، حکیم مرزا محمد کمال دہلوی مفتی محمد قلی خاں کنتوری، اور سلطان العلماء سید محمد صاحب نے بھی اس کتاب کی تردید میں اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ضخیم کتابیں تصنیف کیں، یہ سلسلہ مرزا ہادی رسوا لکھنوی پر جا کر ختم ہوا، جو ادب و فلسفہ کے میدان کے آدمی تھے، لیکن انھوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ لینے کی کوشش کی۔

تدریسی مشغولیت و انہماک، درس تفسیر و حدیث، اشاعت کتاب سنت، بیعت ارشاد و تربیت مریدین، افتاء و فصل خصوصیات کی ہوش ربا مشغولیت میں اور مختلف عوارض و امراض کی موجودگی میں شاہ صاحب کو اس مسئلہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونے کا خیال اور ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی فرصت کیسے ہوئی جس کے لئے بیسیوں کتابوں اور ہزاروں صفحات کا مطالعہ اور ذہنی یکسوئی اور توجہ کمال ضروری تھی؟ اس کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ بارہویں صدی ہجری کے وسط و آخر (اٹھارویں صدی کے نصف آخر کی) ہندوستان بالخصوص شمالی ہند، دہلی اور اس کے اطراف اور اودھ، بہار و بنگال کے مسلم معاشرہ و تمدن کی صورت حال پر گہری نظر نہ ہو، اور اس ذہنی انتشار، دینی تشکیک اور سلمان خاندانوں بالخصوص شرفاء، اہل حکومت اور صاحب اثر طبقہ پر تشیع کے اثرات اور اس کے اقدامی و جارحانہ رویہ سے واقفیت نہ ہو، اس کا اندازہ وہ شخص نہیں کر سکتا، جس نے ہمایوں کے

ایران سے واپس آنے کے بعد سے فرخ سیر اور اس کے بعد تک کے سیاسی و انتظامی انقلابات ایرانی النسل امراء و علماء کے اثر و نفوذ، سید برادران (حسن علی خاں اور حسین علی خاں) کے دربار دہلی پر اثر و رسوخ، پھر دہلی میں نواب نجف علی خاں کے تسلط کی تفصیلات، نیز اودھ میں نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نیشاپوری کے خاندان کی حکومت قائم ہو جانے اور شجاع الدولہ کے بعد سے شیعیت کے اثرات کا جائزہ نہ لیا ہو، اس کا کسی قدر اندازہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس بیان سے ہو سکتا ہے، جو تحفہ کے مقدمہ میں ان کے محتاط قلم سے نکلا ہے، وہ فرماتے ہیں:-

”اس ملک میں جس میں ہم سکونت پذیر ہیں، اور اس زمانہ میں جو ہمارے میں آیا ہے، مذہب اثنا عشری کا رواج اور اس کے شیوع کی نوبت اس حد تک آگئی ہے کہ (سینوں کے) کم گھر ہوں گے جن میں ایک دو شخص اس گھر کے اس مذہب کے پیرو، اور اس عقیدہ کی طرف راغب نہ ہوں، ان میں سے اکثر علم تائین و اخبار سے بے خبر اور اپنے اسلاف کے حالات و اصول سے ناواقف اور غافل نظر آتے ہیں، جب مجالس اور محافل میں اہل سنت و الجماعت کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو کچھ بیانی

لے نواب نجف علی خاں کا دہلی پر مکمل تسلط و اقتدار تھا، اور وہ کھل کر تشیع کے حامی اور اہل سنت کے مخالف تھے ان کی تعدی کے متعدد واقعات مشہور ہیں، جو خواہ کلید صیح نہ ہوں اور ان میں مبالغہ یا تعصب کا کام لیا گیا ہو، مگر ان کی کچھ اصل ضرور ہے، غالباً اس تعدی سے بچنے کے لئے، شاہ صاحب نے تحفہ کی تصنیف کی نسبت اپنے مشہور نام کے بجائے، اپنے تاریخی نام ”غلام حلیم“ کی طرف کی ہے، اور سرورق پر حسب ذیل عبارت ہے۔

”مصنف عالم باعمل فاضل اکمل حافظ غلام حلیم ابن شیخ قطب الدین احمد بن شیخ ابوالفیض دہلوی قدس سرہم کتاب کا جواب لکھنے والوں نے جہاں مصنف کا حوالہ دیا ہے وہاں فاضل عزیز کے لقب سے یاد کیا ہے۔

اور غلط بحث سے کام لیتے ہیں، اس غرض کے لئے حسب اللہ تعالیٰ یہ رسالہ ترتیب دیا گیا تاکہ بحث و مناظرہ کے وقت اس مذہب کے پیروپٹری سے اترنے نہ پائیں اور خود اپنے اصول کے منکر نہ ہوں، اور ان بعض امور میں جو حقیقت پر مبنی ہیں شک و تردد کو راہ نہ دیں۔

شاہ صاحب نے اس کتاب میں ان مناظرانہ اور متکلمانہ کتابوں اور اسلوب کی پیروی نہیں کی، جو کسی مخالف فرقہ کی تردید و ابطال میں لکھی جاتی ہیں، اور ان کی خاص زبانی ہوتی ہے، اولاً اس کتاب میں مذہب تشیع کے پیدا ہونے اور اس کے مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے کا بیان ہے، اسی طرح فرقہ شیعہ کے اسلاف علماء اور ان کی کتابوں کا تعارف ہے، پھر خلافت کی بحث اور مطاعن صحابہؓ اور ان کے جوابات پر اکتفا کرنے کے بجائے اصولی مسائل، الہیات، نبوت، معاد، اور امامت پر مستقل ابواب تحریر کئے گئے ہیں، پھر خلفائے ثلاثہ اور حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور دوسرے صحابہؓ پر شیعوں کی طرف سے جو اعتراضات اور قدح کی گئی ہے، ان کا مفصل جواب ہے، پھر مذہب شیعہ کے خواص، ان کے اوہام و تعصبات پر کلام کیا گیا ہے، اور ان کی غلطیوں اور غلط فہمیوں پر تبصرہ ہے، آخری باب (دوازدہم) تو لاوتبرائت پر مشتمل ہے، جو دس مقدمات پر مبنی ہے، کتاب بڑی تقطیع اور باریک طباعت میں ۴۰۰ صفحات میں آئی ہے۔

دوسری خصوصیت زبان کی صلاوت و سلاست اور برجستگی ہے، جس کا اعتراف ہندوستان اور ایران کے متعدد شیعہ علماء نے بھی کیا ہے، خود نام سے اس طرز فکر اور قصد و ارادہ کا اظہار ہوتا ہے، جو اس کتاب کی تصنیف کا محرک ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں

جو کتابیں لکھی گئیں، ان کے ناموں سے اکثر غضب اشتعال کا اظہار ہوتا ہے اور سیف و سنا کی چمک ظاہر ہوتی ہے مثلاً ایک کتاب کا نام ”صوامم الإلہیات“ ہے ایک کا ”مسام الإسلام“ ایک کا ”سیف ناصری“ ایک کا ”ذوالفقار“۔

اس عہد میں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ اس کتاب کی تصنیف نے جو وقت کی ایک ضرورت تھی، کیا خدمت انجام دی، راقم نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شردانی سابق صدر الصدور امور مذہبی ریاست حیدر آباد سے (جن کا خاندان چھتر شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے خلفاء سے وابستہ رہا ہے) خود سنا کہ اس کتاب کی تصنیف نے شیعیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلہ میں ایک مضبوط پٹھانہ کا کام کیا یہ کتاب شاہ صاحب کی زندگی میں ۱۲۱۵ھ میں طبع ہو کر مشہور ہو گئی تھی، اور اس کے جوابات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، شاہ صاحب کے ایک فاضل شاگرد مولوی اسلمی مدراسی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا، راقم نے یہ ترجمہ شیخ الاسلام عارف حکمت بے کے کتب خانہ واقع باب جبریل مدینہ طیبہ میں دیکھا ہے۔

انگریزی اقتدار کی مخالفت اور مسلمانوں کا ملی تحفظ

جہاں تک ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت اور مسلمانوں کی آزادی کی راہ میں پیش آنے والے خطرے اور چیلنج کے مقابلہ کا تعلق ہے، شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں حالات کے اس حقیقت پسندانہ جائزہ، بیدار مغزی، دور بینی اور شان عزیمت کا نمونہ پیش کیا، جو ایک صاحب بصیرت و فراست عالم دین، داعی و صلح، اور اپنے وقت کے دینی رہنما کے

شایان شان ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ میں وقت کا سب سے بڑا مسئلہ برہمنوں کی تاخت اور ان کی اس فوج کشی و غارت گری کو روکنا تھا، جو ایک روز مرہ کا واقعہ بن گیا تھا، اور جس سے ایک طرف سلطنت مغلیہ بے بس، بے اثر اور ذلیل ہو رہی تھی، دوسری طرف مسلمانوں کی عزت و ناموس محفوظ نہیں رہے اور شہروں کی معمول کے مطابق زندگی باقی نہیں رہی تھی اس وقت اس خطرہ کو دور کرنا، اور اس کو روکنے کے لئے کسی امکانی امداد کو حاصل کرنا ایسا ہی تھا جیسے کسی گھر یا محلہ میں آگ لگنے کے وقت آگ بجھانے والے انجن و دستہ FIRE BRIGADE کو طلب کیا جاتا ہے اور شاہ صاحب کی نظر میں احمد شاہ ابدالی اور اس کی فوج کی یہی حقیقت تھی، اور ان سے یہی شرط ہو گئی تھی کہ اس آگ کو بجھانے کے بعد واپس چلے جائیں گے، شاہ صاحب کی نظر میں سلطنت مغلیہ کو سنبھالنے کا موقعہ دینے کے لئے اور کسی بہتر نظام کو اس کی جگہ لینے کے لئے (اگر اس کے بغیر چارہ نہیں ہے) ایک عارضی انتظام اور تدبیر کے درجہ کی چیز تھی جو اس وقت کے مغل تاجدار شاہ عالم کی دُور ہمتی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکی، اس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان کی زمام اقتدار سنبھالنے، پھر اس وسیع ملک پر سٹ سمندر پار کی ایک ملک کی حکومت قائم ہو جانے کے وہ آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے، جو شاہ صاحب کی توجہ کو پورے طور پر اس پر مرکوز کر دیتے۔

لیکن شاہ صاحب کی وفات کے بعد ہندوستان کے حالات تیزی سے بدلے ۱۷۶۵ء میں (شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات کے تین سال بعد) بنگال، بہار، اڑیسہ تینوں صوبوں کی دیوانی بلا شرکت غیرے بطور التمنا (النعامی یا عطا شدہ جاگیر کی منہا) سرکار کمپنی کو دی جا چکی تھی، سرکار بنارس اور غازی پور بطور جاگیر کمپنی کو مل چکے تھے، اب

خاندان تیموریہ کے بادشاہ شاہ عالم کے پاس ملک میں صرف ایک صوبہ آباد تھا، اور آمدنی میں وہ روپیہ تھا جو انگریز اس کو دیتے تھے، ۸ مارچ ۱۷۸۷ء (۱۲۰۲ھ) میں کلکتہ گزٹ میں شہر کیا گیا کہ "مسلمانوں کی سلطنت تو نہایت حقیر و ذلیل ہو گئی ہے، ہندوؤں سے ہم کو کچھ خوف نہیں ہے" ۱۷۸۷ء میں انگریزوں نے پلاسی کے میدان میں سرارج الدولہ کو اور ۲۳ اکتوبر ۱۷۸۷ء (۱۷۸۸ھ) میں بکسر کے میدان میں شجاع الدولہ کو شکست دی، ۱۷۹۹ء (۱۲۱۴ھ) میں سلطان شہید سلطان ٹیپو نے سرنگاپٹن کے میدان میں شہادت حاصل کی، اور گویا ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کی قسمت پر مہر لگ گئی، سلطان شہید کی نعش دیکھ کر جنرل ہارس HARRIS نے بجا طور پر کہا کہ آج ہندوستان ہمارا ہے!

شاہ عبدالعزیز صاحب نے جو دہلی میں مصروف درس و افادہ تھے، لیکن ان کی حقیقت بین نگاہ سالے ہندوستان پر تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی طور پر حقیقت پسند ذہن اور صاحب حمیت و عزیمت طبیعت عطا فرمائی تھی، اس انقلاب کا پورا جائزہ لیا، اور اس نتیجہ تک پہنچ گئے کہ اس وقت بچے کھچے اسلامی اقتدار اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل کے لئے خطرہ انگریز ہیں، ان کے ایک عربی شعر میں اس حقیقت کی پوری عکاسی ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں کے اثرات کو ہندوستان ہی تک محدود نہیں سمجھتے تھے، ان کو اس سے زیادہ وسیع اور دور رس سمجھ رہے تھے، وہ فرماتے ہیں:-

وانی اری الا فرنج اصحاب تروا لقد افسدوا ما بین دہلی و کابل

(میں فرنگیوں کو جو دولت کے مالک ہیں دیکھتا ہوں کہ انھوں نے دہلی اور

کابل کے درمیان فساد برپا کر رکھا ہے)

ہماری علم میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس وقت ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کی جرئت کی، اور صورت حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہوئے، فقہ و اصول فقہ کی روشنی میں مسئلہ کی ایسی تنقیح کی جس سے ان کی بصیرت کا بھی اظہار ہوتا ہے اور اخلاقی و دینی جرئت کا بھی، فتاویٰ عزیزی جلد اول میں اس سوال کے جواب میں کہ دارالاسلام دارالحرب ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ”دور مختار“ کی ایک طویل عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”اس تہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم اصلاً جاری نہیں ہے، نصرانی حکام

کا حکم بے دغدغہ جاری ہے فقہاء جس کو اجراءے احکام کفر کہتے ہیں، اس سے

مراد یہ ہے کہ ملکہ اری کے معاملہ رعایا کے بند و بست، خراج و باج، اور

اموال تجارت کے عشور کے وصول کرنے، ڈاکوؤں، چوروں کو سزا دینے، فصل

خصوصیات اور جرائم کی تعزیریں کفار بطور خود حاکم و مختار ہوں، اگر بعض اسلامی

احکام جیسے جمعہ اور عیدین، اذان و ذبح یقر سے وہ تعرض نہ کرتے ہوں لیکن

اصل الاصول یہی ہے کہ یہ چیزیں ان کے رحم و کرم پر ہوں، ہم دیکھتے ہیں کہ

وہ مساجد کو بے تکلف منہدم کر دیتے ہیں، کوئی مسلمان یا (غیر مسلم) ذمی ان کی

اجازت کے بغیر اس شہر اور اس کے نواح میں داخل نہیں ہو سکتا، اپنی

منفعت کے لئے وہ باہر سے آنے والوں، مسافروں، اور سوداگروں کو

منع نہیں کرتے لیکن دوسرے ذی وجاہت لوگ مثلاً شجاع الملک،

ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے، اس شہر دہلی

سے کلکتہ تک نصاریٰ کی عملداری پھیلی ہوئی ہے، ہاں دائیں بائیں مثلاً

حیدرآباد، لکھنؤ اور رام پور میں انہوں نے اپنے احکام جاری نہیں کئے ہیں،

کچھ تو اپنے مصارع کی بنا پر اور کچھ ان ریاستوں کے محکام کے ان کی اطاعت
قبول کر لینے کی بنا پر^۱

حضرت شاہ صاحبؒ کے خیالات کا، اور وہ انگریزوں کو جس نظر سے دیکھتے تھے
پورا عکس ان کے جلیل القدر خلیفہ اور تربیت یافتہ داعی و مصلح حضرت سید احمد شہیدؒ
کے خیالات و جذبات میں پایا جاتا ہے جن کی صاف جھلک آپ کے خطوط میں نظر آتی
ہے جو آپ نے اس وقت ہندوستان کے بعض ذی اثر و صاحب حکومت رؤسا، اور
بعض غیر ملکی مسلمان اہل حکومت کو لکھے ہیں، شاہ سلیمان والی پترال کو ایک خط میں
لکھتے ہیں:-

قضرا از مدت چند سال حکومت	تقدیر سے جز سال سے ہندوستان
وسطنت اس ملک بر اس عنوان	کی حکومت و سلطنت کا یہ حال
گردیدہ کہ نصارا انکو بیدہ خصال	ہو گیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکین
و مشرکین بدآل بر اکثر بلاد ہند استیلا	نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر
یافتند و آں دیار را بہ ظلمات ظلم و بیدار	غلبہ حاصل کر لیا ہے، ظلم و بیدار
مشحون ساختند ^۲	مشرع کر دی ہے۔

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ہندو راؤ وزیر گوالیار کو لکھتے ہیں:-

برائے سامی روشن و مبرہن است کہ	جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی
بیگانگان بعید الوطن، ملوک زمین	سمندر پار کے رہنے والے دنیا
وزمن گردیدہ اوتا جران متاع فرو	جہاں کے تاجدار اور یہ سودا

بیہ پایہ سلطنت رسیدہ امارت بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے
 امراء کبار و ریاست رؤسائے عالی ہیں بڑے بڑے اہل حکومت کی
 مقدار برباد نمودہ اند و عزت حکومت اور ان کی عزت و حرمت
 و اعتبار ایشاں بالکل رپودہ۔ کو انھوں نے خاک میں ملا دیا ہے۔

غلام حیدر خاں کے نام لکھتے ہیں جو گوالیار کے ایک فوجی افسر تھے :-

اکثر بلاد ہندوستان بدست ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکوں
 بیگانگان افتادہ و ایشاں ہرجائی کے قبضہ میں چلا گیا ہے اور انھوں نے
 و آئین جو ر و ظلم نہادہ ریاست ہر حکم و زیادتی پر کمر باندھ لی
 رؤسائے ہندوستان برباد رفتہ ہے ہندوستان کے حاکموں کی
 حکومت برباد ہو گئی۔

یہ صاحب کے اس خط سے جو انھوں نے شہزادہ کامران کو لکھا ہے، صفا معلوم
 ہوتا ہے کہ اس جہاد سے آپ کا مقصود اصلی ہندوستان تھا، جو بتدریج انگریزوں کے
 قبضہ میں چلا جا رہا تھا، خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

باز خود ایں جانب مع مجاہدین قندھار اس مہم (سرحد و پنجاب) سے
 بہ سمت بلاد ہندوستان بنا بر فراغت کے بعد یہ خاکسار مع مجاہدین
 ازالہ کفر و طغیان متوجہ خواہد شد صادقین کفر و طغیان کے ازالہ کی
 کہ مقصود اصلی خود ہندوستان نیت سے ملک ہندوستان کی طرف
 است۔ متوجہ ہو گا کہ وہی مقصود اصلی ہے۔

اس کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ سید صاحبؒ ۱۲۲۷ھ میں (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات سے بارہ سال پہلے) امیر خاں کے لشکر میں تشریف لے گئے، جو اس وقت انگریزوں سے برسرِ پیکار تھے، ان کے ساتھ ہندوستان کا بہترین فوجی عنصر مسلمانوں کا گرم و تازہ خون، ہندوستان کی فاتح طاقت کا بچا کھچا سرمایہ، اور وقت کے بہت سے شاہین و شہباز تھے، یہ ہندوستان میں ایک بڑھتی ہوئی آزاد طاقت تھی جس کو وقت کا کوئی مبصر نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اور جس کو با مقصد اور منظم بنا کر انگریزوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کے مقابلہ میں لایا جاسکتا تھا، کہ ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں ایسی حوصلہ مند طاقتوں نے اپنی عددی اور سلاحی کمزوری کے باوجود حالات کا رخ بدل دیا ہے، اس کا کوئی تحریری ثبوت ابھی تک نہیں ملا ہے، کہ حضرت سید صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی صریح ہدایت اور حکم سے نواب امیر خاں کے لشکر میں تشریف لے گئے، لیکن اس کا قرینہ ضرور پایا جاتا ہے کہ یہ اقدام حضرت شاہ صاحبؒ کے ایماء پر یا کم سے کم تائید و پسندیدگی پر ہوا، اس لئے کہ ۱۲۳۳ھ میں جب نواب نے انگریزوں سے مصالحت کر لی اور راجپوتانہ اور مالوہ کے چند متفرق اور غیر اہم چھوٹے پر قناعت کر کے جن کے مجموعہ کا نام ریاست ٹونک تھا، انگریزوں سے جنگ کرنے سے علیحدگی اختیار کر لی، اور سید صاحبؒ نے اب ہاں مزید قیام بے سود سمجھا تو آپ نے علیحدگی کا فیصلہ فرمایا اور ایک خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو لکھا جس کا مضمون تھا:۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہید" حصہ اول۔ امیر خاں مرحوم کو پنڈاروں سے جن کو انگریزی تاریخوں اور ان سے متاثر مؤرخوں کی کتابوں میں ایک راہزن اور تخریبی گروہ کی حیثیت سے یاد کیا گیا ہے، کوئی تعلق نہ تھا، اصلیت صرف اتنی ہے کہ پنڈارے کبھی کبھی ان کی پناہ لے لیتے تھے، اور وہ ان کو فوری خطرہ سے بچا لیتے تھے۔

”خاکسار قدم پوسی کو حاضر ہوتا ہے، یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا“
 نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے، اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔
 اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ سیر شاہ صاحب کے ایاء و مشورہ سے ہوا تھا، اس لئے
 واپسی پر آپ کو اس کی اطلاع دینی ضرور تھی۔

اس طرح شاہ صاحب نے اس خطرہ کے پھیلنے میں جو مسلمانوں اور ہندوستان کو
 دیش تھا، خداداد بصیرت اور مومنانہ فراست سے کام لیا، اور اس کے لئے وہ اپنے زمانہ میں
 جو تدبیر کر سکتے تھے، اس میں کوئی کمی نہیں کی، ان کی یہی بصیرت اور جذبہ ان سے انتساب
 رکھنے والی جماعت مجاہدین (جس کی قیادت حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ صاحب کے
 قابل فخر بھتیجے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کر رہے تھے) میں پورے طور پر کارفرما نظر آتا ہے،
 اور جس کا پورا مظاہرہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا یحییٰ علی صادقپوری، مولانا احمد اللہؒ
 و مولانا عبد اللہ صاحب کی انگریزوں کے خلاف سرحدی جنگوں، اور صادقین صادقپوری کی
 عظیم قربانیوں میں جلوہ فگن ہے جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

پھر یہ جذبہ اس جماعت سے ان علماء اور دینی قائدین کی طرف منتقل ہوا، جنہوں نے
 ۱۸۵۷ء میں اس کے لئے جان کی آخری بازی لگائی، اور جن میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسیؒ،
 مولانا لیاقت علی الہ آبادیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ اور حضرت حافظ ضامن شہیدؒ
 کے نام معروف و مشہور ہیں، اور اس کے بعد ان علماء کی طرف جنہوں نے اس شمع کو روشن
 رکھا اور ۱۹۴۷ء تک اس کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح جاری رکھا۔ ع

لہذا وقائع احمدی (قلمی) صفحہ ۸۵۵ محفوظ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

۲۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ”کاروان ایمان و عزیمت“ از صفحہ ۲۴ تا ۶۱

مردانِ کار کی تربیت

جہاں تک ان مردانِ کار کی تربیت کا تعلق ہے جو حالات اور وقت کے تقاضوں اور دین کے حقیقی مطالبوں کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام انجام دیں اور جہاد کا بیڑہ اٹھائیں یہ تقدیر اور حکمت الہی کی بات ہے کہ اس میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا حصہ اپنے بہت سے شاخ و اسلاف اور بعض ایسے حضرات سے بھی بڑھا ہوا ہے جن کا درجہ ممکن ہے (اور قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سے بڑھا ہوا ہوا شاہ صاحبؒ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایسے متعدد دعائی استعداد اور بلند ہمت و عزیمت رکھنے والے صاحبِ تاثیر نفوس کی تربیت کا کام لیا جنہوں نے ہزاروں سالوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا، اور ایک پوری صدی سنبھال لی، شاہ صاحبؒ کے علم اور زندگی کے دریا کی سطح ساکن تھی، لیکن بقول اقبال ۷

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی
ہنگولوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

حضرت سید احمد شہیدؒ

اس دعوے کے ثبوت کے لئے تنہا ان کے خلیفہ ارشد حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ - ۱۲۴۶ھ) کا نام لینا کافی ہے جنہوں نے اس تختی برِ اعظم میں اس عظیم اسلامی تحریک کی رہنمائی کی جس کی نظیر جامعیت، قوت، تاثیر اور اسلام کی اولین دعوت اور

طریق نبوت سے قربِ مائت میں نہ صرف تیرہویں صدی میں نظر نہیں آتی جو اس کا عہد ہے بلکہ گزشتہ کئی صدیوں میں بھی اس جیسی ایمان آفریں تحریک اور صادقین و مخلصین کی ایسی مربوط و منظم جماعت کا کوئی سراغ نہیں ملتا، وہ عقائد و اعمال کی تصحیح، افراد کی تربیت، وعظ و تبلیغ، اور جہاد و سرفروشی کے وسیع و طویل محاذ پر جس طرح سرگرم عمل رہے اس کا اثر صرف ان کے میدان کارزار اور ان کی محاصرہ نسل تک محدود نہ رہا، بلکہ اس نے آئندہ نسل اپنے بعد آنے والے اہل حق، اصحابِ دعوت اور دین کے علمبرداروں اور خادموں پر گہرے اور دیرپا نقوش چھوڑے، بڑھتے ہوئے انگریزی اقتدار کے مقابلہ ہندوستان اور اس کے پڑوسی مسلم ممالک کی حفاظت اور قیام حکومت اسلامیہ علی منہاج الخلافۃ الراشدہ کی جدوجہد کی ابتدا بھی آپ ہی نے کی اس تحریک اور جدوجہد کی زمام قیادت ہندوستان میں اول اول اسی جماعت کے علماء اور قائدین کے ہاتھ میں رہی ہندوستان کے مختلف حصوں میں دینی کتابوں کی تصنیف و تالیف، اور ترجمہ اور نشر و اشاعت کی جدید تحریک (جس نے اس وسیع و عمیق خلیج کو پر کیا، جو مسلم عوام اور صحیح اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کے درمیان پائی جاتی تھی) انھیں کی کوششوں کی رہنمائی ہے مسلمانوں کی دینی و سیاسی بیداری یا لواسطہ اور بلا واسطہ اسی دعوت و تحریک کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اس تحریک کے اثرات، علم و ادب، فکر اسلامی، اور زبان و اسالیب بیان پر بھی پڑے، اس نے اصلاح معاشرہ، جاہلی رسوم کے ابطال، ہندوانہ اثرات کے ازالہ اور صحیح اسلامی زندگی کی طرف بازگشت کا زبردست کام انجام دیا۔

بید صاحب اور ان کی دعوت و تربیت کے اثرات کی وسعت، قوت اور گہرائی و گیرائی کا اندازہ کرنے کے لئے یہاں پر ہم چند اہل نظر کی تحریروں کے کچھ اقتباسات

پیش کرتے ہیں۔

ہندوستان کے شہرہ آفاق مصنف و مؤرخ نواب سید صدیقی حسن خاں الی بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) جنھوں نے سید صاحب کی تعلیم و تربیت کے اثرات کو خود دیکھا تھا، اور آپ کے دیکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت کا زمانہ پایا تھا، اپنی تصنیف "تقصار جہود الاحرار" میں لکھتے ہیں:-

”خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے، ایک بڑی خلقت اور ایک دنیا آپ کی قلبی و جسمانی توجہ سے درجہ ولایت کو پہنچی، آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سر زمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا، اور کتاب و سنت کی شاہراہ پر ڈال دیا، ابھی تک ان کے وعظ و پند کے برکات جاری و ساری ہیں۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

”خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحب کمال نہا نہیں گیا اور جو فیوض اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہنچے ان کا عشر شیر بھی اس زمانہ کے علماء و مشائخ سے نہیں پہنچا۔“

علامہ عصر استاد الاساتذہ حضرت مولانا جید علی رام پوری ٹونکی (م ۱۲۷۳ھ) تلمیذ

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی ”صیانة الناس“ میں تحریر فرماتے ہیں:-

”ان کی ہدایت کا نور آفتاب کے مثل کمال زور و شور کے ساتھ بلاد و قلوب عباء

میں منور ہوا، ہر ایک طرف سے سعیدان ازلی رخت سفر باندھ کر منزلوں سے

آ کے شرک و بدعات وغیرہ منہیات سے (جن کے حسب عادت زمانہ خوگر ہوئے تھے) توبہ کر کے توحید و سنت کی راہ راست اختیار کرنے لگے اور اکثر ملکوں میں خلفائے راست کردار خباب موصوف نے سیر فرما کر لاکھوں آدمی کو دین محمدی کی راہ راست بتادی جن کو سمجھ تھی اور توفیق الہی نے ان کی دستگیری کی وہ اس راہ پر چلے لے

ہندوستان کے ایک باخبر اور ثقہ عالم دین مولوی عبدالاحد صاحب جنہوں نے اس جماعت قدسیہ کے بہت سے افراد کی زیارت کی تھی اور جن کا زمانہ سید صاحب سے قریب تھا، لکھتے ہیں :-

”حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ تمام روم زمین پر جاری ہے اس سلسلہ میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں۔“

۱۵ ”صیانة الناس عن وسوسة الخناس“ مطبوعہ ۱۲۷۰ھ ص ۲

۱۶ سوانح احمدی اس سلسلہ میں مزید شہادتیں اور حضرت مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۳۶۹ھ) مولانا کرامت علی جوہری (م ۱۲۹۹ھ) کے بیاناً مصنف کے رسالہ تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ میں دیکھے جائیں یہ صحت کے مفصل حالات و کمالات کے لئے مولانا غلام ہول مہر کی کتاب ”سید احمد شہید“ (۲۱-۲۲-۲۳) اور مصنف کی کتاب ”سیر سید احمد شہید“ (۲۱) کا مطالعہ کیا جائے یہ صحت کے خلفاء کے ذریعہ جو عمومی ہدایت اصلاح ہوئی اور جس درجہ کے صحتا تاثیر تھے اس کا کچھ اندازہ ”الذکر الجلی فی کرامات السید محمد علی“ (اردو تصنیف افسر لدراجان بہا خاں ابن نواب محمد خاں عالم خاں بہادر تہو جنگ مطبوعہ ۱۳۰۵ھ مطبع مرغوب کن سکندر آباد) سے ہو سکتا ہے جو سید صاحب کے خلیفہ مولانا سید محمد علی واعظ رامپور کے حالات و کرامات اور مدارس ان سے جو ہدایت و فیض پہونچا اس کے تذکرہ میں ہے۔

اسی عظیم اثنان اصلاحی و تجدیدی کارنامہ کی بناء پر اکثر اصحاب نظر و اہل انصاف آپ کو تیرہویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔

مولانا عبدالحی بڑھانوی اور مولانا محمد اسماعیل شہید

شاہ عبد العزیز صاحب کی تعلیم و تربیت کا دوسرا نمونہ آپ کے دو تلامذہ رشید اور عزیز قریب مولانا عبدالحی بڑھانوی اور مولانا محمد اسماعیل شہید ہیں، حضرت شاہ عبد العزیز خود ان دونوں کی فضیلت علمی اور تبحر کے قائل تھے، آپ نے ایک خط میں ان دونوں کو ”تاج المفسرین فخر المحدثین سرآمد علمائے محققین لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ:-

”دونوں حضرات تفسیر و حدیث، فقہ و اصول و منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، جناب باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہے، اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا، ان دونوں کو علمائے ربانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہو ان کے سامنے پیش کرو۔“

مولانا عبدالحی صاحب کا پایہ اہل علم کے نزدیک علوم رسمیتہ میں بہت بلند تھا، اور تفسیر میں خود شاہ صاحب مولانا کو اپنے تمام تلامذہ پر فضیلت دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ میرا نمونہ ہیں، شیخ الاسلام کا لقب جو اسلام میں خاص خاص علماء کو دیا گیا ہے، شاہ صاحب نے خود مولانا کو ایک خط میں دیا ہے۔

علمی تبحر اور ذہنی کمالات پر بھی جو چیز فوقیت رکھتی ہے، وہ آپ کی لہجہ و اخلاص ہے کہ اس علم و فضل کے ساتھ یہ صاحب کی طرف رجوع ہوئے، جو عمر میں آپ کے کہیں بھی رد وصال

۱۔ مکتوب بنام منشی خیر الدین صاحب (سرحدی عالی خان لکھنؤ) ملاحظہ ہو، سیرت سید احمد شہید، حصہ اول، صفحہ ۲۱۷-۲۱۸

اور علم میں آپ سے تلمذ کا شرف رکھتے تھے، بیعت ہوتے ہی آپ سید صاحب کے رنگ میں رنگ گئے، اور اپنے سائے علم و فضل کو آپ پر اور دعوت و جہاد کے کام پر تصدق، اور قلم و زبان اور خدا کی دی ہوئی ہر قوت و قابلیت کو حق کی اشاعت و نصرت کے لئے وقف کر دیا، اور سفر ہجرت و جہاد ہی میں جان جہاں آفریں کے سپرد کی۔

جہاں تک مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کا تعلق ہے، وہ ان اولو العزم، عالی ہمت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں تھے، جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، وہ مجتہدانہ دماغ کے مالک تھے، اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ ان میں بہت سے علوم کو از سر نو مدون کرنے کی قدرت و صلاحیت تھی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک خط میں ان کو حجة الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، آپ کی تصانیف اور علم میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے طرز کی جھلک نظر آتی ہے، وہی علم کی تازگی، استدلال کی لطافت، نکتہ آفرینی، سلامت و ذوق قرآن و حدیث کا خاص تفقہ اور استحضار اور زور و کلام۔

شاہ صاحب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے علماء اہل درس اور اہل ذکاوت کے اس دائرہ سے باہر قدم نکالا، جو برسوں بلکہ صدیوں سے اس گروہ کے لئے مقرر ہو چکا تھا، اور اصلاح و ارشاد عام اور جہاد و عزیمت کے دائرہ میں نہ صرف قدم رکھا، بلکہ اس میں قیادت کا فرض انجام دیا، ان کی تنہا تصنیف ”تقویۃ الایمان“ سے خلق خدا کو وہ فائدہ پہونچا اور عقائد کی ایسی اصلاح ہوئی کہ شاید کسی حکومت کی منظم کوشش سے ممکن نہ ہوتی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے تھے کہ ”مولوی اسماعیل صاحب کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے، اور ان کے بعد جو نفع ہوا، اس کا تو اندازہ

لے ملاحظہ ہو ”منصب امامت“ ”عہدات“ ”ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریم“

ہو ہی نہیں ہو سکتا۔

عمومی دعوت و اصلاح کے اس عظیم کام کے ساتھ آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنے کو پورے طور پر تیار کیا، سید صاحب کی (جن سے آپ نے بیعت سلوک و بیعت جہاد کی تھی) نہ صرف ہم کالی اور رفاقت کا حق ادا کیا، بلکہ اس کام میں آپ کی حیثیت تحریک کے ایک قائد اور امیر کے وزیر و نائب کی تھی، پھر اسی کام میں اپنی ہستی فدا کر دی اور بالاکوٹ کے معرکہ میں شہادت کا شرف حاصل کیا، اقبال نے ایسے ہی حضرات کے متعلق کہا ہے ۵

تیکہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند کا حق گاہ بشیر و سناں نیز کنند
گاہ باشند کہ تہ خرقہ زرہ می پوشند عاشقاں بندہ حال اندوچنا نیز کنند

مولانا شاہ محمد اسحق صاحب و شاہ محمد یعقوب صاحب

شاہ صاحب کے ذوق خاص درس حدیث، اجازت و اسناد اور علوم دینیہ کی نشر و اشاعت میں آپ کے جانشین آپ کے دونوں نواسے حضرت شاہ محمد اسحق (۱۱۹۷ھ) اور شاہ محمد یعقوب (۱۲۸۲ھ تا ۱۲۸۳ھ) تھے، جو شاہ محمد افضل کے صاحبزادے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز نے حضرت شاہ محمد اسحق کو اپنا جانشین بنایا، اور اپنی تمام کتابیں اور گھر وغیرہ آپ ہی کو سبہ کر دیا، آپ شاہ صاحب کی وفات کے بعد ان کی سند درس پر بیٹھے اور ۱۲۳۹ھ سے لے کر ۱۲۵۸ھ تک دہلی میں اور ۱۲۵۸ھ سے (جب آپ نے مکہ معظمہ ہجرت کی) ۱۲۶۲ھ تک حجاز مقدس میں حدیث کی تدریس و خدمت میں سرتاپا غرق و منہمک رہے، اور ہندوستان کے صد ہا علماء نے آپ سے حدیث کا درس لیا، اور بڑے بڑے علماء

واساتذہ حدیث نے بلاد و امصار سے آکر آپ سے استفادہ کیا اور حدیث کی سند لی جن میں شیخ عبداللہ سراج کئی اور دوسرے کبار علماء شامل ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے ان کو شاہ محمد اسماعیل (بھتیجہ) اور شاہ محمد اسحق (نواسہ) کی شکل میں دو قوت بازو اور عصائے پیری عطا فرمائے، اور اکثر یہ آیت پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ السُّمُوْعَ وَ اَسْمَعُوْا دُوْشَبَه ۲ رَجَب ۱۲۶۲ھ

مکہ معظمہ میں وفات پائی اور حنبلہ المعلقة میں حضرت سیدہ خدیجہؓ کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

شاہ محمد یعقوب صاحب نے بھی دہلی میں ایک مدت تک درس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا، پھر اپنے بڑے بھائی شاہ محمد اسحق صاحب کے ساتھ ۱۲۵۸ھ میں مکہ معظمہ ہجرت کی اور وہیں منتوطن ہو گئے، ان سے نواب سید صدیق حسن خاں قنوجیؒ (والی بھوپال) حضرت مولانا سید خواجہ احمد حسنی نصیر آبادیؒ، اور ایک خلق نے استفادہ کیا، جمعہ کے دن ۲۷ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں مکہ مکرمہ میں انتقال کیا، اور حنبلہ المعلقة میں مدفون ہوئے۔

اجلہ علماء و اساتذہ کبار

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے درس و تربیت و صحبت سے جن علماء نے

لے حالات کے لئے ملاحظہ ہو، نہایت انخراط پر آئے۔ لے نواب حسنانے حدیث کی جو خدمت کی اور ان کی ذات کے کتب حدیث کی جو اشاعت ہوئی، ان کی توجہ اور سرپرستی سے ریاست بھوپال جس طرح درس حدیث کا ایک مرکز اور مخزن بن گیا مسکن و موطن بن گیا وہ ایک تاریخی حقیقت اور ان کا ایک کارنامہ ہے، پہلی بار فتح الباریؒ کی طباعت و اشاعت جو طبع بولاق مصر سے ہوئی اور اس پر چاس ہزار روپیہ کی رقم صرف ہوئی، علماء اور طلباء علم حدیث پر احسان عظیم ہے، اور یہ شرف اولیت ان کو حاصل ہے۔ لے آپ شہر سید احمد شہید کے خاندان اور سلسلہ کے بلند پایہ مصلح، داعی الی اللہ اور خاندان سلسلہ تھے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، کاروان ایمان و عزیمت۔

فائدہ اٹھایا، پھر اپنا حلقہ درس قائم کر کے سائے ہندوستان میں نام پیدا کیا، اور دینی نظامِ تعلیم میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی، پھر خود ان کے درس کے فیض سے کثیر التعداد جدید علماء تیار ہو کر نکلے، ان میں سے چند کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں جو اپنی قوت و ملکہ تدریس منقول و معقول کی جامعیت اور تبحر علمی میں مشہور و مسلم تھے، اور جو اپنی اپنی جگہ خود ایک مدرسہ اور دبستان تھے۔

(۱) مولانا مفتی الہی بخش کاندھلوی (۲) مولانا امام الدین دہلوی (۳) مولانا حیدر علی رامپوری ٹونکی (۴) مولانا حیدر علی فیض آبادی صاحبِ مہتمی الکلام (۵) مولانا رشید الدین دہلوی (۶) مولانا مفتی صدر الدین دہلوی۔

ان کا ملین علم و فن، اساتذہ کبار اور ان سے پیشتر جن اہل دعوت و عزیمت اور تحریک اصلاح و تجدید اور جہاد فی سبیل اللہ کے قائدین کا نام آیا، جو شاہ صاحب سے نسبت روحانی اور استفادہ باطنی رکھتے تھے، ان سب کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ تیرہویں صدی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے تعلیم و ارشاد اور تربیت افراد کی صدی تھی، ”وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“

شاہ صاحبؒ کے تذکرہ سے فارغ ہو کر جو سلسلہ ولی اللہی کے دائرہ کا نقطہ مرکزی، اور ان کے صاحبزادگان اور تلامذہ کے سلک نور میں در شہوار (واسطۃ العقید) کی حیثیت رکھتے تھے، ہم شاہ صاحبؒ کے دوسرے دو صاحبزادوں حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا اور شاہ صاحبؒ کے تین خلفائے کبار حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی، خواجہ محمد امین کشمیری اور سید شاہ ابوسعید حسنیؒ رائے بریلوی کا تذکرہ پیش کریں گے، جو ”نہتہ الخواطر“ ج ۷ سے ماخوذ و مقتبس ہوگا۔

شاہ رفیع الدین دہلویؒ

شیخ امام عالم کبیر سلامہ رفیع الدین عبدالوہاب بن ولی اللہ بن عبدالرحیم عمری دہلویؒ ایسے وقت کے مشہور محدث، متکلم، اصولی، مستد وقت، فرید عصر اور نادرۂ دہر تھے، وہی میں ولادت اور نسو و تہاموئی اور اپنے برادر اکبر شاہ عبدالعزیز صاحب سے تحصیل علم کی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے، طریقت میں شاہ محمد عاشق بن عبداللہ پھلتی سے استفادہ کیا، اور بیس سال کی عمر میں علم و افتاء اور درس میں امتیاز و شہرت حاصل کی، اپنے برادر مذکور کی زندگی ہی میں آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، اور اکابر علماء میں شمار ہونے لگے تھے، شاہ صاحب کے آنکھوں سے معذور ہونے کے بعد درس و تدریس کا کام آپ نے سنبھال لیا، طلبہ کا ہجوم ہوا اور انھوں نے بقدر استعداد آپ کے علمی افادات سے فائدہ اٹھایا، علماء آفاق نے آپ کے علم و فضل کا اعتراف کیا، اور آپ کی تصانیف نے قبولیت و شہرت حاصل کی، آپ کے برادر معظم شاہ عبدالعزیز صاحب نے شیخ احمد بن محمد شروانی کو شاہ رفیع الدین صاحب کے بارے میں لکھا تھا:-

”اب برادر یگانہ اور خلیق زمانہ کا وقت ہے، جو نبامیر حقیقی بھائی ہیں اور فنون علم و ادب میں (جن کا لوگ مجھ سے انتساب کرتے ہیں) میرے شریک ہیں، وہ عمر میں مجھ سے کچھ ہی چھوٹے ہیں، مگر فن و حکمت میں میرے برابر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کی پرورش میرے ہاتھوں کی اور ان کی تکمیل کا مجھے ذریعہ بنا کر مجھ پر احسان کیا، وہ چند دنوں کے سفر کے بعد

واپس آئے تو مجھے ایک مختصر مگر قیمتی رسالہ کا تحفہ دیا، جو ایسے لطائف و نکات پر مشتمل ہے جن میں وہ منفرد ہیں اور ان سے پہلے انھیں کسی نے نہیں دکھائے ان کی یہ انفرادیت آیت نور کی تفسیر اور اس کے اندر پوشیدہ معانی کی رونمائی کے سلسلے میں ہے، میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس باب میں ان کے بیانات ایسے حیرت انگیز ہیں، جن کے ذریعہ انھوں نے مغرب سخن کو ظاہر کر دیا اور دلوں کے چراغ روشن کر دیئے اور اپنے اسلوب کی انفرادیت سے سعید و سوں کو تازہ دم کر دیا ہے۔

شیخ محسن بن یحییٰ ترمذی "الینالحنی" میں فرماتے ہیں:-

"ان مروجہ علوم کے علاوہ شاہ صاحب کو علوم اوائل میں بھی بہارت نامہ حاصل تھی جو ان کی طرح بہت کم اہل علم کے حصہ میں آتی ہے، ان کی تصانیف بہت عمدہ اور مصحح ہیں۔۔۔۔۔ میں نے بعض کتابیں دیکھیں تو آپ کی علمی و فنی عبارتوں میں ایسے اسرار و رموز نظر آئے جن کے رموز آشنا کم ہی ہوتے ہیں، انھوں نے سے لفظوں میں آپ بہت سے مسائل جمع کر دیئے ہیں جس سے آپ کی علمی گہرائی اور دقت فہم کا اندازہ ہوتا ہے، آپ کی کتاب "دمع الباطل" علم حقائق کے بعض مشکل مسائل پر مشتمل ہے جس کی اہل فن نے تعریف کی ہے، آپ کا ایک مختصر و جامع رسالہ اور ہے جس میں آپ نے ہر چیز میں محبت کی کار فرمائی دکھائی ہے، اور اس کی وضاحت کی ہے، اس کا نام "اسرار المحجۃ" ہے، ایسے بہت کم لوگ ملیں گے جنہوں نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہو، میرے خیال میں آپ پہلے اس موضوع پر

صرف دو فلسفیوں ابو النصر فارابی اور ابو علی سینا نے لکھا ہے، جیسا کہ

نصیر الدین طوسی کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔

شیخ محسن کی ذکر کردہ کتابوں کے علاوہ بھی ان کی کتابیں ہیں جن میں عروض میں ایک رسالہ مقدمہ علم تالیخ، اثبات شق القمر، حکماء کے اصول پر براہین حکمیہ کے ابطال، تحقیق الوان، آثار قیامت، حجاب، برہان تمنع، عقد انامل، الرعین کافات کی تشریح، منطق، امور عامہ پر بھی آپ کے رسالے ہیں، رسالہ میرزا ہدیر چاشنی بھی لکھا ہے۔ آپ کی کتابوں میں ”تکمیل الصناعة“ ایسی عجیب کتاب ہے کہ بہت کم مصنفین کو ایسی کتاب لکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا، ان کے علاوہ بھی آپ کی متعدد بلند پایہ کتابیں ہیں اپنے والد ماجد کے بعض عربی قصائد کی آپ نے تخریس بھی کی ہے، ان کے عربی اشعار کا نمونہ یہ ہے:-

یا احمد المختار یا زین الوری یا خاتما للوسل ما اعلاکا

یا کاشف الضراء من مستجد یا منجی فی الحشر من والا کا

هل کان غیر ذی الانام من استو فوق البراق وجاوز الافلاک ان

ان کا ایک اور فصیح و بلیغ قصیدہ ہے جس سے علوم عقلیہ میں ان کی بلندی اور

عربی پر قدرت کا پتہ چلتا ہے آپ نے اس میں ابو علی سینا کے قصیدہ ”عینیہ“ کا جواب

لکھا ہے ”جو قصیدۃ الروح“ کہلاتا ہے اور جس کا مطلع ہے:-

هبطت الیك من المحل الافرغ ورقاء ذات تعزرو تمنح

یہ قصیدہ ابن سینا کی عربی زبان پر قدرت، بیک وقت صلاوت و سلاست

اور شکوہ الفاظ کا مظہر ہے، ہر شخص کا کام نہیں تھا کہ اس کا جواب دے، حضرت شاہ

رفیع الدین صاحب نے اس کا جواب لکھا ہے جس سے آپ کی قادر الکلامی اور عربیت کا اظہار ہوتا ہے آپ کے قصیدہ کا مطلع ہے ۵

عبدالشیخ فیلسوف ألمحی خفیت لعینہ منارۃ مشرق^۱
آپ نے اپنے برادر بزرگ شاہ عبدالعزیز کی حیات ہی میں ۶ شوال ۱۲۳۳ھ کو
دہلی میں وفات پائی اور شہر کے باہر اپنے والد ماجد و جد ماجد کے پاس دفن ہوئے۔

شاہ عبدالقادر دہلوی

شیخ امام، عالم کبیر و عارف شہیر شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم
عمری دہلوی علوم الہیہ کے ممتاز علماء میں تھے آپ کی ولایت و جلالت پر لوگوں کا عام اتفاق
ہے جب آپ کے والد ماجد کی وفات آپ کے بچپن میں ہو گئی تو آپ نے اپنے برادر بزرگ
شاہ عبدالعزیز صاحب سے تحصیل علم کیا، اور شاہ عبدالعدل دہلوی سے طریقت کی تعلیم پائی
اور علم و عمل زہد و تواضع، اور حسن سلوک میں امتیاز کے مالک ہوئے ان فضائل کے سبب
اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کر دی اور آپ اپنے شہر میں
مرح عام بن گئے اور علم روایت و درایت، اصلاح نفس، اور روحانی تربیت میں آپ سے
رجوع کیا جانے لگا۔

آپ درس و افادہ میں مشغول اور دہلی کی اکبر آبادی مسجد میں مقیم رہتے تھے آپ مولانا
عبدالحی بن ہبۃ اللہ ٹرہانوی، مولانا محمد اسماعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی مولانا فضل حق بن

۱۔ علامہ نعمان آلوسی بغدادی کی جلاء العینین میں دونوں قصیدے ملاحظہ ہوں ص ۱۵۴-۱۵۸ شاہ صاحب

کا قصیدہ ایک موشولہ اشعار کا ہے۔ ۲۔ نزہۃ النواظر جلد سابع ص ۱۸۲-۱۸۶

فضل امام خیر آبادی، مرزا حسن علی شافعی لکھنوی، شاہ اسحق بن شاہ افضل عمری دہلوی (مدفون مکہ مکرمہ) مولانا سید محبوب علی جعفری، مولانا سید اسحق بن عرفان رائے بریلوی (برادرِ معظم حضرت سید احمد شہید) اور بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔

آپ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عنایت یہ تھی کہ آپ کو ہندوستانی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کی توفیق ملی، علماء نے اس کی بڑی قدر دانی کی اور اسے معجزات نبوی میں سے ایک معجزہ قرار دیا، والد ماجدؒ نے ”مہر جہاں تاب“ میں لکھا ہے کہ ”شاہ عبدالقادرؒ نے یہ ترجمہ لکھنے سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ آپ پر قرآن نازل ہوا، اسے آپ نے اپنے بھائی شاہ عبدالعزیز سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ سچا خواب ہے مگر چونکہ اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے وحی آنے کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے قرآن کی بے مثال خدمت لے گا“ چنانچہ یہ بشارت ”موضح القرآن“ کی صورت میں پوری ہوئی۔

اس کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ انھوں نے زبان کے مقابلہ میں ایسی زبان اختیار کی ہے جس میں عموم و خصوص اور اطلاق و تقييد اور محل استعمال کا پورا لحاظ ہے، یہ اللہ کی ایسی عنایت ہے جس کے لئے وہ چند ہی لوگوں کو مخصوص کرتا ہے۔

۱۔ مختلف مثالوں سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کو عربی زبان و ادب کا جیسا صحیح ذوق اور قرآنی الفاظ کی روح اور طاقت اور منشاء کے مطابق اردو کے الفاظ کے انتخاب میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کی نظیر کم سے کم ہندوستان میں نہیں ہے، اور بعض مقامات پر وہ علامہ زرخشری و راغب اصفہانی جیسے علماء بلاغت وائٹھ لغت سے بھی بڑھ جاتے ہیں، تاہم الہی اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور وہی ادبی اور لسانی صحیح ذوق کے سوا کسی چیز سے اس کی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ (مصنف)

میں نے ”موضح القرآن“ کی سماعت و روایت اپنی نانی صاحبہ سیدہ حمیراء بنت شاہ علم الہدیٰ حسنی نصیر آبادی سے کی ہے جنھوں نے شاہ عبد القادر صفا کی صاحبزادی سے روایت کی ہے اور جنھوں نے اپنے والد ماجد سے روایت کی تھی، آپ کی وفات چہار شنبہ ۱۹ رجب ۱۲۳۳ھ میں ہوئی اور اپنے والد کے پاس دفن ہوئے اس وقت شاہ عبد العزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب حیات تھے اس لئے قدرتی طور پر انھیں بہت صدمہ ہوا وہ حضرات ان کے دفن کے وقت یہ کہہ رہے تھے کہ ”ہم ایک انسان کو نہیں بلکہ سراپائے علم و عرفان کو دفن کر رہے ہیں“

یہ عجائبات زمانہ میں سے ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے چار صاحبزادے اراد خان بن بنت سید تناء اللہ سے تھے جن میں بڑے شاہ عبد العزیز صفا پھر شاہ رفیع الدین صاحب پھر شاہ عبد القادر صاحب پھر سب سے چھوٹے شاہ عبد الغنی صاحب (مولانا اسماعیل شہید کے والد) تھے مگر سب سے پہلے چھوٹے بھائی شاہ عبد الغنی صاحب کی وفات ہوئی پھر ان کے بعد شاہ عبد القادر صاحب کی، پھر شاہ رفیع الدین صاحب کی، پھر شاہ عبد العزیز صاحب کی وفات ہوئی، یہ سب بھائی علم و عمل، افادہ و فیض رسانی میں (شاہ عبد الغنی صاحب کے سوا) کیونکہ ان کی وفات عنقوان شباب میں ہو گئی تھی (فضلاء زمانہ میں ممتاز تھے) شاہ عبد الغنی صاحب کے صاحبزادہ گرامی قدر حضرت مولانا اسماعیل شہید کو اللہ نے ایسی توفیق عطا کی جس سے انھوں نے اپنے والد ماجد کی طرف سے پوری تلافی کر دی۔

شاہ محمد عاشق پھلتی

عالم کبیر و محدث جلیل مولانا شاہ محمد عاشق بن عبد اللہ بن محمد صدیقی پھلتی

کبار مشائخ میں سے تھے، آپ کا نسب حضرت محمد بن ابی بکر صدیقؓ تک اکیس واسطوں سے پہنچتا ہے، بچپن ہی سے تحصیل علم میں مشغول ہوئے، اور شیخ اجل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی صحبت اختیار کی، (جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے) اُن سے آپ نے علم و معرفت حاصل کی، اور ان کے ساتھ ۱۲۳۳ھ میں حرمین شریفین کا سفر بھی کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے، اور اساتذہ حرمین سے اخذ و استفادہ میں آپ کے ساتھ شریک رہے، جن میں شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کر دی مدنی امتیاز خاص رکھتے ہیں، شیخ ابوطاہر نے ان کو اجازت بھی دی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اصحاب میں آپ علم و معرفت کے لحاظ سے سب پر فائق تھے، اس طرح آپ شاہ صاحبؒ دہلویؒ کے محرم اسرار ہو گئے، جیسا کہ شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے اجازت نامہ میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ”یہ اُن (شاہ ولی اللہؒ) کے کمالات کا آئینہ اور خصالِ جمیلہ کا نمونہ ہیں“ ان کے استاد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

یجد نئی نفسی بآنک واصل إلى نقطة قصواء وسط المراكز
وأنک فی تیک البلاد مقعّم بکفیک یوما کل شیخ وناہز
(میرادل کہتا ہے کہ تم علمی مرکزوں کے مقامِ بلند پر فائز ہو گے اور ان شہروں میں محترم ہو گے اور چھوٹا بڑا تمہارا تابع ہوگا۔)
دوسری جگہ کہتے ہیں کہ

وان یک حقاً اعلمت فانه سیلقی الیاء الامر لا یدسا بغا
سیاتیک امر لا ینطاق بهاء إلى کل سولا محالة بالغنا

وثلج وبرد یجمعان شتا تکم یز یجان ہمانی فؤادک لا ذعا

(اگر میرا یقین صحیح ہے تو سر رشته تمہارے ہاتھ آئے گا، اور تمہیں وہ نور حاصل ہوگا جس سے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور وہ ہر راز کو افشا کر دے گا، اور شرح صدر سے وہ جمعیت خاطر حاصل ہوگی جو تمہارا غم غلط کر دے گی۔)

شرح دعائے اعتصام کی تقریظ میں شاہ صاحب نے لکھا تھا ہے

لیہنک ما اوفیت ذرۃ حقہ من الفحص التفتیش والفہم والفکر

وہشتک عن طی العلوم ونشرها ونظمک اصناف الجواہر والدر

وحفظک للرمز الخفی مکانہ وخومک بجزا اخرایما بحر

فللہ ما اوتیت من حل المنی واللہ ما اعطیت من عظم الفخر

(علم و تحقیق اور فکر و نظر کی بلندیوں پر فائز ہونا مبارک ہو اور علوم کی تحقیق و اشاعت اور علم کے ہیرے موتیوں کی تنظیم و ترتیب بھی مبارک ہو نیز رمز مخفی کی حفاظت اور علم و عمل کے بحر زخار کی غواصی و نشاوری تمہیں یہ مرادیں الشہی کی طرف سے ملی ہیں اور مفاخر کا سرمایہ بھی الشہی کا عطیہ ہے۔)

ان سے شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین اور سید ابوسعید رائے بریلوی اور ایک خلق نے استفادہ کیا، ان کی کتابوں میں "سبیل الرشاد" فارسی میں تصوف کی ایک مبسوط کتاب ہے، دوسری کتاب "القول الجلی فی مناقب الولی" ان کے شیخ حضرت شاہ ولی الشرح کے حالات میں ہے، "دعائے اعتصام" حقائق و معارف میں حضرت شاہ صاحب کی کتاب کی شرح، ان کی سب سے بڑی کتاب "تبیین المصنفی شرح الموطا" ہے جو شاہ صاحب کی کتاب "مصنفی" سے

متعلق ہے، ۱۸۷۷ء میں انتقال کیا جیسا کہ سید ابوسعید رائے بریلویؒ کے نام حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے گرامی نامہ سے معلوم ہوتا ہے۔

خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللہی

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ان چار خلفاء و تلامذہ کبار میں سے جن سے ان کے سلسلہ تعلیمات اور مقاصد کی اشاعت و تبلیغ ہوئی، ان کے ایک اہم شاگرد خلیفہ خواجہ محمد امین کشمیری بھی تھے، مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ "نزہۃ النواظر" میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اصلاً کشمیر سے تعلق رکھتے تھے لیکن دہلی میں سکونت تھی، وہ شاہ صاحبؒ کے اجلہ اصحاب میں تھے، اپنے شیخ کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے اور ولی اللہی لکھتے اور کہلاتے تھے، ان کے امتیاز و شرف کے لئے اتنا کافی ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان سے علوم کی تکمیل کی جیسا کہ خود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اپنے رسالہ "عجائب نافعہ" میں اس کی صراحت کی ہے، ان کے اعزاز و امتیاز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان کے لئے خصوصی طور پر بعض رسائل تصنیف فرمائے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے اس مکتوب گرامی سے جو انھوں نے حضرت شاہ ابوسعید رائے بریلویؒ کے نام بھیجا ہے۔

لے مولانا عبد اللہ صاحب سندھی مرحوم اپنی کتاب "التمہید" (حصہ اردو) میں لکھتے ہیں :-
 "شاہ صاحبؒ کے مکمل نظریہ کو سمجھنے والوں میں چار رفقاء سے زیادہ نہیں ہیں (۱) ان کے ناموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق (۲) جمال الدین شاہ محمد امین ولی اللہی کشمیری (۳) شاہ نور اللہ بڑہاٹھی (۴) شاہ ابوسعید بریلوی (۵) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک از مولانا عبد اللہ صاحبؒ (۱۸۷۳-۱۸۷۷ء) اصحاب ثلاثہ شیخ محمد عاشق پھلتی، خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللہی اور شاہ ابوسعید صاحبؒ رائے بریلوی کا ذکر مستقل طور پر آیا ہے، چوتھے صاحب شیخ نور اللہ صدیقی بڑہاٹھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی تلامذہ میں تھے، اور شاہ صاحب کی زندگی ہی میں ان کو امتیازی شہرت حاصل ہو گئی تھی، اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جو ان کے داماد بھی تھے، ان کے فقہ کی کتابیں پڑھیں ۱۸۷۷ء کے قریب ان کی وفات ہوئی۔

(نزہۃ النواظر جلد ۶)

پتہ چلتا ہے کہ ان کا انتقال ۱۱۸۷ھ میں یا اس کے آس پاس ہوا، اس لئے کہ حضرت سید شاہ ابوسعید حسنین الاول ۱۱۸۷ھ میں عازم حج ہوئے تھے اور ۱۱۸۸ھ میں ان کی مراجعت ہوئی اور شاہ صاحب کا یہ خط ان کی واپسی پر ملا۔

خواجہ محمد امین کشمیری کی خصوصیت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ کلمات طیبہ میں شاہ صاحب کے ان کے نام چار اہم مکتوب ہیں جو دقیق حقائق و معارف پر مشتمل ہیں۔

ان چار خلفائے عظام کے علاوہ شاہ صاحب کے بعض دوسرے خلفاء بھی تھے جن کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے، ان میں ایک حافظ عبدالنبی معروف بہ عبدالرحمن بھی تھے جن سے شاہ صاحب کا خصوصی تعلق معلوم ہوتا ہے۔

شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلوی

سید والاتبار ابوسعید بن محمد ضیاء بن آیت اللہ بن شیخ اجل علم اللہ نقشبندی بریلوی، علمائے ربانین میں سے تھے، رائے بریلی میں ولادت اور نشوونما ہوئی، اور ملا عبد اللہ میٹھوی سے تعلیم حاصل کی، پھر اپنے چچا سید محمد صابر بن آیت اللہ نقشبندی سے بیعت ہوئے اور صوفیہ کے اذکار و اشغال میں ایک مدت تک مصروف رہے، اس کے بعد مدہلی جا کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے پاس رہ کر ان سے استفادہ کیا اور ان کی وفات کے بعد ضرورت کا احساس کر کے شاہ صاحب کے شاگرد شیخ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی سے بھی استفادہ کیا، شاہ محمد عاشق صاحب نے آپ کے

۱۔ نزہۃ النواظر ج ۶ ص ۲۸۶ ۲۔ کلمات طیبات ص ۱۶۱-۱۶۴

۳۔ ملاحظہ ہو رسالہ برہان مقالہ مسعود النور ص ۱۷۱ علوی ایم۔ اے علیگ شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۸۳ء۔

اجازت نامہ میں لکھا ہے:-

”سید تقی و نقی، عارف بالشر، قابل تعریف ولی میر ابو سعید ہمارے شیخ
ولی الشر محدث کے ساتھ رہے ہیں اور ان سے بعض اشغال طریقت معلوم
کر کے ان پر مداومت کی ہے، حتیٰ کہ ان پر شیخ کی توجہ کی برکت سے
ظاہری و باطنی لطائف و اسرار کے دروازے کھل گئے، اور ان کی شخصیت
میں صوفیہ کے احوال و آثار ظاہر ہوئے اور انھیں وہ ”شہود“ حاصل
ہوا جو صوفیہ کا مقصود ہے۔“

آگے تحریر فرماتے ہیں:-

”پھر جب حضرت شیخ نے دار رضوان کو انتقال فرمایا تو انھیں خیال ہوا کہ
سلسلہ نقشبندیہ قادریہ چشتیہ وغیرہ کے بقیہ اشغال فقیر سے حاصل کریں اور
صوفیہ کے متواتر طریقہ میں داخل ہوں میں نے ان کی طلب کیجھ کر صہیت ”انجام“
کے خوف سے حصول مقصد میں ان کی مدد کی اور ان اشغال کی تلقین کی اور جب
ان میں ان کے آثار و انوار کا مشاہدہ کیا اور ان کی سختگی کا اندازہ کر لیا، تو استخارہ
کے بعد انھیں طالبین و سالکین کی رہنمائی کی اجازت دی اور انھوں نے
تمام طریقوں میں بیعت کی، اور انھیں ”خرقہ فقریہ فخریہ“ انابت و اجازت
کے طور پر پہنایا، جیسا کہ ہمارے شیخ نے ہمیں پہنایا تھا، اور اس کی اجازت دی تھی
اور جیسا کہ شیخ عبید اللہ نے ہمیں اپنے آباء و مشائخ کرام کے ذریعہ حاصل
ہونے والے لباس اور اجازت سے نوازا تھا، اس کے ساتھ میں نے انھیں تفسیر
و حدیث، فقہ و تصوف کے درس کی (بشرط مطالعہ و مراجعت تشریح) اور

نحو صرف کے درس کی اجازت دی، نیز جائز ضرورتوں کے وقت تعویذ اور
اعمال مشائخ کی اجازت دی، "القول الجمیل فی بیان سوائہ السبیل"
"الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ" میں مندرج تمام اعمال و اشغال کی

اجازت دی۔

سید شاہ ابوسعید ایک باوقار، کریم النفس، کثیر الاحسان، مہمان نواز، غریب پرور
بزرگ تھے، رفقہ کے ساتھ آپ نے حجاز کا سفر کیا اور ۲۸ ربیع الاول ۱۸۷۷ھ کو مکہ مکرمہ
پہنچے اور حج سے مشرف ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہاں چھ ماہ مقیم رہے اور "مصابیح"
کی شیخ ابوالحسن سندھی صغیر سے سماعت کی، ایک بار آپ مرقد نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ کو دیکھا کہ حجرہ مبارکہ سے باہر جلوہ افروز ہیں، پہلے آپ کے
دوش مبارک ظاہر ہوئے، پھر جسد مطہر ظاہر ہوا اور آنحضرتؐ سامنے تشریف فرما ہو کر تنہا
ہوئے، آپ کے مرید و مجاز شیخ امین بن حمید علمی کا کوروی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ:-
"شیخ ابوسعیدؒ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مدینہ منورہ

میں بچشم سر دیکھا ہے۔"

پھر آپ مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور جزیرہ "شیخ محمد میرداد انصاری سے پڑھی، پھر
طائف ہوتے ہوئے، ہندوستان آئے اور مدراس میں داخل ہوئے، اور وہاں ایک
مدت تک قیام کیا اور مقبولیت حاصل کی، اور آپ سے بہت سے لوگ مستفید ہوئے
ان میں الحاج امین الدین بن حمید الدین کا کوروی، مولانا عبد القادر خاں خالص پوری،
میر عبد السلام بدشتی، شیخ میرداد انصاری مکی، مولانا جمال الدین بن محمد صدیق قطب،
مولانا عبد اللہ آفندی، اور شیخ عبد اللطیف حسینی مصری، اور بہت سے دوسرے

لوگ تھے، ۹ رمضان ۱۱۹۳ھ کو راءے بریلی میں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

ایک نامور معاصر مصلح شیخ محمد بن عبد الوہاب

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نامور معاصر اور عظیم مصلح نجد کے ایک ممتاز عالم اور صاحبِ عزیمت داعی مصلح شیخ محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان التیمی، الحنبلی، (۱۱۱۵-۱۲۰۶ھ) (۱۷۰۳-۱۷۹۲ء) ہیں وہ سنہ ولادت کے لحاظ سے شاہ صفا کے متقارب ہیں،

لے واضح رہے کہ آپ حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی نانا تھے خاندان ولی اللہی سے آپ کے تعلقات کی نوعیت اور آپ کی خصوصیت و عظمت کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو شاہ اہل اللہ (برادر حضرت شاہ ولی اللہ) مولانا نور اللہ، حضرت شاہ محمد عاشقؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے آپ کے نام بھیجے ہیں اور جن میں خاندانی حوادث اور پیش آنے والے واقعات کی اطلاع، نیز آپ کے بلند مقام اور کمالات کا اعتراف ہے، یہ مجموعہ مولوی سید ابوالقاسم صاحب ہنسوی کا مرتب کیا ہوا "مکتوب المعارف" کے نام سے خاندانی ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے، آپ کے حقیقی چچا زاد بھائی مولانا سید محمد واضح حسنی کو بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی طرف سے اجازت عامہ تھی اور شاہ صاحب ان کا بلند الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو مکتوب شمولہ مکتوبات قلمی عثمانیہ یونیورسٹی لاٹیری حیدرآباد ص ۱۵۱)

۳۵ شاہ صاحب کی ولادت ۱۱۱۴ھ کی ہے اس طرح آپ شیخ سے ایک سال بڑے تھے۔

اور سنہ وفات کے لحاظ سے ان سے تیس سال متاخر ہیں، معاصر ہونے اور متعدد مابہ الاشتراک باتوں کے باوجود ملاقات تو بجائے خود ایک کی دوسرے سے واقفیت کا بھی ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۴۳ھ میں حج کے لئے گئے اور ایک سال سے کچھ زیادہ حجاز میں قیام فرمایا، یہ وہ زمانہ ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت و تحریک نجد کے علاقہ عیینہ و درعیہ وغیرہ میں محدود تھی، امیر محمد بن سعود نے اس وقت تک نہ شیخ سے بیعت کی تھی اور نہ ان دونوں کے درمیان (دعوت کی نشر و اشاعت اور اس کی بنیاد پر حکومت کے قیام اور اس کی تائید کا) کوئی معاہدہ اور سمجھوتہ ہوا تھا، یہ معاہدہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۵۸ھ میں ہوا اور اس کے نتیجہ میں درعیہ دعوت کا مرکز اور ایک دینی دار الحکومت بنا، شیخ کی دعوت کا حجاز میں اس وقت تعارف اور اثر و نفوذ پیدا ہوا جب رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۱۸ھ میں (شیخ کی وفات کے بارہ سال اور شاہ صفا کی وفات کے بیالیس برس بعد) مکہ معظمہ پر آل سعود کا قبضہ ہوا۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت و جدوجہد کا اصل دائرہ توحید خالص کی دعوت و تبلیغ، رد شرک و استیصال رسوم جاہلیت (جس کے بعض مظاہر و شعائر کا بعد زمانہ اجمہالت اور علماء کی غفلت سے جزیرۃ العرب کے مشرقی حصہ کے بعض علاقوں اور قبائل میں ظہور ہو گیا تھا) توحید الوہیت و توحید ربوبیت کا فرق اور خدا کی طرف سے جس توحید کا اپنے بندوں سے مطالبہ اور قرآن مجید میں ۱ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ”محمد بن عبد الوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح“ (مطبوعہ مکتبہ نشأت ثانیہ حیدرآباد) نیز عربی کی وہ کتابیں جو شیخ کے حالات میں لکھی گئیں اور ان کی فہرست طویل ہے۔

اس کی صریح دعوت ہے، اس کی وضاحت و تنقیح تھی^۱، اس بارے میں شیخ کو جو کامیابی ہوئی اس کی مثال پچھلے دور کے مصلحین میں ملنی مشکل ہے، اگرچہ بقول ڈاکٹر احمد امین، اس میں اس کو بہت دخل تھا کہ اس کی بنیاد پر ایک حکومت (حکومت سعودیہ) قائم ہوئی، اور اس نے اس دعوت کو اپنایا، اور اس کی سرپرستی کی، لیکن بہر حال یہ حقیقت ہے کہ شیخ نے اس سلسلہ میں ایک انقلابی مصلح کا کردار ادا کیا، اور خواہ کسی صاحب علم کو ان کے افکار، دعوت پیش کرنے کے طریقہ و لہجہ اور طرز عمل سے توفیق و اتفاق نہ ہو، اس دعوت کی افادیت اثر انگیزی اور ان خاص حالات میں اس کی ضرورت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ توحید کی توضیح و تنقیح، قرآن مجید سے اس کے ثبوت اور توحید الوہیت و توحید ربوبیت کے درمیان فرق کا جہاں تک تعلق ہے، اس میں حضرت شاہ صاحب^۲ اور شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خیالات و تحقیقات میں بڑی مماثلت نظر آتی ہے، جو قرآن مجید کے عمیق اور براہ راست مطالعہ و تدبر اور کتاب و سنت سے گہری واقفیت کا نتیجہ ہے، اور جس نے اپنے زمانہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور اپنے اپنے زمانہ میں دوسرے محققین و مصلحین کو مماثل نتائج پر پہنچایا اور ان کو واضح اور دو ٹوک دعوت توحید کی اشاعت و تبلیغ پر آمادہ کیا۔

لیکن شاہ صاحب کا دائرہ عمل اور ان کے اصلاحی و تجدیدی کام کا میدان اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے، اس میں علوم اسلامیہ کا احیاء، فکر اسلامی کی تجدید

^۱ ملاحظہ ہو شیخ کا شہرہ آفاق رسالہ "التوحید الذی هو حق اللہ علی العبد"

^۲ ملاحظہ ہو "ذعماء الاصلاح فی العصر الحديث" ترجمہ شیخ محمد بن عبد الوہاب۔

السرار و مقاصد شریعت کی نقاب کشائی، شریعت اور تعلیمات اسلامی کو مربوط و مکمل شکل میں پیش کرنے کا علمی کارنامہ، علمی جمود اور مذاہب فقہیہ کے تعصب کی اصلاح، تطبیق بین العقول والنقل اور توفیق بین المذاہب الفقہیہ کا مجتہدانہ کام، ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت کی سعی، حدیث کا عمیق مطالعہ اور اس کی نشر و اشاعت کی مجددانہ کوشش، تزکیہ نفس اور حصول درجہ احسان کی دعوت اور اس کی تعلیم اور مردان کار کی تربیت شامل ہے، اسی کے ساتھ شاہ صاحب کے یہاں (اقبال کے الفاظ میں) ”حجازی رنگینہ از (توحید خالص کی مضبوط زمین) میں زمزم کا چشمہ شیریں (محبت و لیلنت کی جوئے شیر) بھی ہے، جو شاہ صاحب کے خاص ماحول و تربیت اور تصوف و سلوک کا نتیجہ ہے، اور جس کا نمونہ ان کے نعتیہ قصائد اور شوقیہ اشعار میں دیکھا جاسکتا ہے، اس لحاظ سے ان کا اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کا (جن کی سعی بہر حال مشکور ہے) تقابلی مطالعہ کرنے اور ان دونوں میں مماثلت و اتفاق کے نقاط تلاش کرنے کے بجائے شاہ صاحب کا اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کا تقابلی مطالعہ اور اتفاق و اختلاف کے نقاط تلاش کرنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دونوں اپنے علمی تجربہ، علوم کتاب سنت میں درجہ امامت و اجتہاد تک پہنچنے، عمق و وسعت نظر کا اصلاح و تجدید کے تنوع اور شخصیت کی عظمت و عمق میں زیادہ مماثل نظر آتے ہیں (اور کتاب میں اس کی طرف جا بجا اشارات گزر چکے ہیں) اس اختلاف کے ساتھ جو ماحول تعلیم و تربیت، زمان و مکان کے اختلاف اور سلوک و تربیت باطنی کا نتیجہ ہے۔

باب دوازدہم

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیفات

کتب و رسائل

یہاں حضرت شاہ صاحب کی چھوٹی بڑی عربی فارسی تصنیفات کی حروف تہجی کے اعتبار سے فہرست دی جا رہی ہے، اہم کتابوں کا مختصر تعارف بھی کرایا گیا ہے، قلمی و مطبوعہ اور زبان کی نشان دہی کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

(۱)

۱۔ الأربعین (عربی) چالیس احادیث کا مجموعہ جو ان مختصر اور جامع احادیث پر مشتمل ہے جو جامع الکلمہ کا مصداق ہیں، مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوا، ۱۲۵۴ھ میں اس کا اردو ترجمہ حضرت سید احمد شہید کے ایک خلیفہ سید عبداللہ مرحوم نے مطبع احمدی کلکتہ سے شائع کیا، اس کے بعد متعدد ترجمے شائع ہوئے، مولانا عبد الماجد دریاباد نے ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۴ء) میں اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح کی، جو ہندوستان و پاکستان سے چھل حدیث ولی اللہی اور ”اربعین ولی اللہی“ کے نام سے شائع ہوئی۔

۲۔ الإرشاد إلی مہمات علم الاستاد (عربی) اس میں اپنے اساتذہ و شیوخ حجاز کا

ذکر ہے رسالہ مطبوعہ ہے۔

۳۔ ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء (فارسی) موضوع، حجم، طباعت اور اہم مضامین کی تلخیص، کتاب کے تعارف میں گزر چکی ہے۔

۴۔ أطیب النعم فی مدح سید العرب والعجم (عربی) یہ شاہ صاحب کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے جن سے شاہ صاحب کی قادر الکلامی اور عشق نبوی کا اندازہ ہوتا ہے، مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا۔

۵۔ ألطاف القدس (فارسی) کتاب لطائف باطنی کی تشریح اور تصوف کے بنیادی سائل کی توضیح میں ہے سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں مطبع احمدی سے شائع ہوئی۔

۶۔ الإمداد فی آثار الأجداد (فارسی) مختصر رسالہ ہے اس میں شاہ صاحب نے اپنے چند اجداد کا حال لکھا ہے اس میں پنا سلسلہ نسب بھی درج کیا ہے انفاں عارفین میں یہ رسالہ بھی شامل ہے، نیز مطبع احمدی دہلی کے طبع کردہ مجموعہ خمسہ سائل شاہ ولی اللہ دہلوی میں بھی شامل ہے۔
۷۔ الانتباه فی سلاسل أولیاء اللہ (فارسی) تصوف کے مختلف سلاسل کی تاریخ اور ان کی تعلیمات کا مختصر تذکرہ، ۱۳۱۱ھ میں سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں اردو ترجمہ کے ساتھ مطبع احمدی سے شائع ہوا۔

لے الانتباه فی سلاسل أولیاء اللہ میں مندرجہ قبور کے عنوان کے ماتحت جو طریقہ لکھا گیا ہے وہ ان تمام احتیاطوں اور محققانہ و محدثانہ ذوق سے مطابقت نہیں رکھتا جو شاہ صاحب کی اہم تصنیفات یا مخصوص حجۃ اللہ الباقی تفہیم الہیہ اور الفوز الکبیر میں نمایاں ہے اور اگرچہ اس کی تاویل کی جاسکتی ہے (ملاحظہ ہو حفظ الایمان از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ص ۱۸) لیکن ان موہم الفاظ میں بھی اس مضمون کا آنا جو شائع طریقت کے تجربا اور بعض کے عمل کے مطابق ہے عملی لغزش اور غلط فہمی کا باعث ہو سکتا ہے امام مالک کے درجہ اللہ تعالیٰ بلند فرمائے کہ انھوں نے مسیروں کے درس میں قبر انور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: کل یؤخذ من قوله ویردہ الا صاحب لہذا القبر (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)

۸۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین (فارسی) اس رسالہ کا تعارف شاہ صاحب کے تذکرہ میں گزر چکا ہے، انفاس العارفین کا جزء ہے، مطبع احمدی سے مجموعہ خمسہ رسائل شاہ ولی اللہ کے ضمن میں بھی شائع ہوا ہے۔

۹۔ الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف (عربی) رسالہ کے تعارف کے سلسلہ میں اس کی اہمیت، طباعت اور مختلف ایڈیشنوں کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۰۔ انفاس العارفین (فارسی) کتاب کا تعارف شاہ صاحب کے تذکرہ میں گزر چکا ہے، ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۶ء) میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی، یہ کتاب دراصل حسبِ فیل ساٹ رسالوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

(۱) بوارق الولاية (۲) شوارق المعرفة (۳) الامداد فی آثار الاجداد (۴) النبذة الابریزمية فی اللطيفة العزیزية (۵) العطية الصمدية فی انفاس المحمدية (۶) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۷) الجزء اللطیف فی ترجمة العبد الضعیف اس میں سے اکثر رسائل علیحدہ بھی طبع ہوئے ہیں۔

(ب)

۱۱۔ البدور البازغة۔ (عربی) کتاب فلسفہ دینی کے بیان پر مشتمل ہے، لیکن اس میں فلسفہ کی اصطلاحات فطرت و ترکیب انسانی، طبقات و افراد کے خصائص پر فلسفیانہ اور اشتراقی رنگ میں روشنی ڈالی گئی ہے، اور طبیعیات و علم الاخلاق کے مباحث ملے جلے ہیں، ارتفاعات کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور صالح تمدن اور اس بائے میں شریعت کی رہنمائی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جماعت انسانی کی صحیح تنظیم اور خلافت و امارت کے احکام و آداب بھی بیان کئے گئے ہیں پھر معرفت الہی

اور اسماء و صفات سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے، مراتب احسان اور ان کے حجابات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مرض شرک اور اس کے اصناف اور طبقات کا بھی ذکر ہے، فتن اور قیامت کا اثبات بھی ہے، عالم برزخ و حشر کے منازل، فضائل اعمال و مناقب کا تذکرہ، نبوت کا اثبات، اقسام انبیاء و مراتب حجت کی بھی تفصیل ہے، ملت کی حقیقت، اس کے ظہور کے انواع، جاہلیت اولیٰ کا تذکرہ اور ملل سابقہ کا بھی تعارف کرایا گیا ہے، پھر اس ملت کی شریعت، اس کے ارکان دین، علم تشریع اور مقاصد شرع کا بیان تفصیل سے ہے، اور ارکان اربعہ کے اسرار و حکم پر خاص طور سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب میں حجۃ اللہ البالغۃ کے مقابلہ میں مضامین کی کثرت اور ان کا تنوع زیادہ ہے، اور اس میں بعض ایسے مباحث الہیہ اور مسائل کلامیہ بھی آگئے ہیں، جن کو جمہور متکلمین اور حکماء امت نے بیان نہیں کیا تھا، لیکن حجۃ اللہ البالغۃ اپنے عمق، علم و نظر کی پختگی، ذہنی و علمی ارتقاء اور علوم و حقائق کو شریعت و سنت کی زبان اور زیادہ طاقتور عربی اسلوب میں بیان کرنے میں فائق ہے، مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۲ھ میں مدینہ پرپس بجنور سے شائع کیا۔

۱۲۔ بوارق الولاية (فارسی) یہ رسالہ انفاس العارفین کا جزء ہے، اس میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کے اقوال و احوال و واقعات و تصرفات ذکر کئے ہیں۔

(ت)

۱۳۔ تاویل الاحادیث (عربی) اس میں انبیاء علیہم السلام کے ان قصص کے جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں، لطائف و نکات اور ان سے استخراج کئے ہوئے بہت سے اصول شرعیہ کا بیان ہے، اختصار کے باوجود کتاب میں بعض بڑے قیمتی اشارات اور قرآن مجید کے عمیق فہم کے نمونے ہیں، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد (پاکستان) کی جانب سے شائع ہوئی۔

۱۴۔ تحفة الموحدين۔ یہ عقیدہ توحید کی تشریح پر شاہ صاحب کا فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جس کا متن افضل المطالع دہلی سے شائع ہوا تھا، مولانا حافظ محمد حم بخش دہلوی مصنف "حیات ولی" نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا، ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۲ء میں مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے یہ ترجمہ شائع ہوا ہے، شاہ صاحب کی تصنیفات میں عام طور پر اس رسالہ کا ذکر نہیں آتا، رسالہ کا بنیادی مضمون اگرچہ شاہ صاحب کی دوسری تحریرات کے مطابق ہے، لیکن بعض مضامین کی بنا پر بعض اہل نظر کو اس کی شاہ صاحب کی طرف نسبت میں تردد ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۱۵۔ تراجم البواب الغداری (عربی) اس میں اصولی طور پر ایسے قواعد بیان کئے گئے ہیں، جن سے تراجم بخاری کے حل میں مدد ملے، مجموعہ رسائل اربعہ نیز مسلمات مطبوعہ مطبع نور الانوار آراء کے آخر میں طبع ہوا ہے۔

۱۶۔ التفہیمات الالہیۃ (عربی و فارسی) اس میں شاہ صاحب کے واردات قلبی اور وجدانی مضامین ہیں، جو زیادہ تر عربی اور کتر فارسی میں ہیں، اس کی حیثیت ایک ایسی بیاض کی کا ہے، جس میں آدمی اپنے تاثرات و مشاہدات قلم بند کر لیتا ہے، اور وہ خاص حلقہ احباب تلامذہ کے مطالعہ میں آنے کے لئے موزوں ہوتی ہے، بعض اوقات صاحب بیاض ان کی عام اشاعت کو پسند نہیں کرتا، اس کو مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ء) میں مدینہ پریس بجنور سے شائع کیا، اس کتاب میں شاہ صاحب نے مسلمانوں کے مختلف طبقات کو الگ الگ خطاب کیا ہے، جو کتاب کا مؤثر ترین اور مفید ترین حصہ ہے، کتاب دو جلدوں میں ہے۔

(ج)

۱۷۔ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف (فارسی) ذاتی حالات کا مختصر بیان

اور یادداشت، تذکرہ کے سلسلہ میں تعارف گزر چکا ہے ”انفاس العارفین“ کا جزء ہے اور
علیحدہ بھی طبع ہوا ہے

(ح)

۱۸۔ حجة الله البالغة (عربی) کتاب کا تعارف اس کے اہم مضامین کا بیان اور
اس کے طباعت کا تذکرہ باب ہفتم میں گزر چکا ہے۔

۱۹۔ حسن ۱۱ ندوة (عربی) اسلام کے بنیادی عقائد کو اہل سنت کے مسلک
اور قرآن و حدیث کی روشنی میں جامع طریقہ پر بیان کیا گیا ہے، رسالہ کا تعارف اور اس کی
طباعت و اشاعت کا تذکرہ باب پنجم میں گزر چکا ہے، رسالہ ”العقيدة الحسنة“ کے
نام سے بھی معروف ہے، مولانا محمد اویس صاحب نگر امی ندوی مرحوم نے اس کی شرح
”العقيدة السنية“ کے نام سے کی، جو مکتبہ ندوة العلماء سے شائع ہوئی اور دارالعلوم
ندوة العلماء میں نصاب میں شامل ہے۔

(خ)

۲۰۔ الخیر الکثیر (عربی) یہ حقیقتاً فلسفہ دینی کی کتاب ہے، اس میں معرفت ذات
اسماء الہی کی حقیقت، حقیقت وحی، کلام الہی وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، وحدۃ الوجود پر بھی
فلسفیانہ انداز میں گفتگو کی گئی ہے، عرش، زمان و مکان، افلاک و عناصر، معدن نبات
و حیوان، اعیان ثابتہ، عالم مثال وغیرہ سے بحث کی گئی ہے، کتاب کا باب الخزانة الخامسة
اہم ہے، جس میں نبی کی بعثت، نبوت کے پانچ مزاج، اور انبیاء کے اصناف وغیرہ کا بیان ہے۔
کتاب فلسفہ، طبیعیات، تصوف، حکمت الاشراق سب کا مجموعہ ہے۔

خزانہ ثالثہ میں بعثت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات سے بحث ہے۔

خزانہ ثامنہ میں شریعت کے نشوونما اور اس کے ارتقاء سے بحث ہے۔
 خزانہ ناسعہ میں معاد کے احوال و مراتب سے بحث ہے۔
 خزانہ عاشرہ میں متفرق فوائد ہیں۔ مجلس علمی ڈابھیل سے ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی۔

(۵)

۲۱۔ الدُّرُ الثَّمِينِ فِي مَبَشِّرَاتِ النَّبِيِّ الْأَمِينِ (عربی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبشرات کا ایک مجموعہ جو شاہ صاحب کی ذات یا بزرگوں سے متعلق ہیں، رسالہ مسلمات اور النوادر کے ساتھ ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۰ء) میں طبع ہوا ہے، کتب خانہ یحوی سہارنپور سے بھی شائع ہوا۔

۲۲۔ دیوان اشعار (عربی) جسے شاہ عبدالعزیز صاحب نے جمع کیا، اور شاہ رفیع الدین صاحب نے مرتب کیا، مخطوطہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(۴)

۲۳۔ رسالہ۔ حضرت خواجہ خورشید شاہ عبداللہ بن عبدالباقی کے جواب میں اپنے کشف کے مطابق۔

۲۴۔ رسالہ دانشمندی (فارسی) اصول تعلیم و اساتذہ کے لئے قیمتی ہدایات پر مشتمل ایک پُر مغز اور مفید رسالہ ہے، اردو ترجمہ "الرحیم" حیدرآباد مندرجہ سے ستمبر ۱۹۶۴ء میں پروفیسر محمد سرور نے شائع کیا، نیز عربی ترجمہ "البعث الاسلامی" شمارہ ۴ جلد ۲ محرم ۱۴۰۳ھ میں محمد اکرم ندوی کے قلم سے "اصول الدراسة والتعليم" کے عنوان سے شائع ہوا۔

۲۵۔ زہرا دین - سورۃ بقرہ و سورۃ آل عمران کی تفسیر۔

۲۶۔ سطعات (فارسی) در بیان طلسم الہی کہ رابطہ است در بیان مجر و محض
و عالم شہادت و بعض حواس و آثار آن۔

کتاب کو فلسفۃ الہیہ میں سمجھنا چاہئے جس میں فلسفیانہ اور متصوفانہ اصطلاح اور
فلسفۃ وحدۃ الوجود کی تعبیرات استعمال کی گئی ہیں اور جس میں تحقیقات رابطہ الحاد بالقدیم
کے معنی کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کتاب ان شخص انخواص کے مطالعہ کے
قابل ہے جو فلسفۃ قدیم کے پورے رمز شناس اور وحدۃ الوجود کی تائیدی و تردیدی
بحثوں کے کوچہ سے آشنا ہوں، عام اشاعت اور دعوت کی چیز نہیں ہے، کتاب
میں طبی اصطلاحات اور حکمت طبعیہ کے مضامین کی بھی شمولیت ہے، کتاب میں ان
اصولوں کے ماتحت بعض آیات کی لطیف تفسیر بھی ہے کہیں کہیں اپنی تحقیق سے
فلاسفہ اور متکلمین دونوں سے اختلاف ظاہر کیا ہے، تعلیم الہی کے اقسام کو بھی تفصیل
سے ذکر کیا ہے اور اس کے اشکال اور صورتوں کو بیان کیا ہے ”شخص اکبر“ کی اصطلاح
جایجا استعمال کی ہے، ہدایت الہی و بعثت انبیاء سے بحث کی ہے اور یہ کہ وہ کن کن
مظاہر میں ظاہر ہوتی ہے، تجلیات الہیہ ان کے اقسام و مظاہر سے بھی بحث کی ہے کل رسالہ
چوبیس صفحے میں آیا ہے، مطبع احمدی سے سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں شائع ہوا،
۱۹۳۹ء میں مولوی فضل احمد صاحب نے بیت الحکمہ کراچی سے اور ۱۹۶۲ء میں مولانا
غلام مصطفیٰ قاسمی نے شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے بھی شائع کیا۔

۲۷۔ سرور المحزون (فارسی) ابن سید الناس کی سیرت پر مشہور کتاب "نور العین
فی سیر الامین المامون" کا خلاصہ ہے، اپنے نامور معاصر اور سلسلہ مجددیہ کے شیخ کبیر
حضرت مرزا مظہر جانجانا کی فرمائش سے تصنیف کیا، اردو میں اس کے متعدد ترجمے
شائع ہوئے۔

(ش)

۲۸۔ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری (عربی) صحیح بخاری کے تراجم اور عنوانات
واحادیث کے مطابق لطائف و اسرار پر ۳۳۳ھ میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے
شائع ہوا، اس کے شروع میں تراجم ابواب البخاری بھی ہے۔

۲۹۔ شفاء القلوب (فارسی) حقائق و معارف میں ایک رسالہ ہے۔

۳۰۔ شوارق المعرفة (فارسی) شاہ صاحب کے چچا شیخ ابوالرضا کے حالات پر
مشتمل ہے، انفاس العارفین کا جزء ہے۔

(ع)

۳۱۔ العطیۃ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیۃ (فارسی) یہ مختصر رسالہ شیخ محمد بھلتی
کے حالات میں ہے، جو شاہ صاحب کے جدِ مادری تھے، انفاس العارفین کا جزء ہے،
مجموعہ خمسہ رسائل میں بھی شامل ہے۔

۳۲۔ عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید (عربی) باب ششم میں رسالہ کا
تعارف گزر چکا ہے۔

العقیدۃ الحسنۃ دیکھئے حسن العقیدۃ۔

(ف)

۳۳۔ فتح الرحمن (فارسی) قرآن مجید کا فارسی ترجمہ، باب پنجم میں اس کا تعارف و تذکرہ گزر چکا ہے، مطبع فاروقی دہلی سے ۱۲۹۷ھ میں شاہ ولی اللہ صاحب کے فارسی فوائد اور شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ اردو اور فوائد موضح القرآن کے ساتھ شائع ہوا، جو کلکتہ کے مطبوعہ نسخہ کی نقل ہے۔

۳۴۔ فتح الخبیر (عربی) قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح، یہ رسالہ الفوز الکبیر کے تتمہ کے طور پر شامل ہے۔

۳۵۔ فتح الودود لمعرفة الجنود (عربی) مطبوعہ مصنف کی نظر سے نہیں گذرا، مولانا رحیم بخش نے "حیات ولی" میں اس کو اخلاق و تصوف سے متعلق لکھا ہے لیکن نام سے اس کی وضاحت نہیں ہوتی۔

۳۶۔ الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عربی) مطبوعہ یہ رسالہ سلسلات کے نام سے معروف ہے، فن حدیث سے متعلق ہے۔

۳۷۔ الفوز الکبیر (فارسی) رسالہ کا تذکرہ و تعارف باب پنجم میں گزر چکا ہے۔

۳۸۔ فیوض الحرمین (عربی) کتاب زیادہ تر قیام حجاز کے زمانہ کے مشاہدات، حقائق باطنی، مسائل کلامی اور مسائل تصوف سے تعلق رکھتی ہے، یہ کتاب بھی خواص کے مطالعہ کی ہے، ان لوگوں کے دسترس سے بالاتر ہے جو فلسفہ اور تصوف میں پورا درک نہیں رکھتے۔

(ق)

۳۹۔ قرة العین فی تفضیل الشیخین (فارسی) حضرات شیخین کی فضیلت کے اثبات میں متعدد مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔

۴۰۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (عربی) عربی کا رسالہ ہے جس میں بیعت کا ثبوت، بیعت کی سنّت، بعض ابتدائی زمانوں میں اس کے عدم رواج اور پابندی نہ ہونے کے اسباب، حکمت بیعت، شرائط مرشد، شرائط مرید، صوفیا کی بیعت کے اقسام، تکرار بیعت کے حکم سے بحث کی گئی ہے، طریقہ تربیت اور تعلیم مرید کو بیان کیا گیا ہے، عالم حقانی کے صفات اور تذکیر و وعظ گوئی کے آداب کا ذکر ہے، پھر سلسلہ قادریہ چشتیہ، نقشبندیہ کے اشغال و مراقبات اور طریقہ مجددیہ کے اشغال کا مکملہ بھی ہے اور اصطلاحات کی تشریح بھی، شاہ صاحب نے اپنے خاندانی اعمال و تجربات کو بھی درج کر دیا ہے جو مختلف حالات اور ضرورتوں میں معمول بہا اور آزمودہ ہیں، مختصر کتاب ان طالبین کے دستور العمل اور ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتی ہے، جو ان سلاسل ثلاثہ میں کسی سے منسلک ہوں اور ان کو سنت حقہ کا اہتمام اور دعوت و اصلاح کا بھی ذوق ہو۔

کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو اس کتاب میں کہیں کہیں وہ متحدانہ و مجتہدانہ رنگ نظر نہیں آئے گا، جو شاہ صاحب کی اہم و مشہور کتابوں کی خصوصیت ہے، بلکہ اس کے بعض مندرجات توحید کے بارہ میں شاہ صاحب کے معروف عالمانہ اور مصلحانہ مسلک سے میل نہیں کھاتے، مثلاً اصحاب کہف کے ناموں کے بارہ میں لکھا ہے، "أسماء أصحاب الكهف امان من الغرق والحرق والنهب والشرق" پھر ان کے نام لکھے ہیں، حالانکہ یہ نام بھی کسی صحیح حدیث یا قطعی الثبوت ذریعہ سے ثابت نہیں ہیں۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ کتاب سفر حرمین (۱۱۴۳ھ - ۱۱۴۵ھ) کے بیشتر کی تصنیف ہے اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ کتاب میں جہاں اپنے مشائخ تصوف ان کی اجازت اور خرقوں کا ذکر کیا ہے وہاں اپنے محبوب و مرئی استاد شیخ ابوطاہر مدنی کا ذکر نہیں ہے حالانکہ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف میں اس کی صراحت موجود ہے شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

”ولست الخرقۃ الصوفیۃ عن الشیخ الی طاہر المدنی رحمہ اللہ
ولعلھا حاویۃ لخرق الصوفیۃ کلھا“

حدیث کی اسانید اور ان کے شیوخ میں بھی والد ماجد (حضرت شاہ عبدالرحیم) اور حاجی محمد افضل کا ذکر کیا ہے شیخ ابوطاہر اور شیوخ حجاز میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے حالانکہ اس موقع پر یہ ضروری اور ہر طرح قرین قیاس تھا۔

۱۔ الجزء اللطیف ص ۵۷ مطبوعہ سلفیہ لاہور۔

۲۔ ڈاکٹر مظہر بقا نے اپنی کتاب ”اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ“ (مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد پاکستان) میں لکھا ہے: ”یہ کتاب سفر حرمین کے بعد کی ہے“ (ص ۶۵)

لیکن یہ ایک مفروضہ سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا کہ ”یہ کتاب سفر حرمین کے بعد کی ہے“ قرآن اور داخلی شہادتیں جیسا کہ اوپر گذرا اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کتاب شاہ عبدالرحیم صاحب کی وفات ۱۱۳۱ھ اور سفر حج ۱۱۳۳ھ کے درمیان کی ہے جب شاہ صاحب کے متنبین اور طالبین سلوک کا ان کے فرزند جلیل (حضرت شاہ ولی اللہ صاحب) کی طرف رجوع ہوا۔

”القول الجمیل“ کے کتب خانہ ندوۃ العلماء میں دو قدیم مخطوط نسخے ہیں ایک نسخہ مولانا سید قطب اہمدی حسنی (م ۱۳۳۶ھ) کے قلم کا ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز کے ممتاز تلامذہ میں ہیں اور وہ مستند اور قدیم العہد نسخہ ہے جو مولانا حکیم بیہداحی حسنی کے کتب خانہ کا ہے جو کتب خانہ ندوۃ العلماء میں محفوظ ہے دوسرا نسخہ نواب سید صدیق حسن خاں کے کتب خانہ کا ہے۔

پھر بھی اس کتاب میں شاہ صاحب کا اصلاحی رنگ نمایاں ہو کر رہا ہے صوفیہ کی عبادت کے بعض طریقوں مثلاً صلوٰۃ معکوس کا اس بنا پر ذکر نہیں کیا ہے کہ اس کا سنت اور اقوال فقہاء سے ثبوت نہیں ہے، اسی طرح مصحف کو آگے پیچھے، دائیں بائیں رکھ کر ضرب لگانے سے اختلاف کیا ہے اور اس کو بے ادبی پر محمول کیا ہے، بعض احادیث پر جو ان سلاسل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلوک کی تلقین کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، محدثانہ کلام کیا ہے، شاہ صاحب کا مسلک اور اصلی ذوق اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے :-

”یہ وصیت ہے کہ صحبت نہ اختیار کرے صوفیان جاہل کی، اور نہ جاہلان عبادت شعار کی، اور نہ فقیہوں کی جو زاہد خشک ہیں، اور نہ محدثین ظاہری کی جو فقہ سے عداوت رکھتے ہیں، اور نہ اصحاب معقول اور کلام کی جو منقول کو ذیل سمجھ کر استدلال عقلی میں افراط کرتے ہیں، بلکہ طالب حق کو چاہئے کہ عالم صوفی ہو، دنیا کا تارک، ہر دم اللہ کے دھیان میں، حالات بلند میں ڈوبا ہوا، سنت مصطفویہ میں راغب، حدیث اور آثار صحابہ کرام کا متجسس، حدیث و آثار کی شرح اور بیان کا طلب کرنے والا، ان فقیہان محققین کے کلام سے جو حدیث کی طرف مائل ہیں نظر سے، اور ان اصحاب عقائد کے کلام سے جن کے عقائد ماخوذ ہیں سنت سے، جو ناظر ہیں دلیل عقلی میں بطریق تبرع اور عدم لزوم کے، اور ان اصحاب سلوک کے کلام سے جو جامع ہیں علم و تصوف کے، تشدد کرنے والے نہیں اپنے نفوس پر، اور نہ تدقیق سے کام لینے والے سنت نبویہ پر اضافہ کر کے۔“

اس کتاب میں شاہ صاحب کا تطبیقی ذوق (جو ان کو وراثت میں ملا تھا) اور ان کا فطری رجحان تھا) نمایاں ہو کر رہا ہے، انھوں نے مذاہب فقہاء میں سے کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دینے کو ناپسند کیا ہے، ان کے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان کو بالا جہاں قبولیت کی نظر سے دیکھے اور پیروی اس کی کرے جو صریح اور مشہور سنت کے موافق ہو۔

ہندوستان کے مخطوطہ نسخوں کے علاوہ یہ رسالہ مولانا محمد صادق مدراسی کے مختصر مقدمہ اور تشریحات کے ساتھ ۱۲۹ھ میں الکالج منصور محمد کے مطبع (ابجلیہ مصر) میں عبدالعال احمد کا کتابت کیا ہوا البتہ میں چھپا ہے اور کتب خانہ ندوۃ العلماء میں موجود ہے کتاب کا ترجمہ مولانا خاتم علی بلہوری (م ۱۲۷۷ھ) نے ۱۲۶۷ھ میں اردو میں کیا وہ لکھتے ہیں کہ ”جو حواشی مصنف قدس سرہ اور ان کے خلف الرشید علامہ عصر مسند ہر مولانا شاہ عبدالعزیز کے اس کتاب پر صحیح پائے مزید توضیح و تفسیر فوائد کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی ذیلی فوائد میں مندرج کر دیا“ یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۲۷۸ھ میں مطبع درخسانی میں اور دوسری بار ۱۳۰۷ھ میں مطبع نظامی کانپور میں چھپا۔

(ک)

۴۱۔ کشف الغین عن شرح الرباعیتین (فارسی) حضرت خواجہ باقی باقرؒ کی دو رباعیوں کی خواجہ کے قلم سے شرح ہے، اس شرح کی شرح شاہ صاحب نے فرمائی ہے، مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۷ھ میں شائع ہوئی۔

۴۲۲۔ لمعات (فارسی) مطبوعہ، علم تصوف سے متعلق ہے۔

۴۲۳۔ المقالة الوضیة فی النصیحة والوصیة (فارسی) "وصیت نامہ" کے نام سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے، مطبع مطیع الرحمن سے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی شرح کے ساتھ بھی ۱۲۶۸ھ میں دہلی سے شائع ہوا، قاضی صاحب کی تشریحات ان کے مشہور رسالہ ارشاد الطالبین سے ماخوذ ہیں۔

۴۲۴۔ المقدمة السنية فی الانتصار للفرقة السنیة (عربی) مجدد صاحب کے رسالہ "رد و افض" کا ترجمہ مع اضافہ فوائد ہے، ٹونک اور بھوپال کے کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں، حال میں مولانا ابوالحسن زید صامی مدنی کے اہتمام میں دہلی سے بھی شائع ہوا ہے۔

۴۲۵۔ المقدمة فی قوانین الترجمة (فارسی) مطبوعہ فتح الرحمن کے شروع میں بھی شامل ہے۔

۴۲۶۔ المسوی من أحادیث المؤطا (عربی) مؤطا کی عربی شرح دہلی سے دوبار اور مکہ معظمہ سے ایک بار شائع ہوئی۔

۴۲۷۔ مصفی (فارسی) مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ہے جو بڑے فوائد و تحقیقات پر مشتمل ہے، اور شاہ صاحب کی اہم کتابوں میں ہے، جلد اول مطبع فاروقی دہلی اور جلد ثانی مطبع مرتضوی دہلی سے ۱۲۹۳ھ میں طبع ہوئی۔

۴۲۸۔ المکتوب المدنی (عربی مطبوعہ) ایک اہم مکتوب وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے تقابل میں جو شیخ اسماعیل بن عبد اللہ شرومی کے نام لکھا گیا،

یہ ”التفهيمات الإلهية“ میں موجود ہے، نیز علیحدہ بھی بعض رسائل کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

۴۹۔ مکتوبات مع مناقب امام بخاری و فضیلت ابن تیمیہ (فارسی) مولوی عبدالرزاق صاحب ہنتم کتب خانہ نذیریہ نے شائع کیا، یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، کلمات طیبات کا ایک مکتوب جو امام بخاری کے مناقب میں لکھا تھا، اور ایک مکتوب جو حافظ ابن تیمیہ کے دفاع میں لکھا گیا ہے، لے کر جمع کر دیا گیا ہے۔

(ن)

۵۰۔ النیذۃ الایریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ (فارسی) اس میں شاہ عبدالرحیمؒ کے نانیہالی جد اعلیٰ شیخ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کے اسلاف و اخلاف کے حالات ہیں، ”انفاس العارفین“ کا جزء ۲ ہے، مجموعہ خمسہ رسائل مطبوعہ مطبع احمدی میں بھی شامل ہے۔

۵۱۔ النوادر من أحادیث سید الأوائل والأواخر (عربی) مطبوعہ مسلمات کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

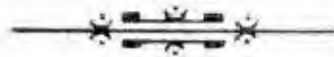
(۵)

۵۲۔ همعات (فارسی) ضخامت ۶۰ صفحے، متوسط سائز، مطبوعہ تحفہ محمدیہ در بیان نسبت الی اللہ تمہید میں کہا گیا ہے کہ ”جب اللہ تعالیٰ نے دین محمدیؐ کی حفاظت کا ذمہ لیا اور وہ تمام ادیان پر غالب ہوا، تو تہذیب نفوس عرب و عجم اور ان کے درمیان جو مظالم تھے، ان کا ازالہ بوجہ اتم وجود میں آیا، اور چونکہ دین محمدیؐ کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، ظاہر کا تعلق صور و مظاہر، تعین اوقات، اور

اوضاع و مقادیر سے ہے اور اس کا پورا اہتمام کیا گیا ہے اور تحریف کا سد باب کیا گیا، باطن کا تعلق طاعات کے انوار و آثار کے حصول سے ہے، اس کا تعلق دُوی چیزوں سے ہے، ظاہر کے حامل و اذنین پیغمبر ہیں، جنہوں نے ظاہر شرع کی حفاظت کی، ان میں فقہاء و محدثین، مجاہدین و قاری داخل ہیں، اور باطن کے حامل (جس کا نام احسان ہے) وہ انوار طاعات، صلاوت کے احساس اور اخلاق فاضلہ سے متخلّق اور احوال سنیہ کے حامل ہیں، (جو صوفیہ کرام ہیں) ان پر ہر زمانہ میں ان اشغال کا انقاء ہوا، جو اس زمانہ کے لوگوں کی طبیعت کے مناسب تھے اور ان کے کلام و صحبت میں اللہ تعالیٰ نے ایک جذب و تاثیر عطا فرمائی اور ان کو کرامات اور نور باطن سے نوازا اور ہر سلسلہ میں مخصوص اشغال و اورد کا تعین ہوا، اور لوگ ان کی پیروی کر کے فائز المرام ہوئے، ہر زمانہ میں ایک خانوادہ کے وابستگان اپنے خانوادہ کو دوسرے خانوادوں پر ترجیح دیتے ہیں یہ ایک طرح سے صحیح ہے، بعض پہلوؤں سے امتیاز ہوتا ہے، لیکن حصر صحیح نہیں

پھر شاہ صاحب نے ان خانوادوں اور ان خانوادوں سے نکلنے والی شاخوں اور ان کے بانیوں کا تذکرہ فرمایا، اس کے بعد شاہ صاحب نے ان تغیرات کلیہ کا ذکر کیا ہے جو طریق تصوف میں پیش آئے، اور عہد رسالت کے بعد زمانہ کے تغیر سے حصول احسان کے جو طریقے اور معالجات تجویز کئے گئے ان کا ذکر کیا، اس بارے میں شاہ صاحب نے جس دقیقہ رسی اور تحلیل و تجزیہ سے کام لیا ہے، وہ انھیں کا حصہ ہے، شیخ اکبر اور ان کے مسلک وحدۃ الوجود کے ظہور میں آنے کا بھی ذکر کیا ہے، آپ نے بتایا ہے کہ

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ مسلک تصوف کے سب سے بڑے مقتن اور مرتب ہیں، پھر ان کے نزدیک اس کے جو شرائط اور بنیادی ارکان ہیں، ان کا ذکر کیا ہے، پھر اپنے اپنے زمانہ کے جن مجددین و مجتہدین نے اپنے زمانہ کی استعداد و مزاج کے مطابق اس کا جو نصاب و دستور العمل مرتب کیا، اس کی تفصیل کی ہے، پھر شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے سالک کے لئے جو نصاب ہونا چاہئے وہ بیان کیا ہے، اور جن چیزوں کی طرف اس کی توجہ ہونی چاہئے، اس کو بیان کیا ہے، پھر اس طریق کے موانع اور مضار اسباب کا ذکر کیا ہے، اور ان کا طریق علاج بتایا ہے، اس راہ میں جو منزلیں پیش آتی ہیں، ان کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، پھر نسبتوں کا ذکر کیا ہے، اس سلسلہ میں صحابہؓ و تابعین اور جمہور صالحین کی نسبت کا ذکر کیا ہے، اور اس کو احسان سے موسوم کیا ہے، پھر اس کی تعریف کی ہے، پھر مختلف انسانوں کی استعدادات کا ذکر کیا ہے، اور طائفہ کو بھی بیان کیا ہے، پوری کتاب دقیق مضامین، لطیف نکات اور ذاتی تجربات سے اس طرح مملو ہے جیسے کوئی حاذق اور طویل تجربہ رکھنے والا طبیب انسانی مزاجوں، اجسام اور صحت و بیماری کے اسباب اور ان کے معالجات پر روشنی ڈالتا ہے۔



INDEX

انشکابیہ

تاریخ دعوت و علمیت نذر حصہ پنجم

مرتبہ

محمد غیاث الدین ندوی

مکتبہ و علمیت احمدیہ

شخصیات

۲۴۷	(علامہ) ابن رشد	سیدنا و نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۳	(سلطان) ابن سعود	(الف)
۱۶۴	(علامہ) ابن قیم الجوزیہ	(سیدنا حضرت) آدم علیہ السلام ۳۲۷، ۱۱۳۲
۲۶۰	(علامہ) ابن کثیر	(سیدنا حضرت) ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام
۳۵	(امام) ابن ماجہ	۲۴۲، ۲۴۱، ۱۵۴، ۱۱۹
۳۵	(علامہ) ابوالسحاق شیرازی	(سیدنا حضرت) اسماعیل علیہ السلام ۲۴۱
۳۴۱	(مولانا سید) ابوالاعلیٰ مودودی	(سیدنا حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۲۶۰، ۲۴
۱۴۸	(امام) ابوالحسن اشعری	۳۰۳، ۲۶۹
۴۱۲	(مولانا) ابوالحسن زید	(ابو محمد مولانا) ابراہیم آروی ۳۶۰
۳۹۳	(شیخ) ابوالحسن ندوی صغیر	(سلطان) ابراہیم شاہ ۲۸
۳۲	(علامہ) ابوالحسن ندوی کبیر	(شیخ) ابراہیم بغدادی ۱۷۹
۲۵۷، ۲۵۵	(علامہ) ابوالحسن علی الماوردی	(شاہ) ابراہیم طینی ۲۸۱
۱۴	(مولانا سید) ابوالحسن علی ندوی	(شیخ) ابراہیم کورانی کردی ۱۰۹-۱۱۲
۳۱	(علامہ) ابوجیان نخوی	ابراہیم خاں گاردی ۳۱۹
۲۵۵، ۲۰۳	(امام) ابو حنیفہ	(علامہ) ابراہیم نخعی ۲۰۳
۲۴۳، ۳۵	(امام) ابوداؤد	(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہ ۱۱۲، ۱۱۱، ۳۱
۸۲، ۸۰، ۷۷-۷۶	(شیخ) ابوالرضا محمد	۱۷۶، ۱۷۵، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۴، ۱۳۵
۴۰۶، ۸۶		۴۱۳، ۳۹۷، ۳۹۶، ۲۹۴، ۲۵۷، ۲۵۷
۳۴	(علامہ) ابوالسعود	(علامہ) ابن جوزی ۳۲۴
۳۵۸	(حضرت شاہ) ابوسعید دہلوی	(علامہ) ابن حزم ۲۰۸، ۲۰۴
۱۱۸، ۱۰۵	(حضرت شاہ) ابوسعید حسینی رائے بریلوی	(علامہ) ابن خلدون ۲۹۹، ۱۰۱، ۲۶

۳۶۰، ۲۲۳ (مولانا سید) احمد حسن امروہی	۳۸۹ - ۹۳، ۳۸۱، ۱۲۷، ۱۲۴، ۱۱۹
۳۸۰ (مولانا سید خواجہ) احمد حسنی نصیر آبادی	۲۰۵ (شیخ) ابوطالب مکی
۳۰۵ (نواب سید) احمد روہیلہ	۱۰۹-۱۲، ۳۳، ۱۶ (شیخ) ابوطاہر کردی مدنی
۳۵۸ (حضرت شاہ) احمد سعید دہلوی	۴۱۲، ۴۰۹، ۳۸۸، ۳۴۸، ۱۹۹، ۱۸۹
۹۲، ۳ (حضرت سید) احمد شہید رائے بریلوی	۱۸۳ (مولانا) ابوالعرفان خاں ندوی
۳۴۴، ۳۴۰، ۳۲۱، ۲۸۶، ۱۴۲، ۱۱۹	۸۳، ۸۲ (امیر) ابوالعلاء حسینی اکبر آبادی
۳۸۶، ۳۸۰، ۳۷۱ - ۷۳، ۳۶۹، ۳۵۹	۲۸۸ (میر) ابوالفضل (فوجدار)
۳۹۸، ۳۹۴	۳۶۳ (شیخ) ابوالفیض دہلوی
۳۵۹ (مولانا) احمد علی سہارنپوری	۸۳، ۸۲ (شیخ) ابوالقاسم اکبر آبادی
۱۰۶ (مولوی) احمد علی خیر آبادی	۳۹۴ (مولانا سید) ابوالقاسم ہنسوی
۱۱۲، ۱۱۰ (شیخ) احمد علی	(نواب) ابوالنصور خاں صفدر جنگ نیشاپوری
۳۷۲ (مولانا) احمد اللہ شاہ مدراسی	۳۶۳
(نواب فیروز جنگ نظام الملک) احمد شاہی	۳۸۴ (ابوالنصر فارابی)
۳۰۶، ۳۰۵	۲۳ (سید) ابونعمی
۴۶ (سلطان) احمد شاہ بن محمد شاہ	۳۱۵ (حکیم) ابوالوفاء کشمیری
(دردوراء) احمد شاہ ابدالی (درانی) ۱۷	۳۱۹ آباچی سندھیا
۲۹۶، ۲۹۳، ۲۸۴، ۲۸۰، ۲۵۷، ۳۰، ۲۹	۱۴۸ (مولوی) احسن مارہروی
۳۱۸، ۲۰، ۳۱۲ - ۳۱۵، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۵	۶۹ (شیخ) احمد
۳۶۶	۳۹۶ (ڈاکٹر) احمد امین مصری
(حضرت شیخ) احمد فاروقی مجدد دکنی مجدد الف ثانی	(مولانا) احمد بن ابوسعید اعظمی (ملاحیون)
۶۳ (سید) احمد کبیر	۵۹
۸۴، ۸۱، ۷۵ (حضرت سید) آدم بنوری	۲۰ (سلطان) احمد ثالث
۳۴۴	۱۲۸ (سرپرست) احمد خاں
۲۷۶ (آدنیہ بیگ)	۱۷۹ (شیخ) احمد بن اسماعیل ماندوی
۳۸۷، ۱۰۶ (سیدہ بی بی) ارادت خاتون	۲۰۳ (امام) احمد بن حنبل

(ت) (ط) (ث)

۷۸	(علامہ) تاج الدین سیکی
۱۹۹، ۱۱۲	(شیخ) تاج الدین قلعی حنفی
۳۰۵	تاج محمد خاں بلوچ
۷۳	(شیخ) تاج محمود جوہپوری
۳۱	(شیخ الاسلام) تقی الدین ابن دقیق العید
۷۸	(علامہ) تقی الدین سیکی
۲۸۳	(گرو) تیغ بہادر
۲۸۴	(شہزادہ) تیمور
۳۰	(سلطان) تیمور شاہ
۳۶۷	(سلطان شہید) ٹیمپو سلطان
۴۱۲، ۱۹۰	(قاضی) ثناء الشریانی پتی
۱۰۵	(سید) ثناء الشریانی پتی

(ج) (چ)

۱۹۱	(سیدنا حضرت) جابر بن عبد اللہ
۳۴۷	(مولوی) جبار اللہ (نزیل مکہ)
۱۰۰	(مولانا) جامی
۱۰۰	(مرزا) جان
۳۰۶	(افسر الدولہ) جان جہاں خاں
۲۰۸ (JOHN SORMAN)	سٹر جان سمرن
۷۰	جیداسی شاہی وردی خاں
۸۸۰، ۵۰۵، ۴، ۲۳	(مسٹر) جیدو ناتھ سرکار
۳۱۹، ۳۰۶	
۲۸۲	(سردار) جتاشنگھ کلامی
۱۰۶	(امام) جعفر صادق

۴۱۱، ۸۴، ۸۳، ۸۱	(خواجہ) باقی باللہ
۳۱۹	بالاجی
۴۱۳، ۱۸۹	(امام) بخاری
۳۳۰	(شاہ) بدیع الدین مدارکنپوری
۶۹	(قاضی) بدہ
۲۳	(سید) برکات (شریف مکہ)
۴۳	(ڈاکٹر) برنیر (BERNIER)
۳۵۹	(مولانا) بزرگ علی مارہروی
۳۱۹	بسواس راء
۳۵۹	(شاہ) بشارت الشہرانی
۱۱۵	(مولوی) بشیر الدین
۱۷۸	(امام) بغوی
۲۸۴، ۲۸۳	بندہ بیراگی
۳۸۴	بو علی سینا
۳۱۴	(نواب) بہادر خاں بلوچ
۴۶، ۴۹	(شاہ عالم) بہادر شاہ اول (محمد معظم)
۲۸۷، ۲۸۴، ۲۸۳، ۵۵، ۵۴	
۳۰۴	(سلطان ابوظفر) بہادر شاہ
۱۹۹	مرزا خواجہ بہاء الدین اکرم ندوی
۱۷۹	(شیخ) بہلول بدیشی (خواجہ گمان ہروی)
۳۱۹، ۲۷۷	(صدر) بھاؤ
۲۰۷	(امام) بیہقی
۱۰۶	پوہوی راج
۳۵۹	(شاہ) پیادہ سطا مولوی
۲۶	پیشوا اعظم

۱۱۲/۱۱-۳۳	(شیخ) حسن العجمی	۴۵	(شیخ) جلال
۳۶۳	(سید) حسن علی خاں	۲۸۱	(پیر) جلال
۳۸۶/۳۵۸	(مرزا) حسن علی شافعی لکھنوی	۴۱	(شیخ) جمال
۲۴۱	(سید اکبر سیدنا) حسن مجتبیٰ	۳۹۳	(مولانا) جمال الدین بن محمد صدیق قطب
۱۵۴/۲۹۱/۲۴۲/۲۴۱/۲۲۰	(سیدنا امام) حسین	۲۴۳/۲۲۱	(مدارالہمام مولانا) جمال الدین خاں
۳۶۰	(مولانا) حسین احمد مدنی	۴۲	(میر) مجلہ
۳۵۸	(مولانا) حسین احمد ملیح آبادی محدث	۴۱	جمیل الدین بدایونی علیگ
۲۶	(سلطان) حسین شاہ	۴۱۵	(حضرت) جلیل بغدادی
۳۶۳	(سید) حسین علی خاں	۳۲۰/۲۴۴	(مرزا) جواں بخت
۶۲/۵۳/۵۱/۵۰	(امیرالامراء) حسین علی خاں	۱۴۹	(شیخ) جوہر کشمیری
	(الامام المنصور بالشر) الحسین بن المتوکل علی الشر	۳۲۰/۲۸۲	(شہنشاہ) جہانگیر
۲۵		۳۱۹	جی سندھیا
۵۹	(ملا) حمد اللہ سندیلوی	۲۸۲	J. P. CUNNINGHAM
۳۸۴	(سیدہ) حمیرہ بنت علم الہدیٰ	۲۸۲	چندولال
۳۵۰	(امیر) حیدر بن نوراحسین بلگرامی		(ح)
۲۸۱/۲۴۵/۳۵۸	(مولانا) حیدر علی رامپوری ٹوکی	۸۵	(ملا) حامد
۳۸۱/۳۵۴	(علامہ) حیدر علی فیض آبادی	۳۶۲/۳۶۱	(مولوی سید) حامد حسین کنتوری
	(خ)		(نواب صدیق جنگ مولانا) حبیب الرحمن خاں شروانی
۲۶۹	(سیدنا حضرت) خالد بن	۳۶۵	
۳۸۰	(ام المؤمنین حضرت) خدیجہ	۱۰۲	حریری
۲۸۸	(امیر) خافی خاں	۶۴	(سالار) حسام الدین
۲۱	(سلطان) خدیو محمد علی	۳۵۴/۲۴۱/۲۲۰	(سیدنا امام) حسن
۴۱۱/۳۵۸	(مولانا) خرم علی بلہوری	۲۸۱	(شیخ سید) حسن
۲۸۲	(شہزادہ) خسرو	۲۰۱/۱۹۱/۹	(امام) حسن بصری
۲۱۹	(علامہ) خطابی		(شیخ) حسن بن محمد العلقمی (نظام پیشاپوری دولت آبادی)
		۱۲۵	

۵۰	رتن چند	۳۶۰	(حضرت مولانا) خلیل احمد سہارنپوری
۵۰	(راجہ) رتن سنگھ	۲۲۱	(مولانا) خلیل احمد سہارنپوری
۲۰۷	(مولانا) رحیم بخش	۲۲	(امیر) خلیل پاشا
۲۸	(سلطان شاہ) رخ مرزا	۳۴	خلیفہ چلی
۵۹	(مولانا) رستم علی قنوجی	۲۸۸، ۲۸۷، ۱۸۱	(پروفیسر) خلیق احمد نظامی
۱۵۸	(مولوی) رشید احمد انصاری	۳۲۰، ۳۱۰، ۳۰۷، ۲۹۶	
۳۶۰	(حضرت مولانا) رشید احمد گنگوہی	۶۵	(امیر) خورد
۳۸۱	(مولانا) رشید الدین دہلوی	عبدالشر	(خواجہ) خورد دیکھ
۱۸۳	(علامہ) رشید رضا مصری	۳۷۷	(فتی) خیر الدین
۲۶	(سلطان) رفیع الدرجات ابن رفیع القدر	ذ	
۵۴، ۴۷		۲۷۶	داتا گنجی سندھیا
۲۶	(سلطان) رفیع الدولہ ابن رفیع القدر	۳۶۰	(مولانا) داؤد غزنوی
۵۴، ۴۷		۳۶۲	(مولوی) دلدار علی مجتہد
۱۷۹	(شیخ) رفیع الدین چشتی شیرازی	۱۰۰، ۳۶	(محقق) دوآنی
۱۲۸، ۱۲۳، ۱۰۶	(شاہ) رفیع الدین دہلوی	۳۰۷	(نواب) دونمے خاں روہیلہ
۳۸۱، ۳۴۹، ۳۴۸، ۳۴۵، ۱۵۰، ۱۴۹		۴۲	ڈی پی مہاجن
۴۰، ۳۱، ۳۸۹، ۳۸۷، ۳۸۵، ۳۸۲		۲۷۸، ۴۹، ۴۸	(مولوی) ذکاء اللہ دہلوی
۸۲، ۷۹، ۷۳	(شیخ) رفیع الدین محمد	۳۱۹، ۳۱۸، ۳۰۶، ۲۸۹	
۲۸۲	رگھو	۳۵۱	(استاد) ذوق
۲۷۶	رگھوناتھ راؤ	س	
۲۵۲	(آیت اللہ العظمیٰ الامام) روح الشرائع نجفی	۱۷۹	(شیخ) راجح بن داؤد گجراتی
۲۸۹، ۲۸۶، ۲۸۵	(مہاراجہ) رنجیت سنگھ	۲۸۸	راجہ رام
سن		۲۴۷	(امام) رازی
۸۲، ۳۸، ۳۷	(مرزا قاضی) زاہد پروی (میرزاہد)	۳۸۶	(علامہ) راغب اصفہانی
۱۱۰	(علامہ) زر کلی	۲۸۸	رام پیرہ

۲۹۶، ۲۸۹	(راجہ) سورج ل	۳۸۶	(علامہ) زمخشری
۱۳۸، ۶۳	سیتلادیوی	۱۹۶	(علامہ) تربیع
۲۲۱	(شیخ) سید سابق مصری	۲۴	(امام) زید بن زین العابدین
۳۶۲	(سلطان العلماء) سید محمد	۳۲۱، ۳۲، ۱۵۷	(نواب) زمیت محل
	(ش)	۱۹۹	(شیخ مخدوم) زین الدین طیباری
۲۱۳، ۲۰۷، ۲۰۳	(امام) شافعی		(س)
۲۲، ۲۸۸، ۲۸۳، ۴۴	شاہ جہاں یاد شاہ	۱۱۳	(شیخ) سالم بن عبداللہ بصری
۲۷۷	شاہ جہاں ثانی	۲۷۶	ساجی سندھیا
۲۵۶	(ملک) شاہ سلوکی	۴۸	(ڈاکٹر) شیش چندر
۴۶	(سلطان) شاہ عالم ثانی بن عزیز الدین	۶۳	(شیخ) سدو
۵۸، ۵۷، ۷۷		۳۶۷	سراج الدولہ
۳۶۷، ۳۲۱، ۳۲، ۱۹۲، ۲۷۷	شاہ عالم ثانی گروہ	۳۶۰	(شیخ) سعد بن احمد نجدی
۲۴۷، ۴۳	(علامہ) شمس قناری	۲۶۱، ۱۴۵، ۱۴۴	(شیخ) سعدی
۷۳	(شاہ) شجاع	۲۱	(سلطان) سعود بن عبدالوہاب
۳۰۷، ۲۸، ۱۵۷	(نواب) شجاع الدولہ	۱۱۰	(شیخ) سعید کوکئی
۳۶۷، ۳۶۳، ۳۱۸، ۲۰		۳۵۷	(نواب) سکندر بیگم
۳۶۸	(نواب) شجاع الملک	۷۵	(سلطان) سکندر لودھی
۲۵	(امام) شرف الدین	۲۳	(سلطان) سلیم
۲۸۱	(شاہ) شرف الدین	۳۳	(شیخ) سلیمان بن الابدل
۲۳	(امیر) شریف حسین	۳۶۹	(شاہ) سلیمان چترالی
۱۴۵	(علامہ) شریف علی جرجانی	۲۵	(سلطان) سلیمان قانونی
۳۹	(امیر) شکیب ارسلان	۲۹۲، ۱۶۷، ۶۴	(مولانا) سید سلیمان ندوی
۱۲۷، ۱۳	(مولوی) شمس تبریز خاں	۲۵	(سلطان) شان پاشا
۳۶۰	(مولانا) شمس الحق ڈیوانوی	۲۶۱	(ملک) سنجر
۶۵-۶۹	(شیخ) شمس الدین مفتحی	۵۸	سندھیا

طباطبائی دیکھئے غلام حسین	۳۱	(علامہ) شمس الدین ذہبی
۳۶، ۲۶ (شاہ) طہماسپ صفوی	۳۱۹	شمشیر بہادر
۳۰ (سلطان) ظاہر شاہ	۲۷۷	شکر راؤ
۳۵۹ (شیخ) ظہور الحق پھلواری	۱۷۹	(شیخ) شہاب الدین احمد مصری
۳۴۷ (مولوی) ظہور الشمر آبادی	۱۰۰	(ملک العلماء شیخ) شہاب الدین دولت آبادی
۲۰۵، ۳۹۹، ۱۱۶ (سید) ظہیر الدین احمد دہلوی	۱۰۶	(سلطان) شہاب الدین غوری
(۷) (سیدنا حضرت) عزیز	۲۶۹	(علامہ) شہاب الدین محمود آلوسی
۱۳۵ (ام المؤمنین حضرت) عائشہ	۳۶	(شیخ) شہاب الدین بہروردی نقول
۳۶۴، ۲۴۲ (سیدنا حضرت) عمر فاروق	۱۸۱	(مولانا) شیخ الاسلام شایخ بخاری دہلوی
۲۱۹، ۶۶، ۲۴	۱۸۲	شیواجی
۳۰، ۳۱، ۲۷۱، ۲۷۰	۲۷۹	(ص) (ض)
۲۷۱ (سیدنا حضرت) عثمان	۳۵۸، ۲۵۴	(مولانا مفتی) صدر الدین دہلوی
۷۷، ۱۳۸، ۲۴ (سیدنا حضرت) علی مرتضیٰ	۳۸۱	(علامہ میر) صدر الدین شیرازی
۲۷۱، ۲۷۰	۳۶۱-۱۳۶	(امیر الملک نواب سید) صدیق حسن خاں بہادر
عالمگیر اعظم دیکھئے اورنگ زیب	۱۹۱	
۳۶۵ (شیخ الاسلام) عارف حکمت پے	۲۰۹، ۳۸۰، ۳۷۵، ۲۲۱	
۳۵۹ (مولانا سید) عالم علی مراد آبادی	۱۷۸	(امام) صفائی
۳۶ (شاہ) عباس صفوی	۵۹	(شیخ) صفۃ الشریف آبادی
۳۷۶ (مولوی) عبدالاحد	۲۷۶	(نواب) صفدر جنگ
۱۱۳ (شیخ) عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید سرہندی	۸۸	(شیخ) صلاح الدین بن شاہ عبدالرحیم
۱۸۰ (شیخ) عبدالاول حسین	۱۰۵، ۱۹۷	
۳۶۰ (شیخ) عبد الجبار غزنوی	۱۹۱	(شیخ) صلۃ بن اشیم العدوی
۲۲۵، ۲۲۱، ۱۴۵ (مولانا) عبدالحق حقانی	۳۷۲	(حضرت حافظ) ضامن شہید
۲۴۸ (شیخ) عبدالحق محدث دہلوی	۱۷۹	(شیخ) ضیاء الدین مدنی
۱۸۱، ۱۸۰، ۱۱۰، ۶۵ (شیخ) عبدالحکیم بن شیخ وجیہ الدین		(ط) (ظ)
۸۰، ۷۴ (ملا) عبدالحکیم یالکوٹی	۳۴	طاش کبری زادہ

۳۶۳، ۳۶۱، ۳۴۹-۵۶، ۳۴۶	۷۸ (مولانا) عبدالحکیم لکھنوی
۳۷۵، ۳۷۳، ۳۷۱، ۳۶۷، ۳۶۵	۳۴۸ (مولانا) عبدالحی بن ہمتہ الشریف ڈھانوی
۳۸۹، ۳۸۵-۸۷، ۳۷۹-۸۲، ۳۷۷	۳۸۵، ۳۷۷، ۳۵۹
۴۱۱، ۴۰۹، ۴۰۴، ۳۹۴، ۳۹۰	۸۰ (شیخ) عبدالحی
۸۴، ۸۲، ۷۳، ۷۲، ۷۱ (شیخ) عبدالحی بن شکر یار	۱۰۱، ۸۵، ۷۰ (مولانا) حکیم سید عبدالحی حسنی
۴۱۳، ۴۱۲۸	۳۶۱، ۳۴۶، ۱۸۳، ۱۷۷، ۱۴۲، ۱۱۶
۲۵۶ (ڈاکٹر) عبدالمعظم الدیب	۴۰۹، ۳۹۰
۳۴۵، ۱۰۶ (شاہ) عبدالحی دہلوی	۲۵۱، ۷۸ (مولانا) عبدالحی فرنگی محلی
۳۸۷، ۳۸۵، ۳۴۸	۲۸۱ (پیر) عبدالحی
۳۳ (شیخ) عبدالحی نابلسی	۳۵۹ (قاری) عبدالحی پانی پتی
(حضرت شاہ) عبدالحی مجددی مہاجر مدنی	۳۶۰ (مولانا) عبدالحی مبارکپوری
۳۶۰، ۱۹۱	(حضرت شاہ) عبدالحی رحیم
۶۹ (شیخ) عبدالحی بن عبدالحکیم	۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۰، ۹۸، ۹۷، ۷۳-۸۹
۱۹۵ (شیخ) عبدالحی الفتاح البغدادی	۴۱۳، ۴۰۹، ۴۰۱، ۳۰۵، ۱۴۸، ۱۲۹، ۱۲۸
۱۲۸، ۷۷ (سیدنا) عبدالحی القادر جیلانی	۴۱۳ (مولوی) عبدالحی
(مولانا) عبدالحی قادر خان خالص پوری	۶۰ (حضرت سید) عبدالحی الرزاق بانسوی
۳۹۳	۲۵۶ (مولوی) عبدالحی الرزاق کانپوری
(حضرت شاہ) عبدالحی قادر دہلوی ۱۰۶	۳۹۳ (میر) عبدالحی السلام بدشتی
۳۴۵، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۱، ۱۴۰	۲۷۴ (مولانا) عبدالحی الشکور فاروقی لکھنوی
۴۰۷، ۳۸۵-۸۷، ۳۸۱، ۳۴۹، ۳۴۸	۴۱۱ (مولوی) عبدالحی العالی احمد (کاتب)
۳۵۹ (مفتی) عبدالحی القیوم ڈھانوی	۳۸۵ (شاہ) عبدالحی العدل دہلوی
۳۹۸ (خلیفہ سید) عبدالحی	۶۰، ۳۷ (حضرت شاہ) عبدالحی بن دہلوی
۳۷۲ (مولانا) عبدالحی	۱۱۵-۱۷، ۱۱۱، ۱۰۸، ۱۰۶، ۱۰۵، ۶۲
۸۲، ۸۱ (حافظ سید) عبدالحی	۲۸۹، ۱۹۰، ۱۵۰، ۱۴۲، ۱۳۷، ۱۲۲
۳۹۳ (مولانا) عبدالحی آفندی	۳۴۵، ۳۴۰، ۳۲۱، ۳۰۷، ۲۹۱

۳۵۹	(مولانا) عبدالمنان وزیر آبادی	۳۹۱، ۱۱۸	(ملا) عبدالشرعیطھوی
۱۷۹	(شیخ) عبدالنبی گنگوہی	۱۱۰	(شیخ) عبدالشربری
۳۹۱	(حافظ) عبدالنبی (عبدالرحمن)	۳۶۰	(شیخ) عبدالشرین ادیس حنی سنوسی
۱۹۹	(شیخ) عبدالوہاب متقی	۲۵۶	(شیخ) عبدالشرین ابراہیم انصاری
۷۶	(شیخ) عبیدالشر	۳۳	(شیخ) عبدالشرین حسین الشویدی
۸۳	(خواجہ) عبیدالشر احرار	۵۰	(قطب الملک) عبدالشرخان (حسن علی)
۳۹۲، ۱۱۳، ۱۰۳	(شیخ) عبیدالشر بھلتی صدیقی	۵۳، ۵۱	
۳۰۵	(نواب) عبیدالشر خان کشمیری	۲۱	(امیر) عبدالشرین سعود
۳۹۰، ۱۹۲	(مولانا) عبیدالشر ندھی	۱۱۲	(شیخ) عبدالشرین سالم بصری
۱۳	(مولوی) عتیق احمد	۸۱	(شیخ) عبدالشرین عبدالباقی (خواجہ خورد)
۲۱، ۲۰	(سلطان) عثمان ثالث	۴۰، ۴۱، ۸۲	
حسن	(شیخ) عجیب دیکھے	۳۸۰	(شیخ) عبدالشر سراج مکی
۲۹۹	(عرفی شاعر)	۶۹	(شیخ) عبدالشرین عبدالغنی
۲۱۹	(شیخ الاسلام) عزالدین بن عبدالسلام	۱۷۹	(شیخ) عبدالشر سلطانپوری
	(سلطان) عزیزالدین عالمگیر جہاندار شاہ	۳۶۰	(مولانا حافظ) عبدالشر غازی پوری
۴۶			(عارف بالشیرید) عبدالشر غزنوی امرتسری
۱۰۰	(شیخ) عزیزالشر ملتانوی	۳۵۹	
۲۲۱	(مولانا) عطاءالشر حنیف	۱۱۰	(شیخ) عبدالشر لاہوری
۳۱	(علامہ) علماء الدین الباجی	۱۰۰	(شیخ) عبدالشر ملتانوی
۲۱۶	(علامہ) علال الہاسی مراکشی	۳۹۳	(شیخ) عبداللطیف حنیفی مصری
۱۱۹، ۱۱۸	(حضرت شاہ) علمالشر حنی	۳۹۸	(مولانا) عبدالماجد دریابادی
۳۸۷	(شاہ) علم الہدیٰ نصیر آبادی	۱۷۹	(شیخ) عبدالمعطی مکی
۵۹	(شیخ) علی اصغر قنوجی	۶۹	(شیخ) عبدالملک
۳۵۸	(مولانا مفتی) علی کبیر بھیلی شہری	۳۵	(امام الحرمین ابوالمعالی) عبدالملک الجونی
۲۲	(امیر) علی بے	۲۷۰	(خلیفہ) عبدالملک بن مروان

۵۹	(مولانا) غلام نقشبند لکھنوی	۲۸	(سلطان) علی قلی عادل شاہ
	(حضرت) غوث الاعظم دیکھئے	۱۸	(حکیم) علی گیلانی
	عبدانقادر جیلانی	۱۹۹، ۱۷۵	(علامہ) علی قاری
۱۰۰، ۳۶	(میر) غیاث الدین منصور	۱۹۹، ۱۷۶، ۱۷۴	(علامہ) علی متقی برہانپوری
۱۳	(محمد) غیاث الدین ندوی	۱۷۹	(شیخ) علیم الشریانڈوی
	(ف)	۳۰۵	(وزیر) عماد الملک
۱۰۰، ۳۶، ۱۸	(امیر) فتح الشریازی	۹	(خلیفۃ المسلمین) عمر بن عبدالعزیز
۶۰	(شاہ) فخر الدین دہلوی (شاہ فخر)	۳۵۹	(مفتی) عنایت احمد کاکوروی
۱۰۵	(شاہ) فخر العالم	۲۴۲	(قاضی) عیاض
۹۸	(بیہ) فخر النساء		(غ)
	(سلطان محمد) فرخ سیر ابن عظیم الشان	۱۱۳	غازی الدین خاں
۲۹۶، ۲۸۴، ۱۸۹، ۵۱، ۵۰، ۴۷، ۴۶		۶۳	غازی میاں
۲۸۱	(شیخ) فرید ثانی (پٹنی)		(حجۃ الاسلام) امام ابو حامد الغزالی
۴۰۵	(مولوی) فضل احمد کراچی		دیکھئے محمد الغزالی
۳۸۵، ۲۵۰	(مولانا) فضل حق خیر آبادی	۵۲، ۴۹، ۴۷	غلام حسین طباطبائی
	(حضرت مولانا) فضل الرحمن گنج مراد آبادی	۱۳	(مولوی محمد) غفران ندوی
۳۵۹		۳۴۷	(شیخ) غلام حسین مکی
۱۲۲	(بابا) فضل الشر	۳۷۰	غلام حیدر خاں
۱۹۹	(شیخ مخدوم) فقیہ علی مہایمی	۳۷۶، ۲۸	(مولانا) غلام رسول مہر
۳۱۳	(مسٹر) فیروز	۳۶۰	(مولانا) غلام رسول قلعوی
۷۱	(شیخ) فیروز	۵۹، ۳۶	(مولانا) غلام علی آزاد بلگرامی
	(ق)	۲۷۹، ۶۱	
۵۷	(میر) قاسم	۳۵۸، ۱۱۶	(حضرت شاہ) غلام علی دہلوی
۱۲۲	(میر) قاسم علی	۴۰۵	(مولانا سید) مصطفیٰ قاسمی
۲۵	قاسم بن حسین (امام مین)	۵۸	غلام قادر دہیلہ

۲۸	(سلطان) لطف علی	۷۳	(شیخ) قاضی خاں ظفر آبادی
	(اتحاد العلماء مولانا) لطف الشکر علی گڑھی	۱۹۱	(شیخ) قرہ بن خالد السدوسی
۳۵۹		۶۹	(شیخ) قطب الدین
	(ڈاکٹر) لوتھر اپ اسٹارڈ	۳۵۹	(نواب) قطب الدین دہلوی
۳۹	(LOTHROP STODDARD)	۳۶۳	(شیخ) قطب الدین احمد
۳۷۲	(مولانا) لیاقت علی آبادی	۹۸	(خواجہ) قطب الدین بختیار کھلی
۵۸	(لارڈ) لیک	۱۷۹	(شیخ) قطب الدین عباسی گجراتی
	(۳)		(امیر کبیر سید) قطب الدین نجاد مدنی ۹۲
۱۳۵	سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام		(علامہ) قطب الدین نہروالی (پٹنی) ۱۹۹، ۲۵
	(امام) مالک ۴۱۲، ۳۹۹، ۲۰۳	۷۳	(شیخ) قطب العالم
	ماوردی دیکھئے ابوالحسن علی		(مولانا سید) قطب لہدیٰ حسنی محدث رائے بریلی
	ماونٹ اسٹوارٹ انفنٹن دیکھئے انفنٹن	۴۰۹، ۳۵۸، ۳۴۸، ۱۴۲	
۵۹	(قاضی) مبارک گوپاموی	۶۲، ۵۶	(نواب) قمر الدین خاں
۲۸۱	(میاں) مٹھا	۳۴۸	(سید) قمر الدین سونی پتی
	(امام ربانی) مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی)		(ک) (ک)
۲۴۶، ۴۴۴، ۳۳۹، ۱۱۳، ۷۸، ۸۳، ۷۵، ۱۰		۳۷۰	(شہزادہ) کامران
۴۱۲		۳۷۶	(مولانا) کرامت علی بونپوری
۳۰۵	(نواب) مجدد الدولہ بہادر	۲۸	(سلطان) کریم خاں ژند
۳۶۱، ۵۹	(قاضی) محب الشہبازی	۶۰	(شاہ) کلیم الشہباز آبادی
۳۸۶	(مولانا سید) محبوب علی جعفری	۶۹	(شیخ) کمال الدین مفتی
۳۵۲، ۲۵۰، ۱۱۰	(علامہ) محسن بن یحییٰ ترمذی	۳۱۳	C. COLLIN DOVIES
۳۸۴، ۳۸۳، ۳۶۱		۳۱۳	(ڈاکٹر) گنڈا سنگھ
۱۱۲	(امام) محمد	۲۷۸	گنگارام (شاعر)
۲۷۳، ۲۲۱	(مولانا) محمد احسن صدیقی	۲۸۳، ۲۷۶	گویند راءے بندیلہ
۳۴۸، ۱۱۹۱	(مولانا شاہ) محمد اسحاق عمری دہلوی		(ل)
۳۸۶، ۳۸۰، ۳۷۹، ۳۵۸، ۶۰، ۳۵۵، ۳۴۹			

۳۹۵	(امیر) محمد بن سعود	۳۷	(قاضی) محمد اسلم ہروی کابل
۲۵۱، ۲۴۵، ۱۲۲، ۱۰۵	(شیخ) محمد بن شاہ ولی اللہ	۳۲۱، ۲۸۶، ۹۱	(مولانا شاہ) محمد اسماعیل شہید
۳۳	(علامہ) محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۳۸۵، ۳۸۰، ۳۷۸، ۳۷۷، ۳۷۶، ۳۷۵، ۳۷۴	
۲۲	(امیر) محمد بن عبد اللہ	۳۸۷	
۳۹۴-۹۷، ۲۱	(شیخ) محمد بن عبد الوہاب النجدی	۴۷	(سلطان) محمد اعظم شاہ
۱۱۸	(حضرت سید) محمد بن شاہ علم اللہ	۱۴۲	(میاں) محمد اعظم عثمانی نصیر آبادی
۳۳، ۲۵	(علامہ) محمد بن علی الشوکانی	۵۹	(مولانا) محمد علی تھانوی
۲۹۴	(سلطان) محمد بن قلاوون	۳۵۹	(حضرت شاہ) محمد آفاق دہلوی
۳۶۰	(شیخ) محمد بن ناصر نجدی	۴۰۹	(الحاج) محمد افضل
۲۲	(سردار) محمد بے (الوالد زہب)	۴۰۹، ۱۱۳	(شیخ) محمد افضل ریا لکوٹی
۹۸، ۹۷، ۸۸، ۷۶، ۷۵	(شیخ) محمد بھلانی صدیقی	۳۷۹	(مولانا شاہ) محمد افضل عمری
۴۰۶، ۱۰۷		۲۸۵	(پروفیسر) محمد اقبال
۸۲	(شیخ سید) محمد ترمذی	۴۰۴	(مولوی) محمد اکرم ندوی
۳۴۷، ۱۲۲	(شیخ) محمد جواد بھلانی	۱۱	(حضرت مولانا) محمد ایاس کاندھلوی
۵۹	(مولانا) محمد حسن فرنگی علی (لاحسن)	۳۵۷	(ابوالفرید) محمد امام الدین
۳۵۱	(مولوی) محمد حسین آزاد	(خواجہ) محمد امین ولی اللہی کشمیری (جمال الدین شاہ)	
۳۶۰	(مولانا) محمد حسین بٹالوی	۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳	
۱۹۹، ۳۲	(مولانا) محمد حیات سندی	۴۰۳، ۱۶۴	(مولانا) محمد اویس ندوی نگرانی
۳۷۷	(نواب) محمد خاں عالم خاں بہادر تھوڑجنگ	۱۰۶	(ڈاکٹر) محمد باقر
۴۰۲، ۶۶	(مولانا حافظ) محمد حمید بخش دہلوی	۱۳	(مولانا) محمد برہان الدین سنہلی
۲۷۱	(ڈاکٹر) محمد رواس قلعہ جی	۳۶۰	(مولانا) محمد بشیر سہسوانی
۱۹۳، ۱۹۲	(شیخ الحدیث مولانا) محمد زکریا سہارنپوری	۱۱۷	(مولوی) محمد بشیر الدین صدیقی
۴۶۰		۳۸۸	(حضرت) محمد بن ابی بکر الصدیق رضی
۴۳	محمد ساقی مستعد خاں	۳۳	(شیخ) محمد بن احمد السفارینی
۴۰۴	(پروفیسر) محمد سرود	۳۲، ۲۵	(امیر) محمد بن اسماعیل اکسی الصغانی
۳۴۴	(خواجہ) محمد سعید	۶۵	(شاہ) محمد بن غوثی ملاوی

۳۶۲	حکیم مرزا) محمد کمال دہلوی	۳۳	(علامہ) محمد سعید انبیل
۱۷۹	(شیخ) محمد مالکی مصری	۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴	(سلطان) محمد شاہ ابن جهان شاہ
۲۱۶	(استاد) محمد البارک	۳۰۳، ۲۹۶، ۱۱۵، ۶۱، ۵۳-۵۷	
۳۴۴-۴۶	(خواجہ) محمد معصوم	۳۹۱	(سید) محمد صابری
۱۲۷	(سید) محمد معین (ابن سید محمد ضیاء)	۳۴۴	(خواجہ) محمد صادق
۱۹۰	(مولانا) محمد معین ندوی	۴۱۱	(مولانا) محمد صادق درازی
۱۱۲	(استاد) محمد المغربي	۱۷۹، ۱۷۶، ۱۷۴	(علامہ) محمد طاہر مٹھی
۳۹۳	(شیخ) محمد میرداد انصاری	۶۰	(شیخ) محمد عابد شامی
۶۰	(خواجہ) محمد ناصر عندلیب	۱۲۲، ۱۱۵، ۱۱۳، ۷۶	(شیخ) محمد عاشق پھلتی
۱۴۲، ۱۱۱، ۸	(مولانا سید) محمد نعمان حسینی	۳۴۸، ۳۴۷، ۳۱۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۲۲۰، ۱۱۲۶	
۳۹۴، ۳۴۸	(مولانا) محمد واضح حسینی رائے بریلوی	۳۹۴، ۳۹۱، ۳۸۷، ۳۸۲، ۳۸۱	
۱۹۹، ۱۱۲	(شیخ) محمد وفد الشراکلی	۷۵	(شیخ) محمد عاتق
۱۳	(مولوی) محمد ہارون ندوی	۱۲۲	(میر) محمد عتیق
۳۴۴	(خواجہ) محمد کبیری	۱۱۹	(حضرت سید) محمد عدل (شاہ لعل)
۳۶۰	(مولانا) محمد کبیری کاندھلوی	۳۷۶	(مولانا سید) محمد علی واعظ رامپوری
۳۸۰، ۳۵۹، ۳۵۸	(مولانا شاہ) محمد یعقوب دہلوی	۱۴۸، ۳۵	(حجۃ الاسلام) امام ابو حامد محمد الغزالی
۶۹	(شیخ) محمد	۳۲۳، ۲۵۶، ۲۴۷، ۲۱۹	
۲۲، ۲۰	(سلطان) محمد داول	۶۰	(شاہ) محمد غوث قادری لاہوری
۳۶۰	(شیخ الہند مولانا) محمد حسن دیوبندی	۱۷۴	(شیخ) محمد غوث گویا ری
۲۶	(سلطان) محمد حسان غلزنئی	۱۹۸	(مولانا) محمد فائز الزاہری آبادی
۳۶۷	محمد خلیل محمد بنگلوری	۱۷۹	(شیخ) محمد فاکھی حبیلی
۱۰۶، ۳۰، ۱۲۹	(سلطان) محمد غزنوی	۱۲۲، ۱۰۷	(مولوی) محمد فائق پھلتی
۵۷، ۴۶	(سلطان) محی السنہ بن کام بخش	۲۱	(استاد) محمد فرید المحامی
۵۱، ۴۸، ۴	(شیخ اکبر) محی الدین ابن عربی	۳۶۰	(حضرت مولانا) محمد قاسم نالوتوی
۲۷۰	مختار عراقی	۳۶۲	(مفتی) محمد قلی خان کنتوری
۳۴، ۳۳	المرادی		

۲۸۴	معین الملک (میرمنو)	۱۳	(مولوی سید) مرتضیٰ نقوی
۱۰۰	ملا زادہ	۱۹۰	(علامہ سید) مرتضیٰ بلگرامی زبیدی
۳۱۹، ۳۰۷، ۲۷۶	لمہ راؤ ہلکر	۳۸، ۳۶	(فاضل) مرزا جان
۳۲۶	(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی	۲۸۸	مرشد قلی خاں (فوجدار)
۲۱۱	(اکھاج) منصور محمد	۳۰۴	(خلیفہ) مروان بن محمد (مروان اکھار)
۷۰، ۶۹	(شیخ) منصور	۲۶۰	(خلیفہ) مترشد بالشر
۶۰	(شاہ) غیب اللہ بالاپوری	۳۰، ۲۶۱، ۲۶۰	(خلیفہ) متعصم بالشر
۵۴	(ملکہ) مہر پرورد	۳۹۱	مسعود انور علوی علیگ
۲۴	(امیر قاضی) میرزا ہدیکھے	۲۳	(امیر) مسعود بن سعید
۶۰	(خواجہ) میر درد	۲۶۱، ۲۶۰	(سلطان) مسعود سلجوقی
(ن)		۳۹۵	(مولانا) مسعود عالم ندوی
۵۱، ۲۶، ۲۹، ۱۷	(سلطان) نادر شاہ افشار	۳۳۰	(مید سالار) مسعود غازی
۲۹۳، ۲۹۱، ۵۶، ۵۵		۳۵	(امام) مسلم
۱۰۰	(قاضی) ناصر الدین بیضاوی	۲۰	(سلطان) مصطفیٰ ثانی
۳۶۲	(مولوی سید) ناصر حسین	۲۱، ۲۰	(سلطان) مصطفیٰ ثالث
۱۰۷، ۱۰۶	(امام) ناصر الدین تہمدی سونی پتی	۲۱	مصطفیٰ خاں
۲۸۵، ۲۸۱	(گرو بابا) نانک	۲۵	(سید) المطہر
۱۳	(مولوی) تشارا کھتی ندوی	۲۳	(خلیفہ) المطیع للشر
۳۶۳	(نواب) نجف علی خاں	۱۹۰، ۱۱۳، ۶۰	(حضرت مرزا) مظہر جان جاناں
۲۸۰، ۲۷۶، ۵۸	(نواب) نجیب الدولہ	۲۰، ۶، ۳۵۸، ۳۴۸، ۲۹۰	
۳۱۲، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۵، ۷۰، ۲۹۷، ۲۸۹		۲۷۰، ۲۶۵	(حضرت) معاویہ
۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۵		۴۷، ۴۶	(سلطان) معز الدین جہاندار شاہ
	(مولانا سید) نذیر حسین محدث دہلوی (میاں حسا)	۶۹-۷۱	(شیخ) معظّم
۳۵۹، ۱۱۶		۱۷۹	(شیخ) مہر ابراہیم بن داؤد مانپوری
۲۰، ۷، ۳۵	(امام) نسائی	۱۱۴	(مخدوم) معین الدین سندھی

کتابیات

قرآن مجید	
(الف)	
آب حیات	۳۵۱
وفیات الاعیان	۲۵۶
ابن کثیر (البداية والنهاية)	۲۶۱
اتحاد السادة المتقين لشرح احیاء	
علوم الدین	۱۹۰
اثار الصنادید	۱۲۸
الأحكام السلطانية والولايات الدينية	۲۵۴، ۲۵۵
احیاء علوم الدین	۳۲۲، ۳۲۳
اخبار الأخیار	۶۵
الأربعین	۳۹۸
ارجوزة اصمعی	۳۵۴
الارشاد الى مهمات علم الاسناد	۱۰۰
	۳۲۸، ۱۰۵
ارشاد الطالبین	۴۱۲
ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء	۱۲۵
	۲۶۹، ۲۶۶، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰
	۳۹۹، ۳۶۱، ۳۴۱، ۳۲۱، ۲۹۶، ۲۷۳، ۲۷۰
اسرار المحجة (رساله)	۳۸۳
الاسفار الأربعة	۳۶
اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں	۱۸۱، ۱۸۰
	۳۶۱، ۱۸۳
اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں	
حدیث کا بنیادی کردار (رسالہ)	۱۴۶، ۱۴۰
۲۱۶	
اشراق ہیا کل النور	۳۶
اصول بزدوی	۱۰۰
اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ	۴۰۹
اطیب النعم فی مدح سید العرب والعجم	
۳۹۹	
الأعلام (زرکلی)	۱۱۰، ۲۳
الأفق البین	۳۶
ألطاف القدس	۳۹۹، ۱۲۵
الامداد فی مآثر الأجداد	۳۹۹، ۴۳، ۶۲
۴۰۰	
الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ	۳۹۹، ۳۹۳
انسان العین فی مشائخ الحرمین (رسالہ)	۶۶
۱۲۱۹۴ - ۱۹۹۱۰۹ - ۱۹۹۱	
انسائیکلو پیڈیا آف اسلام	۳۱۳
انسائیکلو پیڈیا آف تاریخ عالم	۲۸، ۲۷
الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف	۱۹۴
۱۹۵ - ۱۲۰۳ - ۱۹۵	
انفاس العارفين	۸۰۰، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰
	۳۹۹، ۲۰۱، ۱۲۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵
	۴۰۰، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱
الأوائل السنبلیہ فی أوائل کتب الحدیث	۳۳

۳۵	تاریخ اخبار و آثار	۳۶۰، ۱۹۲	اوجز المسالك
۲۸۸	تاریخ اورنگ زیب	۱۶۷	اهل السنة والجماعة (رساله)
۳۳، ۱۶، ۱۵، ۱۱، ۹	تاریخ دعوت و عزیمت	۲۲۱	آیات الله الكامله
۲۹۴، ۲۵۸، ۱۷۴، ۱۳۶، ۱۳۵، ۹۴، ۶۸		۳۷۸	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح
۳۳۹، ۳۲۴		۴۳-۴۵	AURANGZEB
۲۱	تاریخ الدوله العلیه العثمانیه	۴۳	AURANGZEB AND HIS AGE
۳۶۷	تاریخ سلطنت خدادادیسور	۳۱۳	AHMAD SHAH DURRANI
۶۸	تاریخ فیروز شاہی		A HISTORY OF THE SIKHS GUARD
۲۲	تاریخ المذاهب الاسلامیه	۲۸۲	ORME COLLECTIONS
۱۴۸	تاریخ نثر اردو	۲۸۸	
۲۷۹، ۶۲، ۵۴، ۵۳	تاریخ ہمد		(ب) (پ)
۵۶، ۵۵، ۴۸-۵۲، ۴۵	تاریخ ہندوستان		البدرا الطالع مجاس من بعد القرن السابع
۳۰، ۷، ۶، ۲۸۹، ۲۸۲، ۲۸۰، ۲۷۸، ۱۵۸		۴۳	البدور البازغة
۳۱۸-۲۰		۴۰۰	بذل المجهود
۴۰۱	تاویل الأحادیث	۳۶۰	البرق الیمانی فی الفتح العثماني
۳۸۹	تبیین المصطفیٰ شرح الموطا	۳۹۱، ۱۲۸	برہان (رساله)
۳۶۴، ۳۶۳، ۳۶۱، ۳۵۳	تحفة اثنا عشریہ	۳۵۸، ۳۵۳	بتان المحدثین
۳۶۰	تحفة الأخوذی	۴۰۲	البعث الاسلامی (مجله)
۴۰۲، ۱۴۴، ۱۴۲	تحفة الموقدین	۳۳	بلوغ المرام
	تحقیق وانحاف کی عدالت میں ایک نظلم مصلح کا	۴۰۱، ۴۰۰	بوارق الولایة (رساله)
۳۷۶	مقدمہ (رساله)	۱۴۵	پوستان
۲۳	نذیل شفاء الغرام (أخبار البلد المحرام)	۱۴۵	البيان فی علوم القرآن (مقدمہ تفسیر حقانی)
۱۹۳	تراجم البخاری (رساله)	۳۵۶، ۹۹، ۷۷	بیضاوی شریف
۴۰۲، ۱۹۳	تراجم ابواب البخاری (رساله)		PARTIES AND POLITICS IN THE
۳۵۴	تعبیر رویا (رساله)	۲۷۸	MUGHAL COURT
		۲۷۹	PORTUGUESES
			(ت)
		۱۹۰	تاج العروس

(ج) (ج)

٣٣٤، ١٨٣	جامع الترمذی
١٣٩، ١٣٥	جائزة تراجم قرآنی
	الجزء اللطيف في ترجمة العبد الضعيف
١٧٠، ١٢٠، ١٠٩، ١٠٣، ١٠٢، ٩٩، ٩٤، ٨٨	
٢٠٩، ٢٠٢	
	جلاء العينين في محاسبة الأحمدين III
١٦٨، ١١٢	
٣٨٥، ٣٥٦	جلالین
١٤٢	جواهر خسته
٢٨٨	چهار گلزار شجاعي
٣٩٨	چهل حديث ولى الله (العين ولى الله)

(ح) (خ)

٨٢، ٨١	حاشية خیالی
٨١	حاشية شرح عقائد
١٠٠	حاشية ملا زاده
٣٥٢	حاشية ملا كوسج
٣٩	حاضر العالم الاسلامی
١٦٠، ١٥٨، ١٢٥، ١٠١	حجة الله البالغه
٢٠١، ١٩٥، ١٩٢، ١٨٥، ١٨٢، ١٦٤، ١٦٢	
٢٣٤، ٢١٥ - ٢٩، ٢١٠، ٢٠٨، ٢٠٥، ٢٠٣	
٢٤ - ٢٥، ٢٥١، ٢٢٩، ٢٢٨، ٢٣٩ - ٢٢	
٢٠٣، ٢٠١، ٢٣٩، ٢٢٩، ٢٢١، ٢٩٩	
٣٦٥	حام الاسلام
١٠٠	حامی

٢٥١	التعليق المجدد على مؤطا الامام محمد
٥٩	التفسيرات الالهديه
١٩٩	تفسير تبصير الرحمن وتبصير المنان
٢٢٨، ١٢٥	تفسير مقالي
٢٦٩	تفسير روح المعالي
٢٠٥	تفسير زهراوين
٢٠٤، ١٢٤، ١٢٥، ١٢٢، ١٢١	تفسير فتم الرحمن
٢١٢	تفسير فتم العزيز (تفسير عزيزي - بستان التفاهيم)
٣٥٦، ٣٥٣	
١٠٠	تفسير كشاف
٩٩	تفسير مدارك
١٩٠	تفسير مظهرى
١٦٨، ١٦٥، ١٣٩، ١٣٨	التفهيمات الالهيه
٢٠٤، ٢٢٩، ٣٢٨، ٣٢٦، ٣٢٥، ٣٢١، ١٨٩	
٢١٣، ٢٠٢، ٣٩٩، ٣٢٨، ٣٢١	
	تقصار جهود الأحرار من تذكار جهود الأبرار
٣٤٥	
٣٤٨	تقوية الايمان
٣٥٤	تكملة تفسير فتم الرحمن
٢٨٢	تكميل الصناعة
٣٢٢	تلبیس ابلیس
٣٩٠	التمهيد
٨٤	تنبيه الغافلين
٣٣	تقديم الأنظار وتوضيح الأفكار
٢٩٦	التوحيده الذي هو حق الله على العبيد
١٠٠	توضيح وتلويح

۴۰۴	دیوان اشعار	حسرتہ العالم بوفاتہ مرجع العالم (رسالہ)
۳۷۶	الذکر الجلی فی کرامات السید محمد علی	حسن العقیدہ دیکھئے العقیدۃ الحسنہ
۳۶۵	ذوالفقار (کتاب)	۳۹۹ حفظ الایمان (رسالہ)
	(س) (ن)	۳۴۷ حصن حصین
۴۰۴	الرحیم	۲۵۲ الحکومتہ الاسلامیہ
۴۰۲	رد و وافض	۱۸۱ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۴۰۴	رسالہ	۴۰۷، ۴۰۶، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶ حیات ولی
۴۰۴	رسالہ دانشمندی	۲۳ خلاصۃ الکلام
۳۷	رسالہ قطبیہ	۱۰۰ خیالی
۱۰۰	رسائل نقشبندیہ	۲۰۳ انجیر الکثیر
	روح البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر حقانی)	(د) (ذ)
۳۳	روح المعانی دیکھئے تفسیر روح المعانی	۱۱۵ دار الحکومت دہلی
	ROLE OF HADITH IN THE	۲۸۵ دائرہ معارف اسلامیہ
	PROMOTION OF ISLAMIC CLIMATE	دراسات اللیب فی الأسوۃ الحسنۃ بالحیب
۱۷۰	& ATTITUDES	۱۹۰
۱۶۴	زاد المعاد	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ۴۴
۳۹۶	زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث	۳۶۸ در مختار
۳۷	زواہد ثلاثہ	الدر المصنوعات فی الامادیت الموضوعات
	(س)	۳۳
۳۳، ۲۵	سبل السلام	۲۸۷ دستور الانشاء
۳۸۹	سبل الرشاد	۱۶۵، ۱۳۳ دستور حیات
۳۵۳	السراجلیل فی مسئلۃ التفضیل	۳۸۳ دمخ الباطل
۳۵۳	سرا الشہادتین (رسالہ)	دور الحدیث فی تلوین المناخ الاسلامی وصیائہ
۴۰۶	سرور محزون	۱۷۰
		۱۱۷، ۱۱۶ دہلی اور اس کے اطراف

۱۰۰، ۳۵	شرح جامی	۴۰۵	سطحات
۳۸۹	شرح دعائے اعتصام		سلك الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر
۱۰۰	شرح رباعیات (جامی)	۳۳-۳۵	
۵۹	شرح سلم (حمد اللہ)	۳۶۱، ۵۹	سلم العلوم
۵۹	شرح سلم (ملاحسن)	۳۴۷، ۱۹۳	سنن ابن ماجہ
۵۹	شرح سلم (قاضی)	۳۴۷، ۱۸۳	سنن ابی داؤد
۱۰۰	شرح شمسیہ	۲۷۲، ۱۶۴	سنن بیہقی
۱۰۰، ۸۱	شرح عقائد	۳۴۷	سنن النسائی
۱۰۰	شرح مطالع	۳۷۶	سوانح احمدی
۱۰۰، ۸۲، ۳۷	شرح مواقف	۳۷۶	سید احمد شہید (تہ صاحب)
۱۰۰، ۳۸، ۳۷	شرح وقایہ		السیاسة الشرعية فی اصلاح الراعی والرعية
۳۵۴، ۱۰۰، ۳۶	شرح ہدایۃ الحکمتہ	۲۵۷	
۴۱۱، ۴۱۰، ۳۴۸	شفاء العلیل	۶۵	سیر الاولیاء
۴۰۶	شفاء القلوب	۲۸۲، ۹۲، ۴۱، ۳۰، ۱۱	سیرت سید احمد شہید
۳۴۷، ۱۸۱، ۱-۵، ۹۹	شمائل ترمذی	۳۷۷، ۳۷۶، ۳۶۹-۷۱، ۳۴۰، ۳۲۲	
۱۱۰	شمائل نبوی	۲۸۱، ۵۲، ۴۷-۴۹	سیر المتاخرین
۴۰۶، ۴۰۰	شوارق المعرفۃ (رسالہ)	۳۶۵	سیف نامری
	(ص)		(ش)
۱۹۲، ۱۸۳، ۱۷۴، ۱۱۲، ۳۲	صحاح ستہ	۱۴۴	شافیہ
۳۵۸، ۳۴۷		۲۸۷	شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات
۱۹۳، ۱۸۱-۸۳، ۱۳۹، ۱۱۲، ۹۹	صحیح بخاری	۳۱۴-۱۷، ۳۰۳-۱۰، ۳۰۱، ۲۹۶، ۲۸۸	
۴۰۶، ۲۵۹، ۲۴۷، ۲۱۸		۳۲۰، ۳۱۹	
۱۱۲	صحیحین	۳۵	شرح اشارات ابن سینا
۳۴۷، ۱۸۳، ۱۷۸، ۱۳۹، ۹۶	صحیح مسلم	۴۰۶، ۱۹۳	شرح تراجم الباب صحیح البخاری
۳۷، ۳۶	صدرا (شرح ہیاکل النور)	۳۷	شرح تہذیب

٣٦٠	غاية المقصود	٣٢٠	صراط مستقيم
١٢٥	غرائب القرآن	٣٦٥	صوارم الألهيات
٨٤	غنية الطالبين		صيانة الناس عن وسوسة الخناس
	غياث الأكم في الثبات الظلم (الغياثي)	٣٤٦، ٣٤٥	
٢٥٦			(ط) (ظ)
	(ف)	٢٥٦، ٤٨	طبقات الشافعية الكبرى
٣٣١، ٣٣٣	فتاوى عالمگیری (الفتاوى الهندية)	٣٦٠	طريق النجاة
٨٣		٣٢	ظفرنامه شاهجهان
٣٦٩	فتاوى عزيزي		(ع) (غ)
٣٥٣	الفتاوى في المسائل المشككة		عبيقات الافوار في امامة الأنبياء الأطهار
٣٨٠، ١١٠	فتح الباري	٣٤٨، ٣٦١	
٣٠٤	فتح النجيب	٣٩٠، ٣٥٨، ٣٥٣	المجالة النافعة
	فتح الرحمن ديكھے تفسير فتح الرحمن	١٩٩	عرب وديار هند
١٩٩	فتح المعين	٣٥٢	عزيزيه (حاشية)
٣٠٤	فتح الودود لمعرفة الجنود		العطية الصمدية في الأنفاس المحمدية
٣٥	فتوحات مكية	٣٠٦، ٣٠٠، ١٤٥	عقائد الاسلام
	الفرقان (رساله)	٢٢٨	عقد المجيد في احكام الاجتهاد والتقليد
٣٢٢			
٨٢، ٣٥	قصص الحكم	٣٠٦، ٢١٢، ١٩٥	العقيدة الحسنة (حسن العقيدة)
	الفضل المبين في المسلسل من حديث	٣٠٦، ٣٠٣، ١٦٥، ١٦٢	
٣٠٤، ١٩٣	النبي الأمين (رساله)	٣٠٣، ١٦٢	العقيدة السننية
١٠٠	الفوائد المائة	١٦٢	العقيدة والعبادة والسلوك
	الفوز الكبير في أصول التفسير	٢٢٨	علم الكلام
٣٠٤، ٣٩٩، ١٥٨، ١٥٦، ١٥٠ - ٥٣		٢٣	عنوان المجد
٣٠٤، ١٩٨، ١٢٥، ١١٢	فيوض الحرميين	١٠٠	عوارف
٣٠٦، ٣٤٨، ٥٢	قال آت دي نعل امپائر		

۲۸۵، ۲۸۳، ۲۸۲	گزنفه	(ق)	قاموس
۶۵	گلزار ابرار	۱۹۰	
۱۴۵	گلستان	۲۰۳	قرة العين
	(ل)	۴۰۷	قوة العينين في تفضيل الشيخين
۱۰۰	لُبّ الاباب	۱۰۶	قصر عارفان
۲۲۵	لسان العرب	۲۰۵	قوت القلوب
۴۱۲	لمعات		القول المجلى في مناقب الولي ۹۷، ۸۸
۱۰۰	لوائح	۳۸۹، ۲۹۲، ۱۱۳، ۱۰۹، ۱۰۸، ۹۸	
۲۸۷	LATER MUGHALS		القول الجميل في بيان سواء السبيل
	(م)	۴۰۹، ۳۰۸، ۳۹۳	
۴۳	مآثر الامداد ديكھے الامداد في مآثر الاجداد	(ک)	کاروان ايمان و عزيمت ۳۸۰، ۳۷۲، ۳۴۰
۶۲، ۶۱	مآثر المکبري	۱۴۴، ۱۰۰، ۹۹	کافيه
۱۹۰	مالا بدمنه	۱۱۲	کتاب الآثار
۱۷۹، ۱۷۶	مجمع بچار الانوار	۲۵۵	کتاب الخراج
۴۰۰، ۳۹۹	مجموعه رسائل شاه ولي الشر	۵۹	کشاف اصطلاحات الفنون
۴۱۳			کشف الخفا ومزيل الالباس عما اشهر
۴۰۲، ۱۹۳	مجموعه رسائل اربعه	۳۲	من الاحاديث على السنة الناس
۷۵، ۷۳، ۶۷	مجموعه رسائل شاه ولي الشر	۲۷۴	کشف الغطاء عن السنة البيضاء
۱۶۵		۳۶۷	کلتکه گزٹ
	مجموعه کشف الآثار عن رجال معالي	۳۹۱، ۲۹۰، ۱۸۹، ۱۸۶، ۶۰	کلمات طبیات
۱۱۰	الآثار	۴۱۳	کمالين
	مجموعه مکتوبات شاه عبدالرحيم وشاه ولي الشر	۱۸۱	کنز العمال
۳۰۵		۱۹۹، ۱۷۶	کیمبرج ہسٹری آف انڈیا
۱۸۱	محلّی	۴۲	کیمبرج ہسٹری آف دی ورلڈ

۱۸۴	مفتاح كنوز السنة	محمد بن عبد الوهاب ايك نطلوم اور بزمان مصلح	۳۹۵
۲۱۶	مقاصد الشريعة الاسلاميه ومكارمها	مختارات	۲۳۵
۶۴	مقالات سليمانى	مختصر المعالى	۱۰۰/۳۵
۳۵۷، ۳۴۹، ۱۰۵	مقالات طرليقت	المراة الوضیة فی النصیحة والوصیة	(المقالة الوضیة فی النصیحة والوصیة)
۳۶۵		روصیت نامہ (۹۳، ۹۴، ۹۵، ۱۹۳، ۱۹۲)	
۱۰۲، ۱۰۱	مقامات حریری	مرقاة	۱۷۶
۲۹۹، ۲۶	مقدمہ ابن خلدون	مسلمات (رسالہ)	۴۰۴، ۴۰۲، ۱۹۴
	المقدمة البنيية فی الانتصار للفرقة		۴۱۳، ۴-۷
۴۱۲	السنية	سلم الثبوت	۳۶۱، ۵۹
۱۰۰	مقدمہ شرح اللمعات	مسند امام احمد	۱۱۰
۴۱۲	المقدمة فی قوانین الترجمة	مسند دارمی	۱۱۲
۱۰۰	مقدمة نقد النصوص	المستوى فی احاديث المؤطا	۳۴۷، ۱۹۲
۹۵	مکتوبات امام ربانی		۴۱۲
	مکتوبات مع مناقب امام بخاری وفضيلة	شارق الانوار	۱۷۸، ۱۰۱
۴۱۳	ابن تیمیة	شکوة المصابيح	۱۷۶، ۹۹، ۸۷، ۷۷، ۱۲
۴۱۲	المکتوب المدنی		۳۴۷، ۲۷۲
۳۹۴، ۱۲۷، ۱۱۹، ۱۰۵	مکتوب المعارف	مصباح	۳۹۳
۱۱۱، ۶۲، ۶۱، ۳۸	ملفوظات عزیزی	مصباح السنة	۱۷۸
۳۵۶، ۲۹۱، ۱۲۸، ۱۱۸، ۱۱۵		مصباح	۱۰۰
۱۰۰	منار (رسالہ)	مصفی	۴۱۲، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۰۳، ۱۹۲
۱۸۳	المنار (مجلد)	مضامين عالمگیر	۴۳
۳۵۰	مناقب حیدریہ	مطول	۱۰۰
۳۸۱، ۳۵۷	فتہ الکلام	مظاہر حق	۳۵۹
۳۷۸	منصب امامت		

۱۹۸، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۱۹، ۱۱۶، ۱۱۳، ۱۰۵	منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
۳۵۹، ۳۵۸، ۳۵۷، ۳۴۶، ۳۴۵	۱۳۵
۳۹۱، ۳۹۰، ۳۸۷، ۳۸۵، ۳۸۱، ۳۸۰	۱۲۵ منصور
نصب الراية في تخریج احادیث الهداية	۲۵۸ منہاج السنہ
۱۹۵	۱۰۰ موجز
نظام الملک طوسی ۳۵۶	۲۷۱ موسوعة فقہ عمر بن الخطاب
نعمۃ اللہ السایغہ ۲۴۸، ۲۲۱	۳۸۶، ۱۴۹، ۱۴۱، ۱۴۰ موضع القرآن
النوادر من احادیث سید الاولیاء	۴-۷، ۳۸۷
والاواخر ۴۱۳، ۴۰۴	۳۸۶ مہر جہاں تاب
نور الانوار ۵۹	۲۰۲، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۱۲ مؤطا امام مالک
نور العیون فی سیر الامین المامون	۴۱۲، ۳۴۷
۴۰۶	۱۹۲، ۱۱۲ مؤطایحی بن یحییٰ
نیل الاوطار ۳۳، ۲۵	۲۸۵ MACAUFFE
نہنگ سنگ دیس (اختیار) ۲۸۳	۴۲ مسلم رول ان انڈیا
جدید دنیا کے اسلام	۳۵۴ میرزا ہد (رسالہ)
۴۱، ۳۹ (NEW WORLD OF ISLAM)	۳۵۴ میرزا ہد شرح مواقف
و	۳۵۴ میرزا ہد تلا جلالی
(رسالہ) وصایا - یا - وصیت نامہ	۳۵۳ میزان البلاغۃ (رسالہ)
دیکھئے المرأة الوفیہ	۳۵۳ میزان الکلام (رسالہ)
وصیت نامہ (فارسی) ۳۴۱، ۲۰۲	ن
وقائع احمدی ۳۷۲	النبدۃ الابرزۃ فی اللطیفۃ العزیزۃ
و	۴۱۳، ۴۰۰، ۴۰۳
۴۵	۳۶۲ نجوم السماء (کتاب)
۱۰۰ ہدایہ	۳۰۵ نجیب التواریخ
۳۲ الهوامش الستہ	۸۲، ۷۶، ۷۳، ۶۰ نزہۃ الخواطر
۴۱۵ ہوامش شرح حزب البحر	

۳۶	ہیباکل النور	۴۱۳، ۱۲۵	ہمعات
	ہسٹری آف اورنگ زیب (HISTORY OF AURANGZEB)		ہندوستان کا نظام درس اور اس کے تغیرات
۴۳	البائع المجنی فی أسانید الشیخ عبد الغنی	۱۰۱	(رسالہ)
۳۸۲، ۳۶۱، ۳۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۱۱۰، ۱۰۲		۳۱۴	ہسٹری آف دی افغانس (HISTORY OF THE AFGHANS)

مقامات

۲۸۹	الورد		(الف)
۳۶۷، ۳۲۰، ۵۸	الہ آباد	۲۷۷	اٹک
۲۸۴، ۲۸۱	امر قسر	۲۸۷	اجمیر
۲۷۷	امروہہ	۱۷۹	احمد آباد
۲۲	اناطولیه	۴۰۲	آرہ
۱۷۶	اندلس	۳۶۶، ۵۷، ۵۶	اڑبیسہ
۳۴	اندونیشیا	۴۲	آسام
۶۲، ۴۹	اورنگ آباد	۱۱۲	استنبول
۳۶۳، ۳۲۰، ۲۷۶، ۹۲، ۵۷	اودھ	۴۰۹	اسلام آباد
۳۶۳		۲۶	اصفہان
۳۵-۳۸، ۳۲، ۲۵-۲۹، ۱۷-۱۹	ایران	۳۶۱، ۱۸۳	اعظم گڑھ
۱۴۲، ۱۳۷، ۱۰۰، ۹۱، ۶۸، ۵۱، ۴۳		۳۰، ۲۹، ۲۶، ۱۹، ۱۸، ۱۷	افغانستان
۳۶۳، ۲۵۲، ۱۷۷، ۱۶۷		۱۹۹، ۱۷۵، ۱۴۲، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۷	
۱۹	ایشیائے کوچک	۱۷۶، ۱۷۹	افریقہ
	(ب)	۱۸۲، ۱۷۹	اکبر آباد
۷۵	بارہ بنکی	۱۹۶، ۱۸۷-۸۹، ۱۸۲، ۱۶۴، ۵۷، ۵۱	آگرہ

۱۹۵، ۲۲، ۲۱	بیروت	۵۱	بارہ
(پ)		۲۱	بازارجن (TOBULKHIN)
۲۸۱	پاک پٹن	۱۴	بائی کلا
۴۰۹، ۴۰۱، ۳۹۸	پاکستان	۳۲۵	بجنور
۲۸۰، ۲۷۷، ۵۸، ۵۷، ۱۷	پانی پت	۱۰۸	بحراحر
۳۲۰، ۳۱۳، ۲۸۴		۲۲	بحر روم
۲۷	پشاور	۱۰۸	بحر ہند
۳۶۷	پلاسی	۲۷	بحیرہ خزر (CASPIAN SEA)
۲۸۳-۸۵، ۲۸۱، ۲۷۶، ۲۶۹	پنجاب	۸۰، ۱۶۰، ۲۹، ۲۷	بخارا
۳۷۰، ۳۵۹		۲۱	بخارست
۹۷، ۷۶، ۷۵	پھلت	۷۴	برہانپور
(ت) (ط)		۲۹۲، ۱۲۱، ۱۰۵	برٹھانہ
۱۴۲، ۱۳۷، ۹۱، ۶۸، ۳۵، ۱۸	ترکستان	۲۷۳، ۲۲۱	بریلی
۳۴۵، ۱۷۷		۲۸۱، ۲۶۰، ۲۵۶، ۳۳، ۳۱	بغداد
۳۴۵، ۴۳، ۳۹، ۳۴، ۲۴، ۲۱	ترکی	۳۶۷، ۵۷	بکسر
۵۱	توران	۲۷	بلخ
۱۷۶، ۳۳	تونس	۲۹، ۲۷	بلوچستان
۴۱۲، ۳۷۱	ٹونک	۲۷۹، ۱۴	بنہی
(ج) (ج)		۳۶۶، ۳۶۲، ۲۷۸، ۵۷، ۵۶، ۴۹	بنگلہ
۱۰۹	جده	۷۳، ۵۰، ۱۴۷	بنگلہ
۱۷۶	الجزائر	۳۶۶، ۳۶۲، ۵۷، ۵۶، ۴۹	بہار
۳۹۵، ۹۳، ۲۱	جزیرۃ العرب	۱۹۸	بھگل
۲۸۷، ۲۷۶	جنا	۳۳۰	بہرائچ
۳۸۰	جنت المعلات	۴۱۴، ۳۸۰، ۳۷۵، ۲۷۳، ۲۲۱	بھوپال
۱۱۶	چنلی قبر (دہلی)	۲۹۷	بیانہ

۱۷	درہ خیبر	۴۲	چٹاگانگ
۲۷۷	درگاہ حضرت نظام الدین	۲۸۷	چنبلی
۲۷	دریائے سندھ	۱۲۲	چوک سعد الشرحاں (دہلی)
۵۱	دریائے شور	(ح) (خ)	
۳۶۱، ۸۵، ۳۴، ۲۲	دشق	۹۱، ۵۵، ۳۲، ۲۱-۲۵، ۱۶	حجاز مقدس
۲۷۶	دوآبہ	۱۴۱، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۰۷، ۱۰۲، ۹۷، ۹۳	
۵۵، ۵۲، ۵۱، ۴۹، ۴۲، ۲۷، ۱۷	دہلی	۱۸۶، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۳، ۱۴۵، ۱۴۲	
۵۸-۵۶-۵۶، ۶۶، ۶۸، ۷۸، ۷۹، ۸۰		۲۷۹، ۳۵۹، ۳۵۸، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۱	
۱۱۸، ۱۱۳-۱۵، ۱۱۱، ۱۰۹، ۱۰۰، ۹۴		۴۱۲، ۴۰۹، ۴۰۷، ۳۹۸، ۳۹۵	
۱۹۰، ۱۸۰-۸۲، ۱۵۰-۱۲۶، ۱۲۲		۳۶۹، ۲۷۶	حدیبیہ
۲۸۷-۹۳، ۲۸۲-۸۴، ۲۷۷، ۲۷۶		۳۳، ۳۲، ۲۳، ۲۲، ۱۶	حرمین شریفین
۳۴۱، ۳۱۹، ۳۱۱، ۳۰۷، ۲۹۸، ۲۹۶		۱۸۲، ۱۷۹، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۰۷-۱۳، ۹۴	
۳۶۷، ۳۶۳، ۳۶۲، ۳۵۹، ۳۵۷		۴۰۹، ۲۸۱، ۲۰۱، ۱۹۹، ۱۹۱	
۴۰۲، ۴۰۰، ۳۹۹، ۳۸۵، ۳۸۰		۱۷۵	حرم کی
۴۱۲، ۴۰۷		۱۷۶	حضرت موت
۱۴۵، ۱۱۰	دیوبند	۳۲	حلب
۴-۴، ۳۲۵، ۲۷۴	ڈاکھیل	۲۷، ۱۹۳، ۷۷، ۶۲، ۵۲	حیدرآباد دکن
(س)		۲۰۶، ۳۹۵، ۳۷۶، ۳۶۸، ۲۸۰، ۲۷۷	
۱۰۸، ۵۷	راجپوتانہ	۴۰، ۴۰، ۴۰-۱	حیدرآباد (پاکستان)
۳۶۸	رامپور	۱۷۸، ۱۰۶	خراسان
۲۷۷	رام گنگا	۲۷	خوارزم (خیوہ)
۱۱۸	رائے بریلی	۲۹۳، ۲۶۷	خیبر
۲۶، ۲۱، ۲۰	روس	(د) (ڈ)	
۲۷	روم	۳۹۵	درعیہ
۲۷۶	روہیلکھنڈ	۱۷	درہ بولان

۳۷۲	صادقپور	۶۵-۶۹	رہنگ
۳۹۳	طائف	۹۵	س (س)
۳۵	طهران	۷۵	سامانہ قصہ
	ط (ع)	۳۷۰	سدهو
۱۵-۱۷، ۱۱، ۹	عالم اسلام۔ مالک اسلامیہ	۳۶۷	سرحد
۱۶۳، ۶۸، ۳۹، ۳۴، ۳۱، ۳۰، ۲۰		۲۸۲، ۲۸۳	سرنگاپٹر
۲۶۱، ۲۶۰، ۲۱۷، ۲۱۰، ۱۹۵، ۱۶۷		۳۷۶	سرمہند
۱۵۶، ۱۱۶، ۲۷، ۱۹	عرب۔ مالک عربیہ	۲۸۸	سکندر آباد
۱۸۳، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۴، ۱۵۸، ۶۰		۶	سکندریہ
۲۲۵، ۲۹۵، ۲۷۴، ۲۳۵، ۲۳۲، ۱۹۱		۴۰، ۴۱، ۹۰، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۰۶	سمرقند
۳۱۳		۳۲۵، ۱۰۹، ۱۰۸	سندھ
۱۹۱، ۶۸، ۳۸، ۳۵، ۳۲، ۱۹	عراق	۱۰۶، ۶۹	سورت
۲۷۰، ۱۸۴، ۱۷۶، ۱۳۶		۷۴	سونی پت
۲۷۹، ۳۸	علی گڑھ		سیوازا
۳۹۵	عمینہ		ش (ش)
	غ (غ)	۳۸، ۳۵، ۳۴، ۳۲، ۲۳، ۱۹	شام
۱۷۵، ۱۰۶، ۹۲	غزنی	۲۷۰، ۱۸۴، ۱۷۶، ۱۷۳، ۱۳۶، ۴۳	
۲۲	غزہ	۲۹۴	
۳۳	فاس	۱۱۶	شاہ ابوالخیر مارک
۲۹۶	فیروز آباد	۱۲۸	شاہجہاں آباد
	ق (ق)	۲۹۶	شکوہ آباد
۲۲	قدس	۷۰	شکوہ پو
۲۷۷	قدم شریف (دہلی)	۲۶۱، ۳۶، ۲۸	شیراز
۳۲، ۲۳، ۲۲، ۲۱	قسططنیہ	۱۴۴	شیش محل روڈ

[illegible]

۲۵۶	پیشاپور	۳۸۶، ۳۸۰، ۳۷۹، ۳۵۹، ۲۶۶، ۲۲۰	
۱۰۶	واسطہ	۳۱۲، ۳۹۵، ۳۹۳	
	(۵) (۷)	۳۱۳، ۱۰۶، ۱۰۰	ملتان
۱۷۵، ۳۷	ہرات	۱۰۶	منصورہ
۲۸۲	ہرگوندپور	۱۲۸، ۱۱۷، ۱۱۵	منہدیان (محلہ)
۲۷۷، ۵۳	ہمالیہ	۲۹۶، ۲۸۹	میوات
ہندوستان - تقریباً پوری کتاب			(۵) (ن)
۷۴	ہندیا	۲۲	نابلس
۲۲	یافہ	۳۹۴، ۲۱	نجد
۱۹۹، ۱۷۶، ۱۷۳، ۳۳، ۳۲، ۲۵، ۲۴	یمن	۱۱۸	نصیر آباد
۱۸۷، ۱۶۷، ۱۳۷	یونان	۷۴	نوبہریا